صراطِ مستقیم پبلیکیشنز، سی ڈی سینٹر، کیسٹ ہاؤس
5-6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
042-37115771-2 0315/ 0321 4497690

نام کتاب : خطبات جلالی (جلد اوّل)

افادات : ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی مدظلہ العالی

مرتب : محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔ بی ایڈ ایم اے اردو)

مرتب : مولانا محمد عبدالکریم جلالی (فاضل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام داروغہ والا لاہور)

باہتمام : شیخ محمد سرور اویسی، محمد آصف علی جلالی

پہلا ایڈیشن : مئی 2012ء

پانچواں ایڈیشن
اگست 2015ء

تعداد : 1100

صفحات : 416

ہدیہ : 300 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور /مسلم کتابوی لاہور
مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور /جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور
کرمانوالہ بک شاپ لاہور /مکتبہ جلالیہ صراط مستقیم گجرات
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات
مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ /مکتبہ قادریہ لاہور
جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین
مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
اویسی بُک سٹال پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

انتساب

بندہ اس کاوش کو

جنیدِ زماں حافظ الحدیث امام العصر حضرت

پیر سیّد محمد جلال الدین شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ

اور

تاجورِ کشورِ تدریس امام العلماء

حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ

کے اسماء گرامی سے منسوب کرتا ہے

ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی

6

ادارہ صراط مستقیم پاکستان

بانی ادارہ

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کے دل کی آواز

ادارہ یہ چاہتا ہے کہ

- توحید و رسالت سے متعلق اعتقادی اور عملی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے۔
- مصادر قرآن وسنت کو لے کر ان کا آگے ابلاغ کیا جائے اور صحیح عقائد پر مبنی اہل سنت و جماعت کے ساتھ اسلام کے "نظریۂ علم" بھی واضح کیا جائے۔
- حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت کو عام کیا جائے اور ان کی پابندی کا احساس بیدار کیا جائے۔
- محبوبان بارگاہ ایزدی (انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور ﷺ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا وسیلہ جانتے ہوئے ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے انکی اپنی محبتوں کا مرکز بنایا جائے اور ان کی ناموس پر پہرہ دیا جائے۔
- معاشی اسلام کی ترویج کی خاطر اور برکات دین سے تمام شعبہ ہائے زندگی کی مانگ بھرنے کیلئے نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کیلئے ذہن سازی کی جائے۔
- عریانی فحاشی حرام خوری بے حیائی فریب کاری دغابازی جھوٹ خیانت اور ظلم وستم جیسی بیماریوں سے معاشرے کو پاک کیا جائے۔
- نام نہاد روشن خیالی کے گندے سیلاب کے سامنے بند باندھا جائے۔
- تطہیر اخلاق تعمیر سیرت روحانی تسکین اور [illegible] کیلئے تربیت گاہوں کا اہتمام کیا جائے۔
- مزارات اولیاء جو کہ مراکز انوار و تجلیات ہیں انکو جہلاء کی غیر شرعی حرکات سے بچایا جائے۔
- یہود و نصاریٰ اور حرکات فتنہ (اسلام کو نقصان پہنچانے والی تنظیموں) کی سازشوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور امت مسلمہ کو ان سے بچانے کیلئے بروقت اقدام کیا جائے۔
- سماجی خدمت کے اسلامی فلسفے کو اجاگر کرتے ہوئے بعض این جی اوز کی سماجی خدمت کی آڑ میں دین مخالف سرگرمیوں کا تعاقب کیا جائے۔

مذکورہ مقاصد کے حصول کیلئے ان امور پر خود عمل پیرا ہوتے ہوئے گھر گھر یہ پیغام پہنچانے کی خاطر دور جدید کے تمام ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لایا جائے

صراط مستقیم پبلیکیشنز 5-6 مرکز [illegible] مارکیٹ لاہور
042-37115771-2, 0315 / 0321 - 9407699
www.Siratemustaqeem.net

﴿فہرست﴾

مضمون | صفحہ نمبر

﴿باب نمبر 7﴾ 250

☆☆☆☆☆☆

باب نمبر
1
نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا انکار کیوں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ جَاءَ کُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَکِتَابٌ مُّبِیْن

(پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵)

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًاO

(پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

اَللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی جَلَّ جَلَالُہٗ وَ عَمَّ نَوَالُہٗ وَ اَتَمَّ بُرْهَانُہٗ وَاَعْظَمَ شَانُہٗ کی حمد و ثناء اور حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، زینتِ بزمِ کائنات، دستگیرِ جہاں، غمگسارِ زماں، سیدِ سروراں، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار

گوہر بار میں ہدیہ درود و سلام عرض کرنے کے بعد
آج کی گفتگو کا موضوع ہے

﴿نورانیت مصطفیٰ ﷺ﴾

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تخلیق فرمایا اور آپ بشری صورت میں مخلوق کی ہدایت کیلئے تشریف لائے۔

اس موضوع میں بنیادی گفتگو یہ ہے کہ نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت میں کسی کا اختلاف نہیں، کیونکہ قرآن مجید برہان رشید کی متعدد آیات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا بنیادی اختلاف آپ کی نورانیت کے متعلق ہے، ہم اہلسنت و جماعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت کے ساتھ ساتھ بے مثل نورانیت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ لوگ جن کو ہمارے ساتھ اس مسئلہ میں اختلاف ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

﴿اصولی قانون اور ضابطہ﴾

اصولی طور پر بحث کا قانون یہ ہے کہ جس نسبت میں اختلاف ہو، اس نسبت کے مدعی کیلئے اپنے دعوے پر دلیل پیش کرنا ضروری ہے اور منکر کیلئے اپنے انکار پر دلیل ضروری ہے، کیونکہ بشریت ایک اتفاقی مسئلہ ہے،

اس پر کسی فریق کو اختلاف نہیں (اگرچہ اس موضوع پر بھی ان کا مؤقف انتہائی متضاد ہے کیونکہ فریق مخالف تو

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی جتنا مقام و مرتبہ دیتا ہے،

گاؤں کے چوہدری کی طرح خیال کرتا ہے،

عام بشروں کی طرح مر کر مٹی میں مل جانے کا عقیدہ رکھتا ہے۔
آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل اور نبیوں کا عقیدہ رکھتا ہے
لہٰذا بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنے کیلئے ہمارے مخالفین کو کوئی دلیل پیش نہیں کرنی چاہیئے۔ اختلاف تو نورانیت کے موضوع پر ہے۔ ہم آپ ﷺ کو بے مثل نور مخلوق بھی مانتے ہیں اور وہ فقط عام سی بشریت مانتے ہیں۔ اصولی طور پر ہمارے ذمہ نبی اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے دلائل پیش کرنا ہیں اور ان کے ذمہ آپ کے نور نہ ہونے کے دلائل پیش کرنا ہے۔
کیونکہ مخالفین اہلسنت و جماعت کے پاس اس مؤقف کے ردّ میں کوئی دلیل ہی نہیں لہٰذا وہ خلط مبحث کرتے ہوئے ہمارے مؤقف کو غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں اور جو چیز (بشریت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اتفاقی ہے اس کے دلائل دینا شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید کی بشریت والی آیات اس انداز سے پڑھنا اور تشریح کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے کہ ہم ان آیات کے منکر ہیں۔ وہ آیات تو تب پڑھی جائیں، دلیل میں پیش کی جائیں جبکہ ہم نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت کے منکر ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ وہ کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کریں جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہو کہ ہم نے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور بنا کے نہیں بھیجا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں نور نہیں ہوں یا صحابہ نے ہی سرکار ﷺ کے بارے میں فرمایا ہو کہ آپ ﷺ نور نہیں تھے۔
اس قسم کے دلائل ان کے دعویٰ کو ثابت کر سکتے ہیں یا ان کے انکار کی دلیل بن سکتے ہیں۔
میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قرآن مجید فرقان حمید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں

کہ جس میں کہا گیا ہو کہ

مَا اَرْسَلْنٰکَ نُوْرًا

ہم نے آپ کو نور بنا کے نہیں بھیجا۔

کوئی ایسی حدیث شریف موجود نہیں ہے جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ:

لَسْتُ بِنُوْرٍ

میں نور نہیں ہوں۔

اور نہ ہی کسی صحابہ کا کوئی ایسا اثر موجود ہے جس میں اس صحابی کا یہ عقیدہ ہو کہ

ما کان نَبِیُّنَا نورا

ہمارے نبی ﷺ نور نہیں تھے۔

چونکہ اصولی طور پر ان کے پاس اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل موجود ہی نہیں لہٰذا وہ بحث کو غلط رنگ دیتے ہوئے بشریت کی آیات پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس موضوع پر جب بھی کسی سے گفتگو ہو تو اصولی طور پر واضح کر لیں اور جب وہ دلیل پیش کریں تو ان کی غلطی کو فوراً پکڑیں کہ جس بات میں ہے ہی اتفاق رائے اس پر دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ بے مثل بشریت ہمارا قطعی عقیدہ ہے، لہٰذا اس پر دلیل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پختہ طور پر اس مؤقف کو ذہن نشین کر لیں کہ ہمارے ذمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانیت پر دلیل دینا ہے جو کہ ہم پیش کریں گے۔

اور منکرین کے ذمہ نور نہ ہونے پر، عدم نورانیت پر دلیل دینا ہے۔ ہمارا مؤقف بالکل واضح ہے اور قرآن، حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے لیکن کوئی ایسی آیت،

کوئی ایسی حدیث، کوئی ایسا اثر، کسی صحابہ کا قول پورے ذخیرۂ آثار میں نہیں ملتا کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی ہو۔ ہمارا یہ اصولی مؤقف بحث و مباحثہ، مناظرہ کے اصولوں کے مطابق ہے۔

اب میں قرآن مجید فرقان حمید، احادیث اور آثار صحابہ سے اپنے مؤقف کے حق میں انتہائی اختصار سے دلائل پیش کرتا ہوں۔

﴿قرآن مجید فرقان حمید سے دلیل﴾

جہاں تک قرآن مجید فرقان حمید سے دلیل پیش کرنا ہے تو نبی اکرم، شفیع معظم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان پیش کرتا ہوں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ○

(پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آیا اور ایک روشن کتاب (قرآن مجید)۔

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ يعنى مُحَمَّدٌ ﷺ

(تفسیر ابن عباس ص ۷۲)

اس آیت میں نور سے مراد جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔

مفسرین کرام، محدثین کرام، علماء عظام کی کثیر تعداد نے اس آیت کریمہ میں لفظ ''نور'' سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو لیا ہے۔

چند حوالہ جات:

(۱) تفسیر کبیر جلد ۳، ص ۳۹۵	(۲) تفسیر روح البیان جلد ۸، ص ۳۷۰
(۳) تفسیر روح المعانی جلد ۶، ص ۹۷	(۴) تفسیر خازن جلد ۱، ص ۴۴۷
(۵) تفسیر ابن جریر جلد ۶، ص ۹۲	(۶) تفسیر مظہری جلد ۳، ص ۶۷
(۷) تفسیر بیضاوی ص ۹۷	(۸) تفسیر مدارک جلد ۱، ص ۲۰۶
(۹) تفسیر معالم التنزیل جلد ۳، ص ۲۳)	(۱۰) تفسیر صاوی جلد ۱، ص ۲۵۸
(۱۱) تفسیر حسینی جلد ۱، ص ۱۴۰	(۱۲) تفسیر ابی سعود جلد ۴، ص ۳۶
(۱۳) تفسیر سراج المنیر ص ۳۶	(۱۴) تفسیر ثنائی مائدہ ص ۱۱
(۱۵) تفسیر تبویب القرآن ص ۱۴۹	(۱۶) تفسیر محمدی جلد ۲، ص ۲۳
(۱۷) تفسیر قاسمی جلد ۶، ص ۱۹۲۱	(۱۸) تفسیر جلالین ص ۹۷
(۱۹) کتاب الشفاء جلد ۱، ص ۱۷	(۲۰) شرح شفاء علی قاری جلد ۱، ص ۵۰۵
(۲۱) شرح شفاء خفاجی جلد ۲، ص ۴۴۸	(۲۲) موضوعات کبیر ص ۱۰۳
(۲۳) جواہر البحار جلد ۱، ص ۱۳	(۲۴) الحدیقۃ الندیہ جلد ۱، ص ۵۴
(۲۵) مدارج النبوت جلد ۱، ص ۴۳ جلد ۲، ص ۶۱۳	(۲۶) ترجمان القرآن بھوپالی جلد ۱ ص ۸۵۷
(۲۷) تفسیر عثمانی ص ۱۴۶	(۲۸) تفسیر معارف القرآن کاندھلوی جلد ۴، ص ۴۲
(۲۹) امداد السلوک ص ۸۵	(۳۰) رحمۃ للعالمین جلد ۳، ص ۱۹۳
(۳۱) شرح اسماء الحسنیٰ ص ۱۵۱	(۳۲) اشرف الواعظ ص ۱۴۸

منکرین کے ہاں نور سے مراد

منکرین کے بہت سے اکابرین نے بھی اس آیت کریمہ میں نور سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو لیا ہے۔ یہاں تک کہ اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی آیت کو موضوع سخن بناتے ہوئے بار بار یہ ثابت کیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں اور نور سے مراد نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی الیہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ہی لیا ہے۔

قرآن مجید، برہان رشید سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہونا ثابت ہوا۔ یہ ہمارے

دعوے کی دلیل ہے، اب مخالفین کو چاہئے کہ وہ صحیح تو کیا ایسی ضعیف حدیث ہی پیش کریں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی نفی ہو۔ پھر سے کہوں گا کہ بشریت کی آیات پیش نہیں کرنے دی جائیں گی، کیونکہ وہ آیات، احادیث، آثار ہمارے خلاف نہیں، بشریت ہمارے نزدیک ایک قطعی عقیدہ ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

بشریت اور نورانیت کا اجتماع

بشریت ایک ثابت چیز ہے اس کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ بشریت ایسی چیز نہیں جو نورانیت کے ساتھ جمع نہ ہو سکے۔

ہم بشر ہیں لیکن نور نہیں ہیں لیکن کچھ بشر ایسے ہوتے ہیں جو نور بھی ہوتے ہیں کیونکہ بشر کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بشر وہ ہے جو مٹی کا بنا ہو۔

بشر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ظاہر الجلد۔ جس کی ظاہر جلد نظر آئے، اسے بشر کہا جاتا ہے خواہ اس کی حقیقت کچھ بھی ہو، اسی لئے قرآن مجید فرقان حمید میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بشر کہا گیا ہے حالانکہ وہ نور ہیں۔

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاً ۝

(پارہ ۱۶، سورۃ مریم، آیت ۱۷)

تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا، وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بشر کی صورت میں ظاہر ہوئے حالانکہ سب کے نزدیک، بالاتفاق، حضرت جبرائیل امین نور ہیں، اس کے باوجود ان کو بشر کہا گیا۔ نورانیت اور بشریت، آگ اور پانی کی طرح دو متضاد (Opposite) چیزیں نہیں ہیں کہ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں۔

﴿بشر کا معنی و مفہوم﴾

بشر کا مطلب صرف ظاہر الجلد ہوتا ہے۔ خواہ اس کی حقیقت نور ہو، خواہ مٹی ہو۔
ایک مقام ہے کہ حقیقت مٹی ہے اور ظاہر الجلد ہونے کی وجہ سے بشر ہے۔
اور ایک وہ مقام ہے کہ حقیقت نور ہے اور ظاہر الجلد ہونے کی وجہ سے اس پر بھی بشر کا اطلاق کیا گیا، جس طرح قرآن مجید نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بشر بھی کہا حالانکہ ان کی حقیقت نور ہے، ایسے ہی سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی کہا گیا حالانکہ آپ کی حقیقت نور ہے، اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے افضل و اعلیٰ ہے جیسا کہ معراج کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

معراج کی رات حضرت جبرائیل امیں علیہ السلام نور ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہ گئے کہ کہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلووں سے جل نہ جائیں لیکن آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت ایسی قوی اور مضبوط نورانیت ہے کہ آپ اس مقام سے بھی آگے گزر گئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ فرمایا۔

﴿کیا عبد نور نہیں ہو سکتا؟﴾

لفظ عبد سے بھی کچھ لوگ مغالطے ڈالتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ عبد کا اطلاق کیا ہے اور عبد کا معنی بندہ ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ عبد ہیں نور نہیں جس طرح کہ ہم عبد ہیں اور نور نہیں۔
بلاشبہ نبی اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے عبد ہیں اور یہ سراسر مغالطہ ہے

کہ عبد نور کا نہیں ہوتا کیونکہ عربی زبان کی کسی لغت میں عبد کی تعریف یہ نہیں کی گئی کہ عبد وہی ہوسکتا ہے جو مٹی کا ہو۔ عربی زبان میں عبد کا اطلاق عام ہے۔ عبد مٹی کا بندہ بھی ہوسکتا ہے اور نوری مخلوق کو بھی کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید برہان رشید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَداً سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ۔

(پارہ ۱۷، الانبیاء آیت نمبر ۲۶)

اور بولے رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا، پاک ہے وہ بلکہ بندے ہیں عزت والے فرشتوں پر عباد کا اطلاق کیا گیا، عباد عبد کی جمع ہے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عبد کہا حالانکہ فرشتے مٹی کے نہیں بلکہ نوری مخلوق ہیں۔ لہٰذا نوری مخلوق کو بھی عبد کہا جاتا ہے۔ لفظ عبد سے کسی کے نور کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ کچھ عبد مٹی کے ہیں اور کچھ عبد نوری ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی نوری مخلوق کو عبد فرمایا ہے۔

المختصر سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بے مثل عبد بھی ہیں اور نور بھی ہیں۔

﴿لفظ مِثْلُكُمْ کی وضاحت﴾

بَشَرٌ مِثْلُكُمْ کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ہے یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں کیا ہے۔

یا مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور پہلے زمانے کے مشرکین نے انبیاء کرام کے بارے میں استعمال کیا۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

(پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، آیت ۱۱۰)

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔

(پارہ ۱۸، سورہ المومنون آیت ۲۴)

یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔

(پارہ ۱۸، سورۃ المومنون آیت ۳۳)

یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۔

(پارہ ۱۳، سورۃ ابراہیم، آیت ۱۰)

بولے تم تو ہم جیسے آدمی ہو۔

مثلیت بیان کرنے کا مقصد

جہاں تک لفظ مثل کا آ جانا ہے تو وہ من وجہ مثلیت بیان کرنا مقصود تھا۔ اس سے خالق کائنات کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ امتی ہر لحہ، ہر تقریر اور درس میں یہ نعرے لگاتا رہے کہ وہ ہماری مثل ہیں، ہم ان کی مثل ہیں۔ لہٰذا ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں (معاذ اللہ) ان کے بھی دو ہاتھ...... اس قسم کی پوری گردان ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو لفظ مثل ارشاد فرمایا تو اس لئے اے لوگو! خالق نہ ہونے

میں میرے انبیاء کرام تمہاری مثل ہیں جیسے تم خالق نہیں ایسے ہی وہ بھی خالق نہیں بلکہ میری مخلوق ہیں۔

یہ من وجہ مثلیت بیان کرنے کا مقصود یہ تھا کہ کوئی آپ ﷺ کو اللہ کا بیٹا نہ کہے، کوئی آپ ﷺ کو اللہ کی جز و نہ کہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خالق نہیں ہیں، بلکہ مخلوق ہیں۔

اسی مذکورہ بالا پہلی آیت کو ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، آیت ۱۱۰)

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس قسم کے ارشادات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین اور ان کو اپنے جیسا عام بشر قرار دینے کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔

میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ اگر اس قسم کے الفاظ کو نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وشان کو ہلکا کرنے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ سراسر گستاخی و بے ادبی میں شمار ہوگا۔

بشریت کی رٹ لگانے والوں کو منہ توڑ جواب

تم کہتے ہو کہ کئی بار یہ لفظ مثل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے استعمال فرماتا ہے تو پھر ہمیں مثل استعمال کرنے میں کیا حرج ہے؟ میں ان حضرات کی توجہ ایک اور آیت کی طرف بھی مبذول کرتا ہوں۔

قرآن مجید، برہان رشید میں یہ لفظ مثل وہاں بھی استعمال ہوا ہے کہ اس کو بھی

اپنے بارے میں ضرور استعمال کیا کریں۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم۔

(پارہ ۷، سورہ الانعام، آیت ۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا (چوپایہ) اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں بھی لفظ مثل استعمال فرمایا ہے۔ زمین میں جو بھی چوپایہ ہے وہ تمہاری مثل ہے اور تم اس کی مثل ہو۔ جو بھی پرندہ ہے وہ تمہاری مثل ہے اور تم اس کی مثل ہو۔

غور طلب بات ہے کہ چوپائیوں میں کتا بھی ہے اور خنزیر بھی ہے اور اس قسم کے دوسرے خبیث جانور بھی ہیں۔ پرندوں میں کوا بھی ہے۔

یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ مثل استعمال فرمایا ہے۔ لہٰذا اب ان لوگوں کو چاہئے کہ قرآن مجید کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے روزانہ تقریر میں، اپنے درس و تدریس میں، اپنی تحریروں میں بار بار لکھیں کہ ہم ان کی مثل ہیں۔

وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کریں کہ ہم کتے کی مثل ہیں، خنزیر کی مثل ہیں، کوے کی مثل ہیں لیکن آج تک اس طرح کی مثلیت کے بارے میں تحریری یا تقریری طور پر اقرار نہیں کیا، اعلان نہیں کیا۔

جیسے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہیں۔ وہ ہماری مثل تھے۔ اسی طرح یہ بھی کہا کریں کہ ہم کتے جیسے ہیں، خنزیر جیسے ہیں، کوے جیسے ہیں کیونکہ قرآن مجید کا وہی لفظ مثل اس مقام پر بھی استعمال ہوا ہے کہ وہ تمہاری مثل ہیں۔

لمحہ فکر یہ ہے کہ وہ جو عظیم ہے، مقام و مرتبہ میں بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ ہے۔ ادھر تو ہاتھ بڑھانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں، جو گھٹیا مقام و مرتبہ والا ہے اس کے لئے استعمال نہیں کرتے کیونکہ اگر استعمال کریں تو ان کی اپنی توہین ہوتی ہے۔

جس انداز میں یہ لفظ مثل کو استعمال کرتے ہیں اس سے یہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ہم پایہ بننے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی برابری کی کوشش کرتے ہیں۔

لہٰذا اب ان لوگوں کو چاہئے قرآن مجید فرقان حمید کی دوسری آیت پر بھی عمل کریں، ادھر بھی ہاتھ بڑھائیں لیکن اس آیت پر عمل نہیں کرتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ اپنے سے نیچی مخلوق کی مثل بننا پسند نہیں کرتے تو نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے مثل ہونے کا دعویٰ کر کے آپ کے مقام و مرتبہ کو کم کر کے نیچے لانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟

یہ اپنے مقام سے اوپر کیوں بڑھتے ہیں؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو حضور نبی اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ وہ فضیلتیں عطا فرمائی ہیں کہ انبیاء اور رسل میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں۔

المختصر نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو لفظ مثل استعمال ہوا ہے وہ من کل وجوہ مثلیت نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ تم جانوروں کی مثل ہو، یہ بھی من کل وجوہ مراد نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا خالق بھی اللہ ہے اور تمہارا خالق بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

تم مخلوق ہونے میں کتے کی طرح ہو، خنزیر کی طرح ہو، کوّے کی طرح ہو، لہٰذا پھر بھی عمومی طور پر کوئی بغیر تاویل کے اس کا اطلاق اپنے بارے میں استعمال کرنا پسند

نہیں کرتا کہ میں فلاں جانور کی مثل ہوں۔

جب یہ لفظ خود اپنے لئے استعمال کرنا توہین سمجھا جاتا ہے تو اس اسلوب میں یہ لفظ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے آپ کی توہین اور تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔

﴿احادیث طیبہ سے نورانیت کا ثبوت﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو فرمایا:

۱۔ اَیُّکُمْ مِثْلِی۔ تم میں میری مثل کون ہے؟

(صحیح بخاری شریف جلد۱، ص ۲۴۶، مطبوعہ مصر)

۲۔ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ۔ میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں۔

(صحیح بخاری شریف جلد۱، ص۲۴۶)

۳۔ اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَکُمْ۔ میں تمہاری مثل یا مانند نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری شریف جلد۱، ص۲۶۳)

۴۔ اِنِّی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ۔ میں تمہاری صورت وشکل وہیئت کی مانند نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری شریف جلد۱، ص۲۴۷)

ان تمام احادیث میں اپنی مثل قرار دینے والوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

﴿تخلیق میں سب سے اوّل﴾

۱۔

حضرت امام عبدالرزاق اپنی کتاب "مصنف عبدالرزاق" میں اپنی سند کے ساتھ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ! اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے خبر دیں کہ وہ پہلی چیز کون سی ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا؟ سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی مکرم علیہ السلام کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

امام عبدالرزاق صاحب ''مصنف'' اس حدیث کے مخرج ہیں جو سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید، امام احمد کے استاد گرامی منزلت اور امام بخاری و مسلم جیسے محدثین کے استاذ الاساتذہ ہیں۔

ہر زمانہ میں ان کی ذات گرامی نقد و نظر سے بالاتر رہی۔ اکابر آئمہ دین، یگانۂ روزگار محدثین و محققین ان کی فضیلت و تبحر علمی کے قائل رہے۔ چنانچہ محدثین کے پیشوا اور سرتاج امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کی جلالت شان کے متعلق فرماتے ہیں:

قَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحِ الْمِصْرِی قُلْتُ لِاَحْمَدَ بِنْ حَنْبَلٍ اَرَاَیْتَ اَحَدًا اَحْسَنَ حَدِیْثٍ مِنْ عَبْدِ الرَّزَاقِ قَالَ لا

(تہذیب التہذیب ۲۱۱/۶)

احمد بن صالح مصری کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے حدیث پاک کے سلسلہ مین کوئی شخص امام عبدالرزاق سے بہتر دیکھا ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں نے ان سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا''

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے مرفوعاً بیان فرمایا ہے:

اور ان سے اجلہ آئمہ دین اور جلیل الشان محدثین نے اپنی اپنی مستند کتابوں میں اس حدیث کو نمایاں مقام پر رکھا، اس پر اعتماد کیا اور اس سے کئی ایک مسائل کا استنباط کیا۔

چنانچہ اس حدیث کو

۱۔امام بیہقی نے..........دلائل النبوت میں

۲۔امام احمد قسطلانی شارح بخاری نے......مواہب اللدنیہ میں (جلد۱،ص۳۴)

۳۔امام ابن حجر مکی نے......افضل القریٰ میں

۴۔علامہ دیار بکری نے......تاریخ خمیس میں (جلد۱،ص۲۰)

۵۔علامہ زرقانی نے......زرقانی میں (جلد۱،ص۴۷)

۶۔علامہ فاسی مصری نے......مطالع المسرات میں (ص۲۱۰)

۷۔حافظ حلبی نے......سیرت حلبیہ میں (جلد۱،ص۳۱)

۸۔ملا علی قاری نے......میلاد نامہ میں

۹۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے......مدارج النبوت میں (ص۳۶۰)

۱۰۔علامہ یوسف نبھانی نے......انوار محمدیہ میں (۲۶)

اور دیگر بہت سے علماء کرام اور آئمہ حدیث نے اس حدیث کو بغیر کسی نقد و نظر اور جرح کے نقل فرمایا ہے۔

ملت بیضا کے ان مقتدر اکابرین اور رفیع الشان محدثین کا اس حدیث کو قبول کرنا اور اپنی مستند کتابوں میں تحریر کرنا اس حدیث کی صحت کی واضح اور قوی دلیل ہے۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

تھانوی کے نزدیک تخلیق نور مصطفیٰ ﷺ

لطف کی بات یہ ہے کہ جماعت دیوبند کے حکیم الامت نے اپنی کتاب "نشر الطیب" (جس کے تعارف میں آپ نے فرمایا ہے کہ "اس کتاب میں صحیح روایات جمع کرنے کا التزام کیا گیا ہے) کا آغاز بھی اسی حدیث جاں نواز سے کیا ہے

پہلی فصل "نور محمدی کے بیان میں" اس عنوان کے نیچے امام عبدالرزاق کی یہی صحیح حدیث نقل کر کے تبصرہ کرتے ہیں۔

"اس حدیث سے "نور محمدی" کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا"

﴿نور من نور اللہ سے مراد﴾

اس حدیث صحیح جلیل میں ہے کہ تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے مثل ذات سے کوئی جزو علیحدہ کر کے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا دیا گیا۔

خالق کائنات جزو سے پاک ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ہرگز اللہ تبارک و تعالیٰ کی جزو نہیں ہیں، اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہیں، خالق کائنات کی بے مثل ذات کا معاذ اللہ کوئی ٹکڑا نہیں ہیں۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جو لفظ من استعمال ہوا ہے وہ من تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ من بیانیہ یا ابتدائیہ (ابتداء غایت کیلئے) ہے۔

جس طرح کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ (سورہ ص:۷۲)

میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں اپنی طرف کی روح پھونکی

مِنْ رُّوْحِيْ...... اپنی روح سے

یہاں بھی من روحی میں من کا استعمال ہے اور جن کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جزو نہیں ہے، اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف اپنی اضافت ان کی شرافت واضح کرنے کے لئے کی کہ میرے ارادہ کا ان کے ساتھ جو تعلق ہوا ہے، درمیان میں کوئی اور واسطہ نہیں تھا۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور من نور اللہ میں من تبعیضیہ کا ہر گز نہیں بلکہ ان کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ان کے بلاواسطہ تعلق کو بیان کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے قرآن مجید میں ہے:

وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ۔

(پارہ ۶، رکوع ۳، سورۃ النساء، آیت ۱۷۱)

پچھلے سال شارجہ میں (جامع مسجد سفیان ثوری میں) میرا مناظرہ ہوا تھا۔ ان کے ساتھ مناظرہ تو اور موضوع پر تھا لیکن جب وہ شکست کھا گئے تو انہوں نے (نور من نور اللہ) کی بحث شروع کر دی کہ اس طرح تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا جزو ہونا لازم آتا ہے۔

ان کے اعتراض کے جواب میں، میں نے انہیں آیات سے استدلال کیا اور وہ لاجواب ہو گئے۔ مزید برآں نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت تو ایسی حقیقت ہے کہ جس کو عقل وخرد کے ترازو میں تولا ہی نہیں جا سکتا بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لینے میں ہی عافیت ہے۔

خالق کائنات نے آپ کی جو حقیقت بنائی کیا اس کو عقل وخرد کے ترازو میں پہ تولا جا سکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ آپ کی بے مثل بشریت و نورانیت کو ہر لحظہ تسلیم کرتا رہے۔

اسی طرح سورۃ جاثیہ میں خالق کائنات نے فرمایا

جَمِيعًا مِّنْهُ

(سورۃ الجاثیہ آیت ۱۳)

سب کچھ اسی سے ہے۔

یہاں بھی من بیانیہ کا ہے ورنہ ثابت ہوگا کہ سب چیزیں اللہ کی جزو ہیں۔

من نورہ میں اضافت بیانیہ ہے اور تشریف و تفخیم اور تعظیم و تکریم کیلئے ہے۔ جیسے بَیْتُ اللّٰہِ نَاقَۃُ اللّٰہ اور رُوْحُ اللّٰہ میں اضافت عزت و شرافت کیلئے ہے۔

الغرض من نورہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی واسطہ کے تخلیق عالم سے اول نور محمدی کو پیدا فرمایا اور اسی بلا توسط غیر کو من نورہ سے تعبیر فرمایا گیا۔

آثار صحابہ سے نورانیت مصطفیٰ ﷺ کا اثبات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس عقیدے کا اظہار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان جا بجا کرتے رہے۔ امام ترمذی نے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل اکٹھے کئے ہیں اس میں اور دوسری کتب احادیث میں متعدد ایسے آثار ہیں جن میں انہوں نے نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کو بیان کیا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے روایت ہے:

یَتَلَأْلَؤُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ۔

(ترمذی شریف، شمائل ترمذی، ص۲)

آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ

(مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ دوسری فصل، ص ۵۱۸)

گویا سورج آپ ﷺ کے چہرے میں چمکتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اِذَا تَکَلَّمَ رُءِیَ کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ۔

(مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ تیسری فصل، شمائل ترمذی، ص ۲)

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تھے تو ان سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی طرح کا تھا۔

قَالَ لَا بَلْ کَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَ الْقَمَرِ۔

(مشکوۃ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۵۱۵)

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں" بلکہ چاند کی مثل تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت تبسم میں نور افشانی کا منظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

اِذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَلَا لَاءُ فِي الْجُدُرِ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے تو آپ کے نور سے دیواریں جگمگا اٹھتیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَزْهَرَ اللَّوْنِ کَاَنَّ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ

(مشکوٰۃ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفاتہ، پہلی فصل، ص ۵۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چمک دار رنگ والے تھے اور پسینہ مبارک موتیوں جیسا ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ اَرَ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ شمائل ترمذی، ص، الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح، مشکوٰۃ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسری فصل)

میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔

حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما:

ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کا بیان ہے کہ میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ ہمارے لئے بیان فرمایئے۔

آپ نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ لَوْ رَاَيْتَهٗ رَاَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً

(مشکوٰۃ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسری فصل، ص ۵۱۷)

اے بیٹے! اگر تم انہیں دیکھتے تو گویا طلوع ہوتا ہوا سورج دیکھ لیا۔

آپ ﷺ کے نور مبارک کے پشت در پشت منتقل ہونے کی بہت سی روایات ہیں۔ حضرت عبد المطلب کا مشہور ابرہہ کے ہاتھی کا واقعہ آپ یقیناً جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں نور ظاہر ہونے اور پیدائش کے وقت نور کی جلوہ فرمائی کی کثیر روایات ہیں۔

- آپ ﷺ کی نور کے اضافہ کیلئے دعا کی صحیح احادیث ہیں۔
- آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایات ہیں۔

دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے:

بتواتر ثابت شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نداشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند (امداد السلوک ص ۵۸)

تواتر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہ رکھتے تھے اور نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔

یہ ایک طویل موضوع ہے اور اس کے بڑے دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو راہ ہدایت دکھائے جو آپ ﷺ کی نورانیت کے انکاری ہیں۔ قسمت کا معاملہ ہے کہ یہ لوگ اگر ماننے پر آئے تو انہوں نے اپنے مولویوں کو نور مجسم کہہ دیا اور اگر انکار کرنے پر آئے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا انکار کر دیا۔

اب دیکھیں محمود الحسن دیوبندی، رشید احمد گنگوہی کا مرثیہ لکھا جسے کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارنپور نے شائع کیا۔ اس کے صفحہ ۱۱ میں یہ شعر موجود ہے۔

ے چھپائے جامۂ فانوس کیونکر شمع روشن کو
تھی اس نور مجسم کے کفن میں وہ ہی عریانی

یعنی جس وقت رشید احمد گنگوہی کا مردہ جسم پڑا ہوا تھا اور اوپر کفن تھا۔

محمود الحسن دیوبندی نے لکھا کہ:

ع چھپائے جامۂ فانوس کیونکر شمع روشن کو

ہمارے قلب عالم کا جسم ایک شمع روشن ہے اور اوپر کفن جو ہے وہ فانوس ہے۔ فانوس شمع روشن کو کیونکر چھپا سکتا ہے۔

ع تھی اس نور مجسم کے کفن میں وہ ہی عریانی

کہتا ہے کہ ہمارے قطب عالم صاحب نور مجسم ہیں، کفن پہننے کے باوجود ہمیں ننگے ہی نظر آ رہے ہیں۔ ان کے جسم میں اتنا نور تھا کہ کفن کا کپڑا پردہ نہیں بن رہا تھا۔

جب ہم نبی اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مجسم کہیں تو کہتے ہیں کہ نور مجسم

نہیں کہنا چاہیئے، اب اپنے مولوی کو بھی نور مجسم کہہ رہے ہیں۔

ع تھی اس نور مجسم کے کفن میں وہ ہی عریانی

ہم کہتے ہیں کہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مجسم کہا تو شرک ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جب ہم نور مجسم کہتے ہیں تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نور ہے جو نور مخلوق ہے۔

اللہ جسم سے پاک ہے، اللہ مخلوق ہونے سے پاک ہے۔

لیکن سرکار کا جو نور ہے یہ جسم ہے، نور مخلوق ہے۔

ہم نور مجسم اس لئے کہتے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم وہ نور مانتے ہیں جو جسم کے بغیر ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قصیدۂ نور

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارا نور کا

ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا

تیری صورت کیلئے آیا ہے سورہ نور کا
ک گیسوہا دہن ی ابرو آنکھیں ع ص
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا
یہ جو مہر و ماہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی ہے اور استعارہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
انبیاء اجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقہ سے ہے ان پر نام سچا نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
وضع واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆☆☆

باب نمبر
2
معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے نوازشاتی پہلو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ
وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحَانَ الَّذِىْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ

(پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واتم برہانہ واعظم شانہ، کی حمد وثناء اور حضور پرنور، شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، حامی بے کساں، سیاح لامکاں، قائد الانبیاء، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

آج کی گفتگو کا موضوع ہے:

''معراج النبی ﷺ کے نوازشاتی پہلو''

دعا ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ، بات کو سمجھنے، سمجھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

معراج النبی ﷺ کے مختلف جہات اور مختلف پہلوؤں پر آپ پہلے گفتگو سماعت کر چکے ہیں، آج معراج شریف کے نوازشاتی پہلو موضوع گفتگو ہیں۔

یعنی نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ تمام انبیاء و رسل میں سے اس عظیم وصف کے ساتھ موصوف کئے گئے کہ انہیں خالق کائنات جل جلالہ، نے لامکان کی خلوتوں میں بلا کر، ان کو عالم بیداری میں اپنا مشاہدہ کروایا، اپنی رویت اور دیدار کا شرف عطا فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ اس شرف سے مشرف ہوئے، آپ ﷺ کا یہ عظیم معجزہ اور آپ ﷺ کی اس قدر و منزلت اور عظیم وصف سے مخلوق کے دیگر افراد کو کیا فوائد پہنچے اور وہ کس طرح اس سے نوازے گئے۔ اس موضوع کے تحت بیان ہوں گے۔

﴿تمام مخلوق کے لحاظ سے نوازشاتی پہلو﴾

معراج شریف جو نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی عظمت کا ایک بہت بڑا حوالہ ہے، آپ ﷺ تو اس سے یقیناً مشرف ہوئے، آپ ﷺ کی وساطت سے دیگر مخلوقات کو اس معجزہ کے کون کون سے فوائد حاصل ہوئے، کس طرح وہ نوازے گئے، ان فوائد کے لحاظ سے یہ طویل ترین موضوع سارے کا سارا، نوازشات معراج پر مشتمل ہوگا۔

اس میں ہم بیان کریں گے کہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو جو معراج ہوئی تو اس معراج کی وساطت سے کس کس چیز کا مرتبہ بلند ہوا، اور مخلوق کے افراد کو کس قدر اس کے فوائد اور فیوضات حاصل ہوئے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو جو خالق کائنات جل جلالہ، نے اپنے ہاں بلایا، اور قرآن مجید برہان رشید میں اسراء بعبدہ کا ارشاد فرمایا یعنی خالق کائنات جل جلالہ اپنے عبد خاص کو سیر کرانے والا ہے، انہیں اپنی ذات اور قدرت کی آیات دکھانے والا ہے۔

اس سفر کے آغاز سے لے کر انتہا تک مخلوق کے بہت سے ایسے افراد ہیں، خواہ ان کا تعلق جنس انسان یا حیوان سے ہے یا ان کا تعلق جمادات سے ہے، ہر طبقہ اور مخلوق کے افراد کو نبی اکرم ﷺ کے اس معجزہ سے فوائد حاصل ہوئے، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے اس معجزہ کی وساطت سے ایک قدر ومنزلت عطا ہوئی۔

آپ یہ ہی دیکھ لیں کہ انسان جو کہ بحیثیت نوع، حیوان کی ایک قسم ہے، عقلی علوم میں حیوان کو جنس کہا جاتا ہے، اور اس کے آگے مختلف انواع ہیں۔ انسان، گھوڑا، گائے، یہ سب حیوان کی انواع ہیں۔

﴿انسانیت کی معراج﴾

انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا، یہ انسان کی معراج تھی۔ جنس انسان کے ایک ایسے کامل واکمل فرد جن پر انسانیت فخر کرتی ہے، جو جان جہاں اور جان انسانیت ہیں، کائنات میں جمیع مخلوقات میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری مخلوقات کی ترجمانی کیلئے اپنی بارگاہ میں بلایا۔ اس لحاظ سے پوری انسانیت کا سر فخر سے بلند ہوا، پوری انسانیت کو عروج حاصل ہوا، پوری انسانیت کو اپنی جہت کے لحاظ سے ایک معراج حاصل ہوئی۔

ساری کائنات کے نمائندہ کی حیثیت

خالق کائنات جل جلالہ نے ان کا وہ فرد، جن پر پوری انسانیت اور کائنات کو ناز ہے، ان کو اپنی بارگاہ میں ساری کائنات کے نمائندہ کی حیثیت سے بلایا اور ساری کائنات کے نام اپنا پیغام ان کی زبان سے بھجوایا۔

یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے،
ایک نمائندگی ایک محلے کی ہوتی ہے،
ایک نمائندگی ایک شہر کی ہے،
کوئی نمائندہ کسی ڈسٹرکٹ کا ہے،
کوئی کسی صوبے کا ہے،
کوئی کسی ملک کا ہے،
اور کوئی براعظم کا ہے۔
کوئی زمین کے کسی خطے کا ہے
اور کوئی کسی قوم کا ہے

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش عظیم پر بلایا اور آپ ﷺ جو خالق کائنات کی بارگاہ میں نمائندگی کر رہے تھے، وہ نمائندگی کسی ایک طبقے یا کسی ایک مخلوق کی نہیں تھی، بلکہ خالق کائنات کی جمیع مخلوقات کی نمائندگی کا سہرا آپ ﷺ کے سر پر سجایا گیا تھا۔

کامل نمائندہ وہی قرار پاتا ہے جس کو اپنے ان افراد جن کی وہ نمائندگی کر رہا ہے، ان کے مسائل کا علم بھی ہوتا ہے اور مسائل کے حل کروانے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ جب جمیع مخلوقات کی خالق کائنات کی بارگاہ میں نمائندگی کر رہے تھے اور بحیثیت نمائندہ وہاں پر موجود تھے تو مخلوق کے افراد کی جو مشکلات ہیں، مخلوق کی تمام اقسام کے جو مسائل ہیں، اور ان کے مسائل کے حل کرنے کا جو طریقہ ہے، خالق کائنات نے وہ جمیع علوم آپ ﷺ کو پہلے عطا فرمائے تھے، اس لحاظ سے آپ ﷺ کائنات کے ہر فرد کی نمائندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں فرما رہے تھے۔ پھر خالق کائنات جل جلالہ نے براہ راست دینے کیلئے جس زبان کو منتخب فرمایا، وہ زبان بھی نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی قرار پائی۔

نوازشاتی پہلو پوری انسانیت اور مخلوقات کیلئے ہے۔ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ نے معراج کی رات اللہ کی بارگاہ میں ساری مخلوقات کی نمائندگی کی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام پہ نوازش

اب دیکھئے، اس سفر کے آغاز میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا، یہ خود ان کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام جو آج تک کسی پیغمبر کی طرف نہیں آیا تھا، جو آج تک کسی رسول کو موصول نہیں ہوا کہ

اِنَّ رَبَّكَ لَيَشْتَاقُ اِلَيْكَ

خالق کائنات تمہاری ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔

یہ پیغام لے کر آنے کی سعادت حاصل ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ایک سرمایہ عروج تھا کہ خالق کائنات نے اپنے اس خصوصی پیغام کیلئے، جس کو کسی بھی پیغمبر کیلئے پہلے نہیں بھیجا گیا تھا، جس فرشتے کو دے کر بھیجا وہ حضرت جبرائیل امین قرار پائے، اس لحاظ سے یہ نوازش ان کے حصے میں آئی۔

جنتی براق پہ نوازش

پھر جس وقت نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی تیاری اس عظیم سفر کیلئے ہوتی ہے، ایک براق کا انتخاب کیا گیا، وہ براق چالیس ہزار جنتی براقوں میں سے منتخب کیا گیا۔ چالیس ہزار جنت کے براق نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی سواری بننے کیلئے مشتاق تھے، چالیس ہزار براق محوِ انتظار تھا مگر ان میں سے خالق کائنات نے ایک براق کو اس رات سرکار کے سفر کیلئے منتخب فرمایا، تو اپنی حیثیت کے افراد میں سے اس براق کی وہ معراج تھی کہ اسے امام المرسلین ﷺ کی سواری بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

اسی لئے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ اس پر تشریف فرما ہونے لگے تو اس پر تھوڑا سا رعشہ طاری ہوا، تھوڑی سی کپکپی آئی، تھوڑی سی اس نے حرکت کی۔

اس پر محدثین نے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا کہ یہ اس کی یہ حرکت کس لحاظ سے تھی۔ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ جب اس پر بیٹھنے لگے تو یہ وہ حرکت نہیں تھی جو ایک شریر گھوڑا کسی کے اوپر بیٹھنے پر احتجاج اور اپنے عدم پسند کے اظہار کے طور پر کرتا ہے۔ یہ حرکت ہرگز ایسی حرکت نہیں تھی، یہ حرکت وہ حرکت تھی جو محبت کے عروج پر پہنچنے پر محب کے دل میں پیدا ہوتی ہے، جس کو وجد و سوز کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ براق اپنی قسمت پر رشک کرتا ہوا وجد کر رہا تھا کہ جس محبوب کیلئے چالیس ہزار براق انتظار کر رہے تھے، خالق کائنات نے ان کی سواری کیلئے مجھے پسند فرمایا ہے۔

اُحد پہاڑ کا وجد و سرور

لہٰذا اس کا وجد اسی انداز میں تھا، جس انداز میں احد پہاڑ نے حرکت کی، جب

اس پر نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے اور پہاڑ نے حرکت کی تو سرکار ﷺ نے فرمایا:

اُثْبُتْ اُحُدُ

احد پہاڑ ٹھہر جا۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِیٌّ وَّ صِدِّيْقٌ وَّ شَهِيْدَانِ

(بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابوبکر صدیق ومناقب عمر بن الخطاب، مشکوۃ باب مناقب ھولاء الثلثۃ پہلی فصل)

تجھ پر خالق کائنات کے عظیم پیغمبر تشریف ہیں، تجھ پر صدیق بھی ہیں اور شہیدین (دو شہید) بھی تجھ پر موجود ہیں۔

تجھ پر خالق کائنات نے ان ہستیوں کو جلوہ گر کیا ہے۔

اس کے بارے میں بھی محدثین کا یہی نقطۂ نظر ہے کہ وہ پہاڑ بھی سرکار ﷺ کی آمد کی خوشی میں وجد کر رہا تھا اور اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ ایسے ہی اس مقام پر براق نے بھی اپنی محبت کے اظہار میں، جب وہ محبت میں وارفتہ ہو گیا، تو بغیر ارادہ کے اس سے ایسی حرکت کا ظہور ہوا، جو اس کی محبت کی ترجمانی کر رہی تھی۔

مسجد اقصیٰ پہ نوازشات

اب یہ سفر، نوازشات کا یہ سفر، جو جمیع کائنات کیلئے ایک نوازش کی حیثیت رکھتا ہے۔ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ اس سفر کے پہلے مرحلہ میں مسجد نبوی شریف سے مسجد اقصیٰ تک پہنچتے ہیں۔

مکہ شریف سے مسجد اقصیٰ تک کا وہ راستہ جو تیس دنوں کا، یا تیز گھوڑے کے تینتیس دنوں کا راستہ ہے، اس مرحلہ کے درمیان میں وہاں جانے کی ضرورت کیا تھی، خالق

کائنات براہ راست ان کو مکہ شریف سے اپنے ہاں بلا لیتا۔ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے، تو مکہ شریف سے ان کو مسجد اقصیٰ لے جانا اور مسجد اقصیٰ سے پھر ان کو سوئے آسمان پرواز کروانا اور اپنی بارگاہ تک بلوانا، اس میں کون سی حکمت تھی؟ اس کی حکمتوں کی ایک طویل فہرست ہے، ان میں سے واضح طور پر جن چیزوں کا ذکر آئیگا، ان کا تعلق بھی معراج شریف کے نوازشاتی پہلو کے ساتھ ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے، اس لئے کہ خالق کائنات کے ہزاروں پیغمبروں، نبیوں اور رسولوں کی خالق کائنات کی بارگاہ میں یہ التجا تھی کہ یا اللہ! جنہیں تو نے امام المرسلین ﷺ بنایا ہے، ہمارا قائد اور رہبر بنایا ہے، جن پر تو نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ان کی اقتداء میں ہم بھی نماز پڑھ لیں، ان سے ہماری ملاقات ہو جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے دیدار کیلئے جا رہے ہیں، ہمیں ان کا دیدار حاصل ہو جائے۔ انبیاء اور رسل کو رؤیت کروانے کیلئے، امام المرسلین ﷺ کے دیدار سے مشرف کروانے کیلئے، خالق کائنات نے پہلے اپنے محبوب ﷺ کو مسجد اقصیٰ میں پہنچایا، جہاں پر انبیاء ورسل کا عظیم اجتماع تھا، اور وہاں سے نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو اپنے ہاں بلا لیا۔

یہ نوازشاتی پہلو انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے تھا کہ خالق کائنات نے معراج کا یہ سفر جس کا ہر مرحلہ عظمتوں سے عبارت ہے، خالق کائنات نے اس مقام پر ان نوازشات کا حصہ اپنے عظیم انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے۔

پھر شام کی سرزمین، وہ سرزمین ہے کہ جہاں حشر بپا ہوگا، محشر وہاں قائم ہوگا۔ نبی

اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو معراج کی رات خالق کائنات نے اس سرزمین پر پہنچایا اور سرکار کے قدم اس زمین پر لگے تاکہ روز محشر جس وقت اس سرزمین پر حشر بپا ہو اور میرے غلام جس وقت یہاں پہنچیں تو میرے قدموں کی برکت سے یہ زمین میرے غلاموں سے متعارف ہو جائے، واقف ہو جائے۔

جب اس ہولناک ماحول کے اندر، جب سورج کی تپش ہوگی، اور زمین تانبے کی مانند ہوگی، مگر میرے قدم پہلے لگ چکے ہوں گے تو میرے غلاموں کیلئے خالق کائنات اسی زمین کے اندر نرمی پیدا فرما دے گا۔ اس نوازش کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کے قدم معراج کی شب حشر کی زمین پر اس واسطے لگے کہ خالق کائنات جل جلالہ، سرکار ﷺ کے قدم لگنے کی برکت کی وجہ سے حشر میں سرکار ﷺ کی امت کو سرفراز فرمائے۔

پھر مسجد اقصیٰ شریف بھی تو سرکار ﷺ کی منتظر تھی، مسجد اقصیٰ جس کے ایک طرف مسجد حرام ہے اور ایک طرف مسجد نبوی شریف ہے، اور مسجد اقصیٰ جو سرکار ﷺ کا قبلہ رہی ہے، سرکار ﷺ کے دل میں بھی چاہت تھی کہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہا ہوں، وہاں ایک مرتبہ خود بھی تشریف لے جاؤں، اور مسجد اقصیٰ شریف کو بھی انتظار تھا کہ وہ محبوب ﷺ جن کے انتظار میں عرش عظیم بھی بیتاب ہے، وہ کب میرے اوپر تشریف لائیں گے۔

لہٰذا یہ شرافت اور نوازش مسجد اقصیٰ کیلئے بھی تھی کہ خالق کائنات نے براہ راست اپنے حبیب کو آسمان کی طرف نہیں بلایا، بلکہ اقصیٰ کا جو مطالبہ تھا، اس کی جو چاہت تھی،

اس کی محبت کا جو تقاضا تھا، خالق کائنات نے اس کو پورا کرنے کیلئے محبوب علیہ السلام کو پہلے مسجد اقصیٰ میں پہنچایا ہے۔

مفسرین نے باقاعدہ سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر کے اندر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ خالق کائنات نے اس سفر کو اس سورہ بنی اسرائیل میں ہی کیوں ذکر فرمایا ہے، قرآن مجید کی دیگر سورتوں کے اندر اس کا تذکرہ ہو جاتا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے باقی ساری سورتوں کو چھوڑ کر سورۂ بنی اسرائیل کے اندر اس عظیم سفر کا ذکر کیا، اور سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی۔

(پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱)

اس کے اندر بھی یقیناً حکمتیں ہوں گی، اور ایک حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا:

اصل میں بات یہ ہے کہ اس سورۃ کے اندر آگے جا کر ان مظالم کا ذکر ہے جو مسجد اقصیٰ شریف میں کیے گئے، ان گستاخیوں کا ذکر ہے جس سے مسجد اقصیٰ کا تقدس پامال ہوتا رہا، اور ان واقعات کا ذکر ہے کہ جن کی وجہ سے مسجد اقصیٰ شریف کے درودیوار کو تکلیف پہنچی اور مسجد اقصیٰ شریف کا تقدس پامال ہوا۔

خالق کائنات نے اس تقدس کا عوض دینے کیلئے، جو تقدس کی پامالی ہوئی تھی، اس تقدس کی پامالی کو بحال کرنے کیلئے اپنے محبوب کی جلوہ گری مسجد اقصیٰ میں کروا دی، تاکہ مسجد اقصیٰ کا سارا تقدس جو پہلے مختلف بد دین قومیں پامال کرتی رہیں، محبوب جب ان میں پہنچیں گے تو سارا تقدس پھر بحال ہو جائے گا۔

لہٰذا قرآن مجید کی سورۃ میں ان واقعات کا ذکر کرنے سے پہلے خالق کائنات نے

اسی بات کا ذکر فرمادیا کہ ابھی جو آگے اقصیٰ کے بارے میں آئے گا کہ فلاں اس کے اندر داخل ہوا، فلاں نے تباہی کی، فلاں نے تباہی کی، اس مسجد اقصیٰ پر فلاں نے حملے کئے اور فلاں نے گستاخی کی، ان واقعات سے پہلے اس بات کا ذکر ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسجد اقصیٰ کی عظمتوں کو مزید بڑھادیا ہے۔

لہٰذا معراج شریف کی نوازشات میں سے مسجد اقصیٰ پر ایک مستقل نوازش ہے کہ خالق کائنات جل جلالہ، نے اپنے محبوب کو براہ راست اپنی طرف بلانے کی بجائے انہیں پہلے مسجد اقصیٰ میں پہنچایا ہے تا کہ مسجد اقصیٰ شریف کا تقاضا بھی پورا ہو جائے۔

امت محمدیہ نوازشات سے فیضیاب

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کے عروج اور معراج کی جو نوازشات ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ حصہ اس امت کا ہے کہ جس کے پیغمبر کو خالق کائنات نے اپنے ہاں بلایا۔

آخر صف امم سے جب یہ پوچھا جائے گا کہ وہ امت کون سی ہے کہ جنہوں نے اس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا تھا، جنہیں خالق کائنات نے اپنے ہاں بلایا، تو ساری امتوں میں سے جس امت کو ہاں کے اندر جواب دینے کا شرف حاصل ہوگا، وہ امت تو یہی امت ہوگی، یہ آخری امت ہوگی، یہ سفر سرکار ﷺ کیلئے براہ راست تھا اور اس کی نوازشات سرکار ﷺ کی وساطت سے ساری امت کیلئے تھیں، اسی لئے تو جب اقصیٰ کی عظیم مسجد کے اندر عظیم اجتماع ہوا، جہاں جو بھی مندوب تھا وہ یا تو خدا کا نبی ﷺ تھا، یا خدا کا رسول ﷺ تھا، وہاں مسجد اقصیٰ شریف میں ستائیسویں کی شب کو معراج کی رات جب خطابات ہو رہے تھے۔ سارے انبیاء ورسل کے خطابات ہوئے اور آخر میں

میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عظیم الشان خطاب فرمایا تھا، ابن کثیر نے سند صحیح سے اس کو روایت کیا ہے۔

﴿انبیاء کرام علیہم السلام کے خطابات﴾

ہر پیغمبر کی تقریر وہاں نقل کی گئی ہے اور سب سے آخر میں جو امیر محفل، قائد المرسلین ﷺ کا خطاب تھا، اس کو بھی روایت کیا گیا ہے، وہ طویل خطاب ہے، میں اس کو مختلف موضوعات کے حوالے سے بیان کرتا رہتا ہوں، اس صورت میں جب نوازشات کا دروازہ کھلا تھا تو اس عظیم اجتماع کے اندر بھی ایک مستقل نوازش، ایک نہیں بلکہ لامحدود نوازشیں، خالق کائنات نے جس امت کو معراج کی وساطت سے عطا فرمائیں، ان کا تعلق بھی اقصیٰ کے اس اجتماع کے ساتھ موجود ہے۔

کیونکہ اگر آپ Analysis کریں اور ان خطابات کو پڑھیں جو انبیاء و رسل کے ہیں تو تقریباً کسی پیغمبر کی تقریر میں اپنی امت کا ذکر نہیں ملتا کہ انہوں نے اس چوٹی کے اجتماع میں جہاں مخلوق کا مغز حاضر ہے، کائنات کے انسانوں کا خلاصہ حاضر ہے، ہر دور کے پیغمبر، نبی اور رسول وہاں پر موجود ہیں، پوری انسانیت کا جو چوٹی کا اجتماع ہے، اس میں جو ہر پیغمبر کی تقریر ہے اس میں ان کی امت کا ذکر نہیں ملتا،

لیکن امام المرسلین اور غمخوار امت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس خطاب کے اندر بھی تین مستقل باب اپنی امت کے بیان فرما دیئے۔ جہاں آپ ﷺ نے ان عہدوں کا ذکر کیا جو خالق کائنات نے آپ ﷺ کو عطا فرمائے تھے جو آپ ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کو نہیں دیئے گئے تھے، وہ تفصیلاً آپ ﷺ نے ذکر کیے، مگر درمیان میں تین مستقل اعزاز اپنی امت کے بھی بیان فرمائے۔

لہٰذا اقصیٰ کا یہ اجتماع اور معراج کی یہ شب اس سے یہ امت نوازشات سے خالی کیسے رہ سکتی تھی، جب اتنے بڑے اجتماع کے اندر اللہ کے محبوب ﷺ اپنی زبان سے اس امت کا ذکر فرما رہے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

(درمنثور جلد ۵، ص ۱۹۸۔ زرقانی جلد ۶، ص ۵۰۔ الشفاء شریف جز اول ص ۱۰۹)

اے انبیاء و رسل! میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس خدا نے میری امت کو امتوں کا سردار بنایا ہے۔

نوازشات کی بارش

معراج کی شب نوازشات کی بارش، امت کیلئے کس لحاظ سے ہے؟ خطاب فرماتے ہوئے ہر پیغمبر اپنی سیادت کی بات کر رہا تھا، انہیں خالق کائنات نے جو کچھ عطا کیا تھا، اس سے وہ اللہ کی تعریف کر رہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ مجھے میرے خدا نے خلیل بنایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے کلیم بنایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے شفا بانٹنے والا بنایا ہے۔

معراج کی شب امت کی عظمتوں کا بیان

سرکار ﷺ نے بہت سے اوصاف بیان کیے مگر اپنی امت کو بھی نہیں بھولے اور فرمایا، اے انبیاء و رسل! میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے میری امت کو میری

وجہ سے امتوں کا سردار بنایا ہے۔

وَجَعِلَ اُمَّتِیْ اُمَّۃً وَسَطاً

میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے میری امت کو امت وسط بنایا ہے۔

وَجَعِلَ اُمَّتِیْ ھُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَھُمُ الْاٰخِرُوْنَ

انبیاء ورسل میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس خدا نے میری امت کو اول بھی بنایا ہے اور آخر میں بنایا ہے۔

یہ معراج کی شب عظیم اجتماع، اس کا وقت اور اس کی اہمیت کتنی ہے، اس کے اندر موضوع کون لوگ بنے ہوئے ہیں۔ یہ معراج کی شب اس امت کیلئے نوازش تھی، ساری امتوں کے رسول جہاں موجود ہیں، پیغمبر موجود ہیں، سرکار ﷺ اپنی مقدس زبان سے اپنی امت کی شرافت اور عظمت کا ذکر فرما رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے میری امت کو اول بھی بنایا ہے اور آخر میں بھی بنایا ہے۔

لہٰذا یہ امت اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

دنیا میں آنے کے لحاظ سے آخر ہے اور جنت میں جانے کے لحاظ سے اول ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ نے فرمایا۔

خالق کائنات نے ساری امتوں پر جنت کو اس وقت تک حرام کر رکھا ہے جب تک کہ میری امت جنت میں نہیں جائے گی۔ (مجمع الزوائد ا/٦٩)

اگرچہ دنیا میں آنے کے لحاظ سے وہ صدیوں پہلے آئے اور صدیوں پہلے چلے گئے مگر جب جنت میں داخل ہونے کی باری آئے گی، چونکہ جنت کا دروازہ سرکار ﷺ کھولیں گے، لہٰذا سرکار ﷺ کے غلام ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ)

میں وہ سب سے پہلا ہوں جو سب سے پہلے جنت کی کنڈی ہلاؤں گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَنِی فَاتِحًا وَّ خَاتِمًا

میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے فاتح بھی بنایا ہے اور خاتم بھی بنایا ہے۔

میں کھولنے والا بھی ہوں اور بند کرنے والا بھی ہوں۔

میں نے رسالت کے دروازے کو، نبوت کے دروازے کو بند کیا ہے اور میں جنت کے دروازے کو کھولوں گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی حاجت

نوازشات معراج شریف کی کتنی ہیں!! نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ جس وقت سدرۃ المنتہٰی سے آگے بڑھ رہے تھے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی معذرت پیش کر رہے تھے، تو سرکار ﷺ نے فرمایا:

هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ اِلٰى رَبِّكَ

اے جبرائیل (علیہ السلام) آپ آگے نہیں جا رہے تو آپ کی اگر اپنے رب سے کوئی حاجت ہو تو وہ مجھے بتا دو۔

میں جہاں آج پوری کائنات کی نمائندگی کر رہا ہوں، تمہاری بھی نمائندگی کر رہا ہوں۔

هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ اِلٰى رَبِّكَ

کوئی تمہاری حاجت ہو تو وہ بتا دو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت اپنے معذرت خواہانہ انداز میں تھے کہ میں اگر بڑھوں گا تو جل جاؤں گا۔

اِن تَجَاوَزْتُہٗ اِحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ

• پورے کے جتنا بھی آگے جاؤں گا تو جل کے راکھ ہو جاؤں گا۔

اللہ کی تجلیات میں جتنا رعب اور جلال ہے، میرے نور میں وہ گنجائش نہیں ہے کہ یہ نوران تجلیات کو برداشت کر سکے

رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ نورانیت

سرکار ﷺ کی نورانیت چونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی نورانیت سے کئی مرتبہ اعلیٰ نورانیت ہے، لہٰذا سرکار ﷺ آگے بڑھ رہے تھے اور اس انداز میں بڑھ رہے تھے، اتنے اطمینان اور اس قدر اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے کہ میں جل کے راکھ نہیں ہوں گا، بلکہ اے جبرائیل! تمہارے کام بھی کروا کے واپس آؤں گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آرزو

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو معلوم تھا اور خصوصاً اس دن تو مسجد اقصیٰ والی تقریر بھی سنی ہوئی تھی، لہٰذا جو کچھ انہوں نے مانگا، اس کا تعلق بھی امت کی نوازش کے ساتھ تھا۔

آپ کہتے ہیں:

یَامُحَمَّدُ سَلِ اللّٰہَ فِیْ اَنْ اَبْسُطَ جَنَاحَیْ عَلَی الصِّرَاطِ لِاُمَّتِكَ

(المواہب اللدنیہ فی الانوار المحمدیہ جلد نمبر ۱ ص ۳۴۶، استنبول)

یا رسول اللہ ﷺ میری حاجت تو صرف یہ ہے کہ آپ اللہ عزوجل سے یہ سوال کریں، اللہ سے یہ التجا کریں خالق کائنات مجھے حشر کے دن اجازت دے دے کہ میں اپنا پر پل صراط پر آپ ﷺ کی امت کیلئے بچھا دوں۔

وہ جبرائیل علیہ السلام جس کا پَر مشرق و مغرب پر محیط ہے، وہ اللہ سے اس بات کی اجازت چاہتے ہیں کہ پل صراط پر آپ ﷺ کی امت کیلئے بچھائیں۔

یارسول اللہ ﷺ میری یہ حاجت ہے، میری یہ تمنا ہے، حشر کا دن ہو، اور پل صراط جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے، جہاں سے لوگ پھسل پھسل کے نیچے آگ میں گر رہے ہوں گے، میری یہ تمنا ہے کہ مجھے یہ اجازت مل جائے کہ اپنا چوڑا پر پل صراط پر بچھا دوں، اور آپ کے امتی ٹہلتے ٹہلتے جنت میں داخل ہو جائیں۔

میں پل صراط پر اپنا پَر بچھا دوں اور اس سے وہ آگے گزرتے چلے جائیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی حاجت پیش کر دی۔ یہ نوازش ان کیلئے بھی تھی کہ سرکار ﷺ کی امت کیلئے پر بچھانے کا اعزاز حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ملے گا۔ اور یہ نوازش اس امت کیلئے بھی تھی کہ جب ہزاروں امتیں لڑکھڑا کے گر رہی ہوں گی تو سرکار کی امت کیلئے پر بچھا ہو گا۔

پر بچھا ہے اور ساتھ سرکار ﷺ کی دعا بھی ہے:

رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ، رَبِّ سَلِّمْ اُمَّتِیْ

اے اللہ! میری امت کو سلامت رکھنا

بریلی کے تاجدار وجد میں آ گئے اور کہنے لگے:

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد ﷺ

خالق کائنات جل جلالہ، نے اس امت کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پر بچھائیں تو پَر کو خبر نہ ہو، وہ اس انداز میں پل صراط پر اپنا پَر بچھائے ہوئے ہوں گے اور ساتھ سرکار ﷺ کی صدا آ رہی ہوگی۔

سرکار ﷺ کی چاہت رکھنے والے بڑے انداز میں وجد کے ساتھ ٹہلتے ہوئے اس پل سے بغیر گھبراہٹ کے گزر رہے ہوں گے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ درخواست بھی سرکار علیہ السلام نے وصول کر لی اور پھر خالق کائنات کی بارگاہ میں پہنچے۔

یہ نوازش حضرت جبرائیل علیہ السلام کیلئے ہے۔

اس کے بعد جو سرکار ﷺ کی عرش پر نوازش ہے، وہ دیکھیں۔

عرش الٰہی بھی رحمت سے فیض یاب

مواہب میں یہ بات موجود ہے کہ عرش عظیم کو جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیا تو اللہ کے رعب اور جلال کی وجہ سے عرش کانپ رہا تھا تو خالق کائنات نے اس پر لا الہ الا اللہ لکھوایا۔

جب یہ لکھا گیا تو اس کا لرزہ مزید بڑھ گیا، اس پر مزید جلال کی تجلیات گریں، اس پر مزید خالق کائنات کا رعب طاری ہو گیا، اس کی حرکت میں اضافہ ہو گیا، پھر جب (محمد رسول اللہ) لکھا گیا تو عرش کا لرزہ کم ہوا

(الانوار المحمدیہ، امام یوسف بن اسماعیل نبھانی طبع استنبول جلد نمبر ۱، ص ۳۵۲)

عرش کہتا ہے، اس دن سے مجھے انتظار تھا کہ جن کا نام لکھنے کی وجہ سے خالق کائنات کی رحمت مجھے وصول ہوئی۔ خالق کائنات کا جلال مجھ پر غالب تھا اور اللہ کی

رحمت جو مجھے وصول ہوئی ہے تو جن کے نام سے وصول ہوئی ہے، ان کی ذات میں خالق کائنات نے کتنے کمالات رکھے ہوں گے۔ وہ کیسا وقت ہوگا کہ جس وقت مجھے ان کے قدموں کا بوسہ لینے کا اعزاز حاصل ہوگا اور وہ مجھ پر تشریف لائیں گے۔ لہٰذا جس طرح باقی چیزوں کو سرکار ﷺ کا انتظار رہتا ہے، عرش عظیم کو بھی سرکار علیہ السلام کا انتظار تھا۔ لہٰذا معراج شریف کی رات عرش پر بھی یہ نوازش تھی کہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ عرش کی تخلیق کے دن سے جو اس کو انتظار تھا اس انتظار کو سرکار ﷺ کے جلوہ فرما ہونے سے سکون مل گیا۔

نماز کا تحفہ

پھر دیکھئے آپ نے یہ بات سنی ہوگی کہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کو معراج کی رات نماز کا تحفہ ملا، امت کیلئے ایک عظیم تحفہ ملا، یہ تحفہ جس وقت سرکار علیہ السلام نے وصول کیا، واپس آئے تو پھر انہیں مشورہ دیا گیا کہ تخفیف کا سوال کریں کیونکہ یہ پچاس نمازیں ادا نہیں کرسکیں گے، ان سے ادا کرنے میں غفلت ہو جائے گی۔

نمازوں میں تخفیف اور وسیلہ کا ثبوت

اب دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام مشورہ دینے والے ہیں، اگر پانچ کا مشورہ انہوں نے دیا اور پھر انہوں نے مزید پانچ تخفیف کروانے کا دیا، پھر مزید پانچ کی تخفیف کا بھی انہوں نے ہی دیا، اور سرکار ﷺ کو وہ ایک وقت میں ہی یہ کہہ سکتے تھے کہ محبوب ﷺ آپ ﷺ ایک بار ہی جائیں اور پینتالیس کم کروالیں اور پانچ باقی رہ جائیں، چونکہ بعد میں بھی وہ ہی یہ بات کہہ رہے ہیں، اتنی مرتبہ آنے جانے کا جو سلسلہ تھا اس کا مطلب کیا تھا؟

جب وہ اللہ کے کلیم ہیں اور اپنے تجربہ کی بنیاد پر مشورہ دے رہے ہیں کہ اتنی ان سے ادا نہیں ہو سکیں گی، آپ اس میں تخفیف کروائیں، تخفیف کیلئے خالق کائنات کی بارگاہ میں جائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔

تو حقیقت میں، حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کیلئے اس میں ایک معراج تھی۔ وہ حضرت کلیم علیہ السلام جو طور پر (اَرِنِیْ) کہتے رہے اور انہیں دیدار نہ کروایا گیا، پھر تجلی پہاڑ پر گری، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، آج نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیع معظم ﷺ کو ایک مرتبہ ملتے ہیں اور سرکار ﷺ کا دیدار کرتے ہیں، اور پھر کہتے ہیں کہ محبوب جاؤ اور تخفیف کا سوال کرو۔ سرکار ﷺ جاتے ہیں اور پھر واپس آتے ہیں، پھر یہ ان کو بھیجتے ہیں، اصل میں بات یہ تھی کہ:

جتھاں اکھیاں نے دلبر ڈٹھا

او اکھیاں تک لئیاں

حضرت کلیم علیہ السلام براہ راست اللہ کا دیدار نہ کر سکے مگر جو دیدار کر کے آ رہے تھے ان کی آنکھوں کی زیارت کرنے کے بعد، چونکہ ان کی رسائی تو دربار تک ہے، انہیں دوبارہ مشورہ دیا، وہ دوبارہ پہنچے، پھر اللہ کے دیدار کا سرمہ آنکھوں میں لگا کر آئے، حضرت کلیم علیہ السلام نے پھر دیکھا اور پھر التجا کی۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وَاِنَّمَا السِّرُّ فِی مُوْسٰی یُرَدِّدُہٗ

لِیَجْتَلِیْ حُسْنَ لَیْلٰی حِیْنَ یَشْھَدُہٗ

یَبْدُوْ سَنَاھَا عَلٰی وَجْہِ الرَّسُوْلِ فَیَا

لِلّٰہِ دَرُّ رَسُوْلٍ حِیْنَ اَشْھَدُہٗ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کو بار بار بھیجنا، اس میں راز یہ ہے کہ وہ حسنِ قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے جس کی ضیاء اس وقت چہرۂ رسول ﷺ پر چمک رہی تھی، پس اللہ ہی کیلئے ہے خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا دیدار کرایا یعنی وہی جانتا ہے اس وقت آپ ﷺ کا عالم کیا تھا۔

(المواہب اللدنیہ جلد ۳، ص ۱۱۱)

یہ محبوب علیہ السلام بار بار جا رہے تھے اور بار بار آ رہے تھے، حضرت موسیٰ، کلیم اللہ کے مشورہ دینے کی اور حکمتیں ہزاروں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان آنکھوں کو بار بار دیکھا جائے جو بار بار محبوب ﷺ کو دیکھ کے آ رہی ہیں۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کے سفر کی نوازشات سے کوئی بھی محروم نہ رہا، ہر طرف ان نوازشات کے جھنڈے لہرانے لگے، ہر طرف ان نوازشات کا ظہور ہوا۔

نبی اکرم ﷺ بار بار آ رہے ہیں اور بار بار جا رہے ہیں۔ پھر سرکار ﷺ کی رویت میں بھی مزید اضافہ ہوا۔

کہ انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا، دوسری مرتبہ دیکھا، تیسری مرتبہ دیکھا، لہٰذا جو نمازوں کی تخفیف والی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ کو خالق کائنات کی رویت اور دیدار ایک مرتبہ ہی نہیں ہوئی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار ان کو یہ مشاہدہ کروایا تھا۔

اس سے امت کو اور پوری مخلوق کو جو عروج ملا، وہ یہ ہے:

صوفیاء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکار ﷺ کا معراج پہ جانا ایک ایسا مرتبہ ہے کہ جو کسی دیگر نبی ﷺ کو بھی نہیں ملا۔ اس انداز میں ان کو عرش پر بلایا گیا ہو، اتنے اعزاز سے ان کو رکھا گیا ہو، اور اتنے اعزاز سے ان کو نوازا گیا ہو، یہ کسی پیغمبر کے

حصہ میں نہیں آیا، وہ فرمانے لگے کہ

عرش پہ جانا سرکار ﷺ کا بڑا کمال ہے مگر اس سے بڑا کمال عرش پہ جا کے واپس بندوں میں آجانا ہے۔

عرش پہ جا کے، اللہ کے قرب میں پہنچ کے، خالق کائنات کا دیدار کر کے، خالق کے پاس پہنچا ہوا بندہ پھر مخلوق کے پاس آبیٹھے، پھر مخلوق کے جھرمٹ میں آبیٹھے اور بدر و حنین کے معرکوں میں شریک ہو جائے، لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کیلئے خالق کی بارگاہ سے واپس مخلوق تک پہنچنا، یہ مخلوق کی بہت بڑی معراج ہے۔

؎ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

رحمت مصطفیٰ ﷺ

یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے کمال کر دیا، آپ ﷺ نے خالق کے پاس پہنچ کر، پھر وہاں سے بندوں کی طرف آنا منظور فرمالیا، اللہ کے قرب میں پہنچنے کے بعد پھر بندوں کی رہنمائی کیلئے بندوں کو اللہ تک پہنچانے کیلئے اور مخلوق کا تعلق خالق سے قائم کرنے کیلئے آپ نے دوبارہ زمین پر آنا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے قبول کیا۔

فیض خالق کائنات کی بارگاہ سے حاصل کیا، اس کو تقسیم کرنے کیلئے، اور دنیا کو اس سے منور کرنے کیلئے، آپ جو معراج سے واپس پھر بندوں کی طرف تشریف لائے، اس میں بھی آپ ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس نوازشات کے پہلو کے لحاظ سے بات بہت طویل ہے۔ میں اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

آسماں خوان، زمین خوان، زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلہ بیٹا تیرا
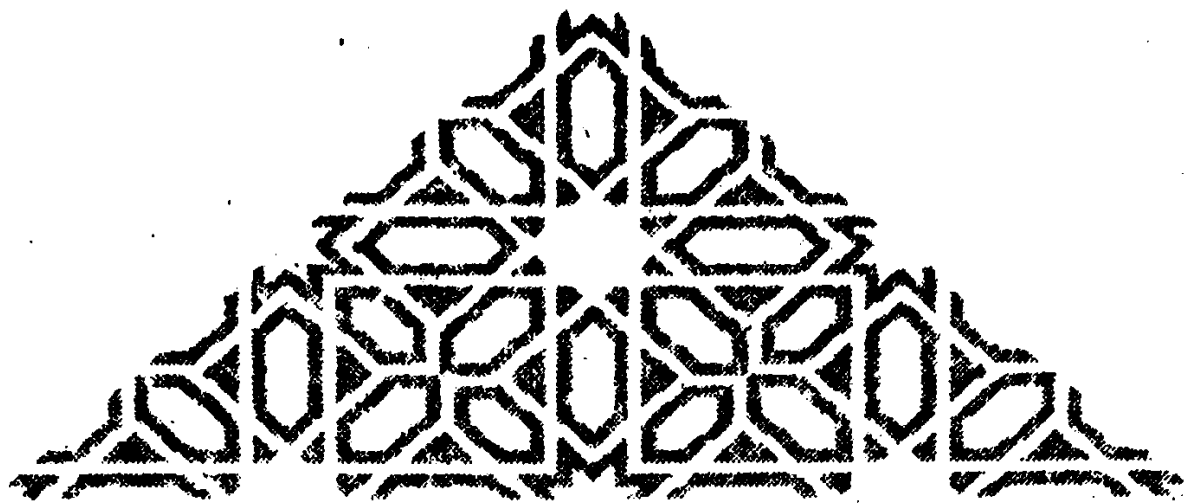
باب نمبر

3

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ
وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

محسن انسانیت، اسوۂ آدمیت، احمد مجتبیٰ کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد معزز علماء کرام اور محتشم سامعین حضرات، آج کی یہ عظیم الشان تقریب عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلہ میں انعقاد پذیر ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اس محفل کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ (آمین)

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے

محبت رسول ﷺ

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے اس کے صرف ایک حصے پر آپ کے سامنے گفتگو کروں گا اور اس ساری گفتگو کا محور یہ ہے کہ ''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عشق رسول ﷺ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ سید عالم ﷺ کی محبت اور آپ کا عشق ایمان ہے، ایمان کی جان ہے، جان کا چین ہے اور چین کا سامان ہے۔

معیار محبت

محبت اور عشق میں ہمیں ایک معیار کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح محبت کریں، کس معیار کے مطابق محبت کریں۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے سرور کونین ﷺ کی زیارت کی تھی، جن کی آنکھیں سرکار کے رخ زیبا سے ٹھنڈی ہوئی تھیں، جن کی آنکھوں کی تشنگی، دلوں کی تشنگی سید عالم ﷺ کے دیدار سے ختم ہوئی تھی، ان لوگوں نے جب انداز سے سرکار ﷺ سے محبت کی، وہ انداز یقیناً سچا انداز ہے، اس انداز محبت کو دیکھتے ہیں، آج جبکہ محبتوں کے شیشے دھندلے ہو رہے ہیں، اور کاروان عشق کو لوٹا جا رہا ہے تو ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا معیار سامنے رکھتے ہوئے اپنے عشق کو انہیں خطوط پر استوار کرنا چاہئے

میں نے قرآن مجید کی جو آیت کریمہ پڑھی ہے، خالق کائنات جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ: اے میرے محبوب (ﷺ) آپ ﷺ فرمادیں:

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو،

فَاتَّبِعُوْنِىْ

میری اتباع کرو۔

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

خدا تم سے پیار کرے گا۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ ہمارا تو اللہ تعالیٰ سے بڑا قریبی تعلق ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهُ

(سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۸)

انہوں نے کہا کہ ہمیں اس نبی کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم تو اللہ کے بڑے قریبی ہیں۔

یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں، اس کے بڑے پیارے ہیں۔

جب ان لوگوں نے Direct اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کیا تو خالق کائنات نے فرمایا نہیں، ایسی محبت جو راہ مدینہ سے ہو کر نہ آئے وہ مجھے منظور نہیں ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

محبوب! تم انہیں فرما دو کہ اگر تم نے واقعی طور پر اللہ سے محبت کرنی ہے۔

فَاتَّبِعُوْنِىْ

تو پھر میری اداؤں کو اپنانا پڑے گا۔

پھر کاروان محبت کو شاہراہ مدینہ شریف پر چلانا پڑے گا۔

سرکار ﷺ کی دہلیز سے ہو کے محبت جب اللہ کی بارگاہ میں پہنچے گی تو خالق کائنات تمہیں صرف اپنا محب ہی نہیں بلکہ اپنا محبوب بھی بنا لے گا۔

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ

جب تک سرکار مدینہ ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ درمیان میں نہیں ہوگا، تمہیں خدا کے محب ہونے کا منصب بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

زندگی بھر جنگلوں، صحراؤں کی خاک چھانتے پھرو، تو بھی تمہیں خالق کائنات کے محب ہونے کا عہدہ حاصل نہیں ہو سکتا، اور جب سرکار ﷺ کی نسبت آ جائے تو

یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

خدا تم سے محبت کرے گا۔

تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

اتباع رسول ﷺ محبت کا بہت بڑا ذریعہ

اس آیت میں سرسری طور پر دیکھنے سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ سید عالم ﷺ کے سنت طریقہ کا انسان کی پرواز اور رفعت میں کتنا بڑا کردار ہے۔

جب تک بندے نے سرکار ﷺ کا طریقہ نہیں اپنایا، اسے خدا اپنا محبّ ہی نہیں بنا رہا ہے۔ اور جب اس نے سنت کو اپنا لیا تو خالق کائنات نے فرمایا جب تم نے میرے محبوب ﷺ کی سنت کو اپنایا اور محبوب ﷺ کے طریقے پر چلے تو

یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

رب تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے۔

یہ آیت کریمہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی اتباع کا درس دے رہی ہے اور واضح کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

خالق کائنات کی محبت جو ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے، وہ محبت بھی سرکار ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ سید عالم ﷺ کی اتباع یعنی آپ ﷺ کے حکم پر عمل کرنا، آپ ﷺ جو فرمائیں اسی طرح کرنا،

اگر فرمایا کہ دن کو بھوکے رہو تو دن کو بھوکے رہنا،

اگر فرمایا کہ عید کے دن کھانا کھاؤ تو کھالینا،

اگر فرمایا کہ تلوار لے کے جہاد کیلئے نکلو تو جہاد کیلئے نکل پڑنا،

سر ہتھیلی پر رکھ کر شجر اسلام کو سیراب کرنے کیلئے بے خوف وخطر نکل پڑنا،

یہ ساری چیزیں یعنی اتباع اور اس کے سارے تقاضے ایک نقطے پر سمٹ کے آ جاتے ہیں کہ جو ہمیں حکم دے رہا ہے، ہمارے دل میں اس کی محبت بھی ہو۔

جس کے ساتھ محبت نہ ہو، اس کے کہنے پر تو انسان اٹھ کر کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کرتا، چہ جائیکہ جان کا نذرانہ دینے کیلئے کھڑا ہو جائے۔ لہٰذا ساری محبت، اتباع کا سلسلہ، کاشانہ اتباع، پوری عبادتیں جو ہیں، ان سب کا محور یہ ہے کہ پہلے بندے کے دل میں محبوب کا پیار آ جائے۔ سرکار ﷺ کی محبت جب آ جائے گی تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جائے گا، کیونکہ پتہ ہوگا کہ یہ میرے محبوب ﷺ کی طرف سے آ رہا ہے۔ لہٰذا ساری اسلامی عبادات کا محور اور انسانی زندگی کا مقصد سرکار دو عالم ﷺ کی اتباع اور محبت پر موقوف ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جذبہ محبت

محبت صحابہ کو کس طرح حاصل ہوئی، اور یہ کیسی محبت تھی؟ اللہ کے فضل سے ہم حضور نبی کریم ﷺ کی محبت کے داعی ہیں۔ خالق کائنات نے سب لوگوں میں سے

ہمیں چنا ہے کہ اپنے حبیب علیہ السلام کی محبت ہمیں عطا فرمائی ہے، ابھی ہمیں اس محبت کو استوار کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ محبت پکی ہے یا اس میں کسی قسم کی ملاوٹ ہے۔

صحابہ کرام کی محبت کو جب آزمایا گیا تو انہیں خطوط پر آج ہم نے اپنی محبت کو پرکھنا ہے کہ جب غموں کے تیر چل جائیں، آفات کی آندھیاں اٹھیں اور مسائل کے طوفان آ جائیں تو صحابہ کرام تو وہ تھے کہ غموں کے منہ میں کھڑے ہو کر، آفات کی چکی کے نیچے بھی، جن کے دلوں سے یا رسول اللہ ﷺ کی صدائیں نکلتی تھیں۔

یہ نہیں ہے کہ ایک سال تو تہجد بھی پڑھی، نمازیں بھی پڑھیں، اور دوسرے سال کہا کہ بہت کچھ کیا ہے، یا ایک دفعہ قربانی دے لی، پھر کہا کہ بہت کچھ خدمات ہم نے سرانجام دے لیں۔

نہیں، نہیں، سید عالم ﷺ کے صحابہ کرام کی محبت ہمیں یہ درس دے رہی ہے کہ وہ محبوب ﷺ تو ایسے محبوب ﷺ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کے آخری سانس تک ان کی محبت میں زندہ رہے اور ان کی محبت میں اس دنیا سے چلا جائے۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم شریف سے گرفتار کیا گیا اور یہ وہ وقت تھا کہ ابھی حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو پکڑا گیا، سرکار ﷺ مدینہ شریف میں تھے اور آپ ﷺ کے ایک غلام مکہ شریف میں گرفتار ہو گئے اور مشرکین مکہ انہیں حرم شریف سے باہر نکال کر لے آئے۔
مشرکین مکہ نے ننگی تلوار ان کی گردن پر رکھی اور اس کے بعد ان سے ایک سوال کیا۔
حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس خدا کا تم کلمہ

پڑھتے ہو، اور جس محبوب ﷺ کے تم نغمے گاتے ہو، میں اس خدا کی قسم دے کے تجھے کہتا ہوں، مر تو ویسے بھی جاؤ گے، میں جو سوال کر رہا ہوں اس سوال کا جواب مجھے صحیح اور سچا دینا، وہ سوال کیا تھا؟

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موت کے منہ میں کھڑے تھے، پورا ماحول تپش آمیز تھا، ہر آنکھ گھور گھور کے دیکھ رہی تھی۔ ان کا بظاہر وہاں حامی کوئی نہیں تھا، سارے لوگ ہی مخالف تھے، دشمن تھے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا اے زید ویسے ہمارا تمہارا آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے، صرف ایک ہی بات ہے کہ جو ہمارے دشمن ہیں، تم نے ان کو اپنا محبوب ﷺ بنا لیا ہے، تمہارے ساتھ ہماری کوئی عداوت نہیں، اب تمہارا محبوب ﷺ بڑے آرام سے مدینہ شریف میں بیٹھا ہے اور تم موت کے منہ میں کھڑے ہو، میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں:

اَتُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا (ﷺ) اَلْاٰنَ عِنْدَنَا مَكَانَكَ يُضْرَبُ عُنُقُهٗ وَاَنْتَ فِيْ اَهْلِكَ؟

(امام بیہقی عن عروہ، الشفاء ۲/۷۰)

اے زید! اس وقت تم ہماری تلوار کے نیچے ہو اور تمہارے محبوب بڑے آرام سے گھر میں بیٹھے ہیں۔

اگر مسئلہ اس کے برعکس ہوتا کہ تمہارے محبوب ہماری قید میں ہوتے اور تم اپنے گھر میں اپنے بیوی بچوں میں خوش ہوتے۔

اے زید! اس وقت تم موت کے منہ میں پڑے ہو اور موت کا انتظار کرنا اچھا لگ رہا ہے یا اس وقت اپنے گھر میں بیٹھ کے امن وسکون کی ہوا کو محسوس کرنا اچھا لگتا۔

بڑا عظیم تقابل تھا کہ اب تم ہماری قید میں ہو، اور تمہارے محبوب ﷺ آرام سے گھر میں ہیں، تم موت کے انتظار میں ہو کہ کب تلوار چلتی ہے اور سر تن سے جدا ہوتا

ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ تمہارے محبوب ﷺ ہماری قید میں ہوتے اور تم اپنے گھر میں ہوتے اور تمہیں پتہ بھی چل جاتا کہ میرے محبوب ﷺ کافروں کی قید میں ہیں۔

اے زید! تمہیں اس وقت کی یہ حالت پسند ہے یا اس وقت گھر میں آرام سے بیٹھ رہنا پسند ہے۔ جب پوچھا تو قربان جاؤں وہ وفا کے پیکر، وفا کے ہمالہ پہ لہراتا ہوا پرچم، حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے

آپ کہنے لگے اے ابوسفیان! تم نے مجھ سے کیا پوچھا ہے؟ تو نے بڑی دور کی بات کی ہے۔

وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ اَلْآنَ فِیْ مَکَانِهِ الَّذِیْ هُوَ فِیْهِ تُصِیْبُهٗ شَوْکَةٌ تُؤْذِیْهِ وَاِنِّیْ جَالِسٌ فِیْ اَهْلِیْ

خدا کی قسم میرے محبوب جہاں کہیں اپنے گھر میں بیٹھے ہیں، اگر وہیں ان کو کانٹا چبھ جائے، میں اپنے گھر میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔

تم یہ کہتے ہو کہ میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہاری قید میں ہوں، تمہاری تلوار کے نیچے ان کا سر ہو، یہ بات تم نے کتنی دور کی کہہ دی میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو کانٹا بھی چبھ جائے اور ہم اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں، ہم سے اتنی بات بھی برداشت نہیں ہو سکتی۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا تو جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے، ابوسفیان ابھی مسلمان نہیں تھے، کہنے لگے:

مَارَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا یُحِبُّهٗ اَصْحَابُهٗ مَا یُحِبُّ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا

(سیرت ابن ہشام ۲/۱۷۲، البدایہ والنہایہ ۴/۶۷، تاریخ الطبری ۲/۵۴۲)

میں نے بڑے بڑے محبوب دیکھے ہیں اور ان کے بڑے بڑے محب دیکھے ہیں، میں نے بڑے بڑے معشوقوں کے عاشق دیکھے ہیں، میں نے بڑے بڑے مطلوبوں کے بڑے بڑے طالب دیکھے ہیں، میری آنکھ نے آج تک کسی محبوب کے ایسے محب نہیں دیکھے جیسے محب سرکار مدینہ کے ہیں، جن کی محبت کے پیوند غموں کے طوفان سے بھی نہیں ٹوٹتے۔ یہ محبت ایسی ہے کہ جس کو دشمن کی گرمی بھی پگھلا نہیں سکتی، موت کے منہ میں کھڑے ہو کے یہی کہتے ہیں:

محمد ﷺ ہیں متاع عالم ایجاد سے پیارے
پدر، مادر، برادر، جان و مال اور اولاد سے پیارے

حضرت ابوسفیان کے سامنے، پورے ماحول میں، صداقت کی زبان بن کر حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ اعلان کر رہے تھے کہ

شراب عشق احمد ﷺ میں کچھ ایسی کیف و مستی ہے
کہ جان دے کر بھی اک دو بوند مل جائے تو سستی ہے

یہ صحابہ کی محبت ہے کہ ان حالات میں بھی کہ جب موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ محبوب علیہ السلام تو مدینہ شریف میں ہیں اور ہم مکہ شریف میں ہیں، چلو آج محبت کی کچہری سے واک آؤٹ کر جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کیلئے جان بچا لیتے ہیں۔

نہیں، نہیں حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت کا کلمہ پڑھا تھا، گھورتی آنکھوں، ننگی تلواروں کے نیچے بھی نعرہ لگاتے رہے، اور کہتے رہے کہ

ان کی محبت میں اگر جان جاتی ہے تو افسوس ہے کہ یہ ایک جان ہے، کاش اگر کروڑوں جانیں ہوتیں تو ایک ایک کر کے سب اپنے آقا پر قربان کر دیتے۔

﴿صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جذبہ جانثاری﴾

جس وقت جنگ بدر کا وقت تھا تو سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ نے مسجد نبوی شریف میں میٹنگ کی، جس میں انصار بھی تھے اور مہاجرین بھی تھے، تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میرے صحابہ! اب جنگ دروازے پہ دستک دے رہی ہے، تمہارا کیا مشورہ ہے؟ جب یہ بات ہوئی تو چونکہ انصار سے یہ معاہدہ تھا کہ اگر مدینہ شریف میں آکر کوئی لشکر سرکار ﷺ پہ حملہ آور ہوتا ہے تو انصار پہ لازم ہے کہ مہاجرین کے ساتھ مل کر دفاع کریں اور اگر مدینہ شریف سے باہر کہیں جنگ ہوتی ہے تو پھر انصار پر لازم نہیں کہ یہ بھی جنگ میں ساتھ شریک ہوں، اب جب یہ بات ہوئی تو انصار سمجھے کہ شاید ہماری طرف اشارہ ہو رہا ہے، انصار کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے۔

خدا کی قسم! وہ کیسا منظر تھا، کھجور کے پتوں کی چھت تھی، منبر پر سرکار جلوہ گر تھے، سامنے بلبلیں تشریف فرما تھیں، وہ مقدس رسالت کے پھول کھلے تھے اور ان کی خوشبو سے ہر ذہن معطر ہو رہا تھا، سرکار ﷺ نے جب پوچھا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے، کہتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ

لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسَى عليه السلام

ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

(پارہ نمبر ۶، آیت ۲۴)

اے موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ محبوب ﷺ ہم وہ نہیں، ہم نے تو خون کی بیعت کی ہے۔ ہم نے تو موت وحیات کا مسئلہ طے کیا ہوا ہے۔

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا

لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِیْضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا

(مشکوۃ باب المعجزات، ص ۵۳۱)

محبوب ﷺ آپ ہم کو فرمائیں تو ہم گھوڑوں سمیت سمندروں میں چھلانگیں لگا جائیں گے۔

لَوْ اَمَرْتَنَا

آپ ﷺ حکم تو فرمائیں، کچھ ارشاد تو فرمائیں۔

اَنْ نُخِیْضَهَا الْبَحْرَ لَا خَضْنَاهَا

اگر آپ ﷺ ہمیں سواریوں کا سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم ڈال دیں گے۔

اگر حکم ہوگا تو گھوڑوں سمیت سمندروں میں چھلانگیں لگا جائیں گے۔

وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَكْبَادَهَا اِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا

برک غمار سے مراد یا تو یمن کا علاقہ ہے یا دنیا کا آخری کنارہ ہے۔

صرف حجاز کی بات نہیں، اے محبوب ﷺ ہم نے بیعت یہ کی ہے کہ اگر آپ ﷺ حکم فرمائیں تو دنیا کے آخری کنارے تک تمہارا جھنڈا لے کے جائیں گے۔

دنیا ختم ہو جائے گی، زمین ختم ہو جائے گی، مگر ہمارے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوں گے، مصطفوی پرچم ہمارے ہاتھ میں ہوگا، خوف خدا ہمارے دل میں ہوگا، محبت رسول ﷺ کی چنگاری تڑپ رہی ہوگی، اے محبوب ﷺ کائنات کے کونے کونے تک تمہاری محبت کا غلبہ کر کے لوٹیں گے۔

جب انہوں نے یہ اظہار کیا تو یہ محض جذباتی اظہار نہیں تھا، بلکہ انہوں نے محبت

کے مفتی سے پوچھ کے یہ فتویٰ دیا۔

اپنے دل کے محراب میں بیٹھے ہوئے مفتی سے انہوں نے پوچھا اور پھر یہ کہا، اور یہ جو پیغام تھا اس کو مسجد نبوی کے درودیوار سن رہے تھے اور اس کا خلاصہ یہ تھا:

؎ پڑے گی ضرورت تو دیں گے ہم
لہو کا تیل چراغوں میں جلانے کیلئے

محبوب ﷺ ہم نے تو یہ طے کرلیا ہے، لہٰذا ضرورت پڑی تو ہم سب کچھ قربان کرنے والے ہیں، ایک بیٹھتے ہیں تو دوسرے اٹھ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں: یارسول اللہ ﷺ

وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَّمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ خَلْفَكَ

(بخاری شریف کتاب المغازی، جلد نمبر ۲، ص ۵۶۴ قدیمی کتب خانہ)

محبوب! آپ ﷺ کے دائیں بھی ہماری جانوں کے نذرانے پیش ہوں گے۔

آپ ﷺ کے بائیں بھی ہم شہید ہوں گے، آپ ﷺ کے آگے بھی جانیں قربان کریں گے، آپ ﷺ کے پیچھے بھی جانیں قربان کریں گے۔

اے محبوب! ہم بے وفائی کرنے والے نہیں ہیں۔ آخری دم تک اپنے خون کا آخری قطرہ پیش کرتے ہوئے تمہاری محبت کا دفاع کرتے رہیں گے۔

عہد ہوگیا اور پھر چشم فلک نے دیکھا، بدر کے ریگزار نے دیکھا، حنین کے ذروں نے دیکھا، چشم فلک نے دیکھا، ارے گھوڑوں کے سموں نے دیکھا، چمکتی تلواروں نے دیکھا، برستے نیزوں نے دیکھا، صحابی رسول کے ماتھے سے خون نکلتا ہے، اپنا چلو بھرتا ہے اور چلو بھر کے اپنے منہ پہ لگاتا ہے اور کہتا ہے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

(بخاری ابواب المغازی باب مَنْ يُنْكَبُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)

خدا کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔

ایک وقت وہ تھا کہ یہ عہد ہو رہا تھا کہ

اے عصر حاضر گواہ رہنا چراغ الفت جلایا ہم نے
اس الفت کے قدم قدم پہ ہمارے لہو کے دیئے جلیں گے

ایک وہ عہد تھا اور اب یہ ثابت ہو رہا تھا:

ہم سے خجل ہے چاند تاروں کی روشنی
بیٹھے ہیں خون دل سے چراغاں کئے ہوئے

یوں کہئے کہ احد اور خندق، یہ سارے مناظر سامنے ہیں، سید عالم ﷺ کے صحابہ کی محبت اگر کمزور ہوتی، اس محبت کے بند اگر کچھ بھی ڈھیلے ہوتے، تو پھر وہ اس قسم کے سرد طوفان سے ٹوٹ جاتے۔ نہیں، نہیں، کائنات میں آج تک، یہ حقیقت ہے، جتنے سخت طوفان اٹھے، چٹانوں سے وہ لوگ ٹکراتے رہے مگر محبت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آیا۔

خندق کھودی جارہی تھی، بخاری شریف میں حدیث شریف ہے۔

جب سید عالم ﷺ نے اپنے غلاموں کو دیکھا کہ کئی دنوں کے بھوکے ہیں، خندق کھود رہے ہیں، داڑھیوں پر غبار لگا ہوا ہے، جسم سارے پراگندہ ہیں، اور مٹی اٹھا اٹھا کے دور پھینک رہے ہیں۔ سرکار ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کیلئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَبَارِكْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

(بخاری کتاب المغازی، باب غزوۃ خندق، جلد نمبر ۲، ص ۵۸۸)

اے اللہ! خیر تو آخرت کی خیر ہے، کوئی نہیں، میرے غلام بھوکے ہیں، پیاسے ہیں، یہ مزدوری کر رہے ہیں، مشقت کر رہے ہیں، خندق کھود رہے ہیں، دنیا میں ٹھیک ہے کہ مصیبت ہے،

فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَ الْمُهَاجِرَةِ

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خندق)

اے اللہ! میں تجھ سے دعا کر رہا ہوں، میرے سارے انصار کو بھی معاف فرما دے اور میرے سارے مہاجرین کو بھی معاف فرما دے۔

جب سرکار ﷺ نے یہ دعا دی تو صحابہ سمجھے کہ شاید ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے کہ سرکار ﷺ نے ضرورت محسوس کی کہ ان کا حوصلہ بڑھایا جائے، تو سب مل کر نعرہ لگانے لگتے ہیں۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّداً
عَلَى الْجِهَادَ مَا بَقِيْنَا اَبداً

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خندق، جلد نمبر ۲ ص ۵۸۸)

اے اللہ! ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت ہی اس بات پر کی تھی کہ جب تک جسم میں جان رہے گی، تیرے نام پر قربان رہے گی۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّداً
عَلَى الْجِهَادَ مَا بَقِيْنَا اَبداً

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خندق، جلد نمبر ۲ ص ۵۸۸)

اے سرکار ابد قرار ﷺ ہم نے آپ ﷺ سے بیعت اس بات پر کی تھی کہ جب تک ہم باقی رہیں گے، تمہارے ساتھ مل کے تمہارے دشمنوں کا جواب دیتے رہیں گے۔

صحابیہ کا جذبہ محبت

جس وقت جنگ احد میں ایک افسوسناک خبر سید عالم ﷺ کی شہادت کے بارے میں مدینہ شریف میں گردش کرنے لگی تو ایک انصاری عورت گھر سے باہر نکلتی ہے اور

اس راستے پر کھڑی ہو جاتی ہے جس راستے پر مجاہدین اسلام واپس پلٹ رہے ہیں۔

وہ ہر شخص سے پوچھتی ہیں:

اَیْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ؟

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۳، ص ۳۰۲)

لوگو بتاؤ! حبیب کبریا حضرت محمد ﷺ کا حال کیسا ہے؟

یہ پوچھتی ہیں، حالانکہ ان کا والد بھی اس جنگ میں گیا ہوا ہے، ان کا والد اور ان کا بھائی اور خاوند بھی گیا ہوا تھا۔

وہ نہ خاوند کے متعلق پوچھتی ہیں اور نہ ہی اپنے بھائی کی خبر پوچھتی ہیں، آنے والوں سے پوچھتی ہیں کہ سرکار مدینہ ﷺ کی خبر دو۔

جب انہوں نے پوچھا تو آگے سے یہ جواب ملا کہ تمہارا والد شہید ہو گیا۔

جب غم کا تیر ان کے جگر میں پیوست ہوا تو پھر بھی یہ نہیں پوچھتی، اے صحابہ! اگر میرے والد شہید ہو گئے ہیں تو ان کا جسد اطہر کہاں پڑا ہے؟ کیا ان کو دفن کر دیا گیا یا ابھی دفن کیا جائے گا؟ زبان پر سوال ہے، وہ یہی ہے۔

اَیْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ؟

ماہ طیبہ ﷺ کے محبوب صحابہ! مجھے یہ بتاؤ کہ سید عالم ﷺ کا حال کیسا ہے؟

جو کاروان بھی آتا ہے، اس سے یہی پوچھتی ہیں، باپ کی شہادت کی خبر مل چکی ہے، پھر پوچھتی ہیں تو کوئی بتاتا ہے کہ تیرا خاوند بھی شہید ہو گیا۔

اب دو تیر جگر میں پیوست ہو گئے ہیں۔ وہ صنف نازک ہے، سوچتی نہیں کہ میرے سہارے ختم ہو گئے، باپ بھی شہید ہو گیا، خاوند بھی شہید ہو گیا، پھر بھی پوچھتی ہیں تو یہ پوچھتی ہیں۔

اَیْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ؟

لوگو! بتاؤ میرے محبوب علیہ السلام کا حال کیسا ہے؟

اب آگے بڑھتی ہیں، اگلا کارواں آتا ہے، اس سے بھی یہ سوال کرتی ہیں تو وہ بتاتے ہیں کہ تمہارا بھائی بھی شہید ہو گیا۔

اب باپ کی شہادت کی خبر بھی مل چکی۔

والد کے بعد خاوند کی شہادت کی خبر بھی مل چکی۔

بھائی کی شہادت کی خبر بھی مل چکی۔

پھر بھی زبان پر یہی ہے، لوگو! شفیع عالم ﷺ کا حال کیسا ہے؟

یہ وہ پکی محبت کہ جس وقت انسان کو مسائل گھیر لیں، تو پھر بھی اس کی محبت کا قبلہ تبدیل نہ ہو، غم واندوہ کی آندھیوں میں بھی اس کی محبت گمراہ نہ ہو، جیسے بھی طوفان اٹھیں، جیسے بھی حالات ہوں، جہاں اس کی محبت کا قبلہ ہے، وہاں سے تبدیل نہ ہونے پائے۔

وہ پوچھ رہی ہیں اور صحابہ کہہ رہے ہیں۔

تم جس طرح سرکار کو دیکھنا چاہتی ہو، اللہ کے فضل سے سرکار ﷺ ویسے ہی موجود ہیں۔ وہ کہتی ہیں:

اَرُوْنِیْہِ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَیْہِ

مجھے معلوم ہے، تم سچ بولتے ہو، تم سچے محبوب ﷺ کے سچے غلام ہو، تمہاری زبان سے سچ نکلتا ہے، مگر آج مجھے کچھ تکلیف پہنچی ہے، میں نے ایک افسوسناک خبر سنی ہے۔

اَرُوْنِیْہِ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَیْہِ

مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اپنی آنکھوں سے ان کی زیارت نہ کرلوں۔

لہٰذا مجھے وہاں لے چلو، جہاں سرکار ﷺ تشریف فرما ہیں وہ جس کا والد بھی شہید ہو گیا ہے، جس کا بھائی بھی شہید ہو گیا ہے، جس کا خاوند بھی شہید ہو گیا۔ سرکار ﷺ کی خبر کیلئے آگے بڑھ رہی ہیں۔ جس وقت سرکار ﷺ کا رخ زیبا دیکھتی ہیں، جس وقت آسمان نبوت کے چمکتے ہوئے آفتاب کو دیکھتی ہیں، جس وقت گلستان رسالت کے مہکتے ہوئے پھول کو دیکھتی ہیں، تو زبان سے نکلتا ہے:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ

(شفاء شریف، دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/۳۰۲، سیرۃ ابن ہشام ۲/۹۹، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۳/۴۷)

اے محبوب ﷺ اگر آپ ٹھیک ہیں تو دنیا کا کوئی غم مجھے نڈھال نہیں کر سکتا۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ہوتے ہوئے ہر غم و مصیبت ہیچ ہے۔

ٹھیک ہے، باپ شہید ہوا، بھائی شہید ہوا، خاوند شہید ہوا، مگر میری زندگی کی بہار میں باپ سے نہیں سمجھتی۔

میری زندگی کی بہار کا ضامن میرا بھائی نہیں ہے۔

میری زندگی کی بہار کا ضامن میرا خاوند نہیں ہے۔

اے ماہ طیبہ ﷺ جب ہم نے تمہارا کلمہ پڑھا ہے، ہماری ساری بہاریں تمہارے نام سے وابستہ ہیں۔

تمہارے دم سے ہے آباد میرا گلشن ہستی
جو تم ہو تو خزاؤں کا کوئی خطرہ نہیں مجھ کو

یہ محبت سچی محبت ہے، اس میں ہمارے لئے سبق ہے۔ آج جس وقت ہمارے معاشرے میں، ماحول میں، محبتوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے، ایک طرف محبت رسول علیہ السلام ہوتی ہے۔

دوسری طرف کسی رشتہ دار کی محبت ہوتی ہے۔
ایک طرف سرکار ﷺ کی سنت کی محبت ہوتی ہے۔
دوسری طرف کسی فلمی سٹار کی محبت ہوتی ہے۔
ایک طرف گنبد خضریٰ کی روشنی کا چاند ہوتا ہے۔
دوسری طرف امریکہ کے وائٹ ہاؤس کا منظر ہوتا ہے۔

یہ محبتوں کا جب تقابل ہوتا ہے تو یہی محبت کا امتحان ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دوسری ساری ناجائز محبتوں کو قدموں تلے روند ڈالیں اور سرکار ﷺ کی محبت کا جھنڈا بلند کریں۔

دیکھئے سید عالم ﷺ کے عظیم صحابہ قدم قدم پہ ہمیں یہ سبق دیتے جارہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اظہار محبت

سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے عمر! اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنی ہر چیز سے مجھے محبوب نہیں سمجھتا۔

بڑی مشہور حدیث ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

(بخاری شریف، کتاب الایمان والنذور، مسلم شریف کتاب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الایمان، فصل اول)

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جس وقت تک وہ اپنے والدین، عزیز و اقارب اور ہر چیز سے مجھے محبوب نہیں سمجھتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیونکہ بڑے صاف گو آدمی تھے، کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي

یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر شئے سے پیارے ہیں، سارے رشتہ داروں سے پیارے ہیں، سارے بیٹوں سے پیارے ہیں، والدین سے پیارے ہیں، کائنات کی ہر چیز سے پیارے ہیں۔ مگر میری جان سے آپ ﷺ مجھے پیارے نہیں ہیں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ

جب انہوں نے یہ کہا تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان کی حلاوت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اپنی جان سے بھی مجھے محبوب نہیں سمجھتا۔

اسی لمحہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعرہ لگایا:

وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي

اس خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآنَ يَا عُمَرُ

سرکار ﷺ نے فرمایا: اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔

﴿حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ محبت﴾

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں کھڑے ہیں اور اس انداز میں کھڑے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب لوگوں سے پوچھا:

من اَشْجَعُ النَّاس

سب لوگوں میں سے اشجع کون ہے؟

اشجع اسم تفضیل کا صیغہ ہے

ایک ہے شجاع اور ایک ہے اَشْجَعُ

سب لوگوں میں سے، سارے صحابہ میں سے، سب سے بڑا بہادر، نڈر، مجاہد کون ہے؟ جب آپ نے لوگوں سے پوچھا تو آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا:

اَنْتَ اے علی شیر خدا! آپ سب سے زیادہ شجاع ہیں، تو آپ نے فرمایا: نہیں تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں شجاع ہوں اشجع نہیں ہوں۔

اَشْجَعُ النَّاسِ اَبُوْبَکْرٍ (تاریخ الخلفاء، ص۲۹)

سب سے اشجع سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

کس طرح؟ آپ نے دلیل دی۔ آپ نے فرمایا:

بدر کا دن تھا، جب یہ مسئلہ پیش ہوا کہ سرکار ﷺ کے خیمے کی نگرانی کون کرے گا؟

وَاللّٰهِ مَادَنَا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْبَکْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خدا کی قسم! جب یہ اعلان ہوا تو اگر چہ ہم سے ہر ایک ہی آگے بڑھ سکتا تھا، ابھی کوئی بھی آگے نہیں بڑھا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔

سرکار ﷺ کے خیمہ کے پاس ننگی تلوار لے کے پہلے نمبر پر جو کھڑے ہو گئے وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اگر ان میں سے کوئی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ بہادر ہوتا تو پہل کر جاتا۔ سارے سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔

سب کو پتہ تھا کہ جنگ کا سب سے زیادہ زور اس خیمہ پر ہوگا کیونکہ کافروں کی گندی نظریں سرکار ابد قرار ﷺ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

وہ سرکار ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کی فوج مختصر سی ہے۔

سارے ادھر ہی کھڑے رہیں تو دوسری طرف کون لڑے گا؟ لہٰذا ایک آدمی کی

ڈیوٹی لگائی تھی جو سرکار ﷺ کا دفاع کرے، وہ آدمی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

جدھر سے تیر آتا، جو کوئی تلوار سے حملہ کرتا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے تیروں وتلواروں کے وار اپنے بدن پر برداشت کئے اور محبوب علیہ السلام کی طرف ان کو نہیں جانے دیا۔

﴿حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا ایک اور انداز﴾

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیٹا عبدالرحمٰن جو بعد میں مسلمان ہو گیا، وہ بھی مشرکین مکہ کی طرف سے جنگ بدر میں شامل تھا۔

جنگ بدر کے بعد جس وقت وہ مسلمان ہو گئے تو کہنے لگے ابا جان!

بدر کے دن آپ میرے نشانے پر آ گئے تھے اور میں نے جان بوجھ کے تلوار کو روک لیا، جب تلوار کے نشانہ پر آپ کا سر آ گیا تو محبت پدری نے جوش مارا، میرے اعصاب سکڑ گئے۔ میں نے آپ کو باپ سمجھتے ہوئے، اگرچہ آپ میرے مخالف لڑ رہے تھے، اپنی تلوار کو پیچھے روک لیا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب یہ بات سنا رہے تھے تو جیسے ہی ان کی بات ختم ہوئی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کے بیٹھ گئے، چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔

آپ نے فرمایا:

اے عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نے مجھے اس دن باپ سمجھ کے چھوڑ دیا۔

خدا کی قسم! اگر میری تلوار کے نیچے تیرا سر آ جاتا تو میں بیٹا سمجھ کے تجھے معاف نہ کرتا، سرکار ﷺ کا دشمن سمجھ کے تیرا سر تن سے جدا کر دیتا۔

بتوں کی محبت اور ہے، محبوب ﷺ کی محبت اور ہے۔ بتوں کی محبت اور باپ کی محبت کا مقابلہ ہوا تو باپ کی محبت بتوں کی محبت پہ غالب آ گئی۔

آپ نے فرمایا کہ میری جو سرکار ﷺ سے محبت تھی، وہ اتنی قوی تھی کہ اگر تو میری تلوار کے نیچے آجاتا تو ہرگز بچ کے نہ جاتا۔ میں یہ ہرگز نہ دیکھتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ یہ سمجھتا کہ تو میرے محبوب ﷺ کا دشمن ہے، اس لئے میرا بھی دشمن ہے۔

محبت رسول ﷺ کا نرالا انداز

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کی والدہ نے بھوک ہڑتال کر دی اور کہا: اے سعد! جب تک تم واپس نہیں آؤ گے اس وقت تک میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے بات سنی مگر اس پر غور نہ کیا لیکن آپ کی والدہ اپنی بات پہ پکی ہو گئیں۔ اس نے کھانا پینا بند کر دیا۔ ایک دن گزرا، دو دن گزرے، بالآخر نہ کھانے کی وجہ سے آپ کی والدہ بے ہوش ہو گئیں۔ جب آپ کی والدہ بے ہوش ہوئیں تو آپ کے چھوٹے بھائی نے اس کے منہ میں پانی ڈالا اس کو ہوش آیا تو اس نے کہا: سعد! تم نے مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ ان کی والدہ نے کہا:

اَنَّ اللّٰهَ وَصَّاكَ بِوَالِدَيْكَ

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فِي فَضْلِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے۔

تو نے میرا کیا حال کر دیا ہے!

اب بھی واپس آجاؤ، اگر واپس نہ آئے، ابھی تو میں بے ہوش ہوئی تھی، چند لمحوں کے بعد مر جاؤں گی، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری ماں کی زندگی برقرار رہے تو تمہیں اس محبوب کا در چھوڑ کے واپس آنا پڑے گا۔

آپ کی والدہ نے تو یہ کہا، لیکن قربان جاؤں میں صحابہ کی محبت پر، صحابہ کے عشق

رسول ﷺ پر، جواب کا انداز دیکھیں۔

آپ نے فرمایا: اے میری امی! آپ مجھے ایک بار مرنے کی دھمکی دے رہی ہیں کہ اگر میں واپس نہیں آؤں گا تو مر جاؤں گی۔ آپ نے فرمایا

لَوْ کَانَتْ لَكِ اَلْفُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَاتَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا بِشَيْءٍ

میری ماں! اگر تیری ہزار جان ہوں اور ہر جان کے نکلنے پر مجھے یہ وارننگ دے کر کہے کہ سعد واپس آ۔

تو میری والدہ سن لے کہ تیرا ہزار بار مرنا قبول کر لوں گا لیکن محبوب کے در سے واپس نہیں آؤں گا۔

اے والدہ! آپ کی تو ایک جان ہے اور اس کی آپ مجھے دھمکی دے رہی ہیں کہ میں مر جاؤں گی، میں مر جاؤں گی۔ ایک جان کی دھمکی دیتی ہیں، اگر ہزار جانیں بھی ہوں تو پھر بھی ہزار بار تیرا مرنا مجھ پہ گراں نہیں گزرے گا، مگر محبوب علیہ السلام کے در سے واپس نہیں آ سکتا۔

سبوئے جاں میں چھلکتی ہے کیمیا کی طرح
اور کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰ ﷺ کی طرح

سید عالم ﷺ کی محبت جب دل میں جلوہ گر ہو جاتی ہے تو یہ دوسری ساری محبتوں کو کچل ڈالتی ہے، روند ڈالتی ہے۔ یہ محبت جب جلوہ گر ہو جائے تو پھر کسی دوسری محبت کو خاطر میں نہیں لاتی۔

محبت کا اجر

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان احد میں زخمی پڑے ہیں اور سرکار

ابدِ قرار ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ پتہ کر کے آؤ کہ سعد کا حال کیا ہے؟

فَاقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَجِدُكَ؟

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے تو آپ آخری سانس لے رہے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تیروں اور تلواروں کے ستر زخم ان کے جسم پر تھے۔

جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ اے سعد! تمہارا حال کیا ہے؟

قَالَ سَعْدٌ قُلْ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَجِدُ رِيْحَ الْجَنَّةِ

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

میرے محبوب علیہ السلام کو جا کے میرا سلام دینا اور انہیں کہنا:

اب تو میں جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔

مجھے احد میں جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔

اے محبوب علیہ السلام! میری طرف سے تمہیں سلام ہو۔

یہ کہتے ہوئے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیامت تک کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے یہ پیغام دیا۔

اے حضرت زید! میری طرف سے اپنی قوم کو، دوسرے صحابہ کرام کو بھی سلام دینا اور انہیں ایک بات کہنا، وہ کیا بات تھی؟

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو رہے ہیں، دنیا سے جا رہے ہیں، اس وقت بات کرنا تو در کنار، کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا، اور پھر کسی مقصد کی بات کرنا، کسی مشن کی بات کرنا، یہ تو بڑی دور کی بات ہوتی ہے۔ قربان جایئے، اس بارگاہ کے

جو عاشق ہیں، دیوانے ہیں، موت انہیں کیا کہتی ہے؟ اتنے زخموں سے چور چور ہیں مگر پھر بھی محبت کا قبلہ تبدیل نہیں ہوا۔ یہ نہیں کہا کہ میں اس محبت میں مارا گیا ہوں، اوروں کو کیا کہوں، بلکہ آپ نے فرمایا: میرے دوستوں کو جا کے یہ کہنا:

لَا عُذْرَ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ يَّخْلُصَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْكَ عَيْنٌ تَطْرُفُ

(المستدرک ۳/۲۰۱)

سارے صحابہ کو کہہ دو، قیامت تک کے مسلمانوں کو میری بات پہنچا دو، میں موت کی طرف جا رہا ہوں، موت کی وادی میں جاتا ہوں، تمہیں یہ پیغام دے رہا ہوں،

قیامت کے دن تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا

اگر تمہارے ہوتے ہوئے کوئی سرکار ﷺ کی توہین کر جائے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، جلد ۳، ص ۴۹، الموطا الامام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد)

ایک آنکھ بھی تم میں کھلی باقی ہو اور کوئی سرکار ﷺ کو تکلیف پہنچا جائے تو یہ اتنا بڑا جرم ہوگا کہ جس جرم کا کوئی عذر قیامت میں قبول نہیں ہوگا۔ لہٰذا صحابہ کرام، تابعین عظام اور قیامت تک کے مسلمانوں سے کہنا کہ سرکار ابد قرار حبیب کردگار ﷺ کی محبت میں زندہ رہو، اس طرح زندہ رہو کہ جو سرکار کے مخالفین ہیں، ہر دور کے یہود و نصاریٰ اور جو ان کے حواری ہیں، انہیں پہ چلے کہ مسلمانوں کی محبت کا محور آج بھی آباد ہے، لہٰذا کوئی عذر اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا اگر کسی ایک مسلمان کے زندہ ہوتے ہوئے کوئی شخص سرکار ﷺ کو تکلیف دے گیا۔

صحابہ کا عشق اور محبت کتنی ہے اور اس کے دلائل کتنے ہیں، ان کو اس مختصر وقت میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

﴿صحابہ کا جذبہ شہادت﴾

جس وقت شام کی طرف لشکر مدینہ سے جا رہا تھا۔ سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ

ان کو الوداع کرنے کیلئے خود باہر نکلے، شام کی طرف لشکر روانہ ہو رہا تھا، اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ جیسے کمانڈر لشکر کے ساتھ تھے، جس وقت ثنیۃ الوداع کے پاس لشکر پہنچا اور ساری جماعت سرکار کے صحابہ کی ساتھ ہے۔ سرکار خود مجاہدوں کو رخصت کر رہے ہیں۔ جاؤ تم میرے دین کی بلندی کیلئے، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کیلئے، جا کے جہاد کرو۔ جب انہیں رخصت کرنے لگے تو جو مجمع انہیں رِخصت کرنے آیا تھا، ان سب نے مل کر ایک نعرہ لگایا۔ انہوں نے کہا:

جاؤ! خدا تمہیں سلامتی سے واپس لائے۔

جب یہ دعا ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبات جوش میں آ گئے۔ دیکھو! کس حد تک انہوں نے موت سے پیار کر لیا تھا اور کس حد تک ان کو محبت کی چاشنی نصیب ہو گئی تھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے میں آ گئے اور کہا کہ تم یہ کہتے ہو کہ ہم لوٹ کے واپس آ جائیں، ٹھیک ہے تم یہ دعا کرو مگر غور سے سنو کہ میں آج کون سی دعا کر رہا ہوں۔

آپ بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ فوراً آپ نے تین شعر پڑھے جن کا مفہوم یوں ہے: پہلے نمبر پر تو میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں۔

اور دوسرے نمبر پر میں خدا سے اپنے بدن پر ایسی ضرب مانگتا ہوں جو میرے خون میں جاگ پیدا کر دے۔

اللہ اور سرکار ﷺ کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے ایسی ضرب لگے، وہ ضرب اتنی سخت ہو کہ اس ضرب کی وجہ سے میرا خون اتنا بہہ نکلے کہ بہتے بہتے اس خون کے چشمے پر جھاگ پیدا ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ مجھے حرانی قبیلہ کے کسی شخص کا ایسا نیزہ لگے جو میری آنتوں اور کلیجے سے پار گزر جائے۔

اس منظر سے گزرتا ہوا جب میں شہید ہو جاؤں اور میری قبر بن جائے تو قیامت تک جو لوگ میری قبر سے گزریں تو وہ کہیں:

یہ وہ لوگ ہیں جو محبوب ﷺ سے پیار کرتے ہیں۔

ان کی محبت ایسی ہے کہ اپنے محبّ کے مشن کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ اس مقصد اور مشن کیلئے جان کو دینا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم ﷺ کی محبت کا یہ پیغام صحابہ نے ہر طرف پہنچایا اور اپنے خون سے اس پیغام کو لکھا، اپنے خون سے اس پیغام کو عبارت کیا اور اس پیغام سے آگے ہمیشہ کیلئے درس چھوڑ گئے۔

دین محمدی اور اس کے تقاضے

سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ کرام کی یہ محبت آج ہم سے پوچھتی ہے، ہمیں درس دیتی ہے کہ وہ دین جس کیلئے اتنا خون بہا، جس دین کیلئے طائف کے بازاروں میں سرکار نے پتھر کھائے، وہ مقدس دین جس کیلئے سرکار ﷺ کا مقدس خون سرکار کی جبین سے نکل کے قدموں تک پہنچا، آج وہ دین کس حال میں ہے؟

آج ہم اس دین کیلئے کیا کر رہے ہیں؟ آج اس دین کیلئے ہمارا کیا کردار ہے؟ ارے یہ اتنا پیارا دین جس کیلئے سرکار نے اپنا مقدس خون پیش کیا، آج ہم اس کیلئے تھوڑا سا وقت بھی دینے کیلئے تیار نہیں۔

یہ سرکار ﷺ کے دین سے محبت کیسی محبت ہوگی؟ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَاَ غَرِیْباً

(صحیح مسلم کتاب الایمانباب بیَانِ اَنَّ الْاِسْلَامَ بَدَاَ غَرِیبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیبًا وَاَنَّهٗ یَاْرِزُ بَیْنَ الْمَسْجِدَیْنِ)

میرا اسلام جب چلا تھا تو اجنبی تھا، پردیسی تھا، کوئی اس کو گھر نہیں رکھتا تھا، کیونکہ جو گھر میں رکھتا تھا اس پر مصیبتیں برستی تھیں، اس کو آگ وآہن کا سمندر پار کرنا پڑتے تھے۔ میرا دین جب چلا تھا تو بڑی مشقتیں تھیں۔ تپتی ریت پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا لٹا کے تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لوگوں کو ستایا جاتا تھا۔

میرا دین چلا تھا تو غریب تھا، اجنبی تھا، اس کا ساتھ دینا مشکل تھا۔ جب نکلا تو بڑی شان سے نکلا، میں اس کو لے کے نکلا، میں نچوڑ اپنا خون دیا، میرے صحابہ نے دیا، ہم نے کائنات کے کونے کونے تک روانہ کیا، مگر مجھے افسوس ہے۔

وَسَیَعُوْدُ غَرِیْباً

(صحیح مسلم کتاب الایمانباب بیَانِ اَنَّ الْاِسْلَامَ بَدَاَ غَرِیبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیبًا وَاَنَّهٗ یَاْرِزُ بَیْنَ الْمَسْجِدَیْنِ)

پھر یہ غریب ہو جائے گا۔

غریب عربی زبان میں اجنبی کو کہتے ہیں، پردیسی کو کہتے ہیں، بے وطن کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو دین کو وطن والا بنایا، پوری کائنات میرے دین کا وطن ہے، میں نے بڑی شان سے روانہ کیا، مگر جب دین مختلف طبقوں میں پہنچا، اہل دین نے اس دین سے اچھا سلوک نہ کیا۔

اب دیکھو! پردیسی ہونے کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج (الا ماشاء اللہ) ہمارے گھر اسلام کی برکت سے خالی ہیں کیونکہ ہمارے گھر، ہمارے بدن، ہمارے پیکر، ہمارے وجود، ہمارے کاروبار، سارے کے سارے اسلام کی روشنی میں نہیں۔

اسلام کوئی مفروضہ تو نہیں، اسلام کوئی (Show Piece) شوپیس تو نہیں کہ جسے مسجد کی الماری میں رکھ دیا جائے۔

سرکار ﷺ نے قرآن صرف قسمیں اٹھانے کیلئے، تعویذ کرنے کیلئے نہیں دیا تھا۔ جس قرآن کی نگرانی کیلئے سرکار نے پتھر کھائے تھے، وہ قرآن تو کائنات میں حکومت کرنے آیا ہے، وہ کائنات میں بدنوں پر حکومت کرنے آیا ہے، دماغوں پر حکومت کرنے آیا ہے، دلوں پر حکومت کرنے آیا ہے۔

جس اسلام کو اللہ نے محلے محلے قریہ قریہ، وطن وطن اور پوری کائنات پر حکومت کرنے کیلئے بھیجا تھا، آج اس کو محبوس کر دیا گیا۔

سرکار ﷺ کی محبت ہمیں یہ دعوت فکر دے رہی ہے کہ یہ (Practical) عملی دین ہے۔

کبھی بھی یہ دین ناکام نہیں ہوگا، قیامت تک کے ہر مسئلے کا جواب دینے والا ہے۔ لہٰذا غیروں کی طرف دیکھنے کی بجائے، اس دین کی طرف دیکھو، جس دین پر اللہ نے حق کا تاج رکھا ہے۔

صحابہ کی محبت کے یہ سارے واقعات، ان کے علاوہ بھی بے شمار ایسی مثالیں ہیں، مگر اس محفل والوں کیلئے دعوت فکر یہ ہے کہ کیا ہم اس جرم میں ملوث تو نہیں کہ ہم نے بھی دین کو پردیسی بنایا ہوا ہے۔

ہمارے گھر کا ماحول اسلام کو ایک رات بھی گھر میں رہنے نہیں دیتا۔ جتنی آج بے حیائی ہے، فحاشی ہے، جتنی اسلام کی خلاف ورزی ہے، اسلام کی طبیعت ہی نہیں مانتی کہ ایسے گھر میں ٹھہرے۔ اسلام گلی گلی میں تلاش کر رہا ہے کہ مجھے ایک رات گھر میں کون رکھے گا، کوئی بھی تیار نہ ہو، اسی کو تو پردیسی کہتے ہیں، اسے کو اجنبی کہتے ہیں۔

اجنبی کس نے بنایا؟

اس میں کچھ ہمارا بھی قصور ہے۔

لہٰذا سرکار ﷺ کی محبت کے یہ ترانے اور محافل دعوت فکر دے رہی ہیں کہ وہ دین جس کیلئے اتنا خون پیش کیا گیا، اتنی قربانیاں پیش کی گئیں، آج ہمارے لئے تو بڑی آسانی ہے کہ ہم نے تو اسے صرف گھر میں جگہ دینی ہے، دل کی محراب میں اسے بٹھانا ہے، دماغ میں اسے جگہ دینی ہے، اپنے گھر میں اس کو نافذ کرنا ہے۔ پورے ملک اور دنیا پر اس کو نافذ کرنا ہے۔ ٹھیک ہے یہ ہمارے اکیلے کے بس کی بات نہیں، مگر اپنے بدن پر تو نافذ کر سکتے ہیں، اسے اپنے گھر میں تو نافذ کر سکتے ہیں، جب گھر میں نافذ کریں گے تو اسلام ہمارے گھر میں رہے گا۔ کم از کم ہماری طرف سے تو پردیسی نہیں بنے گا۔ لہٰذا اس کو پردیسی بنانے کے جرم میں ہم تو شریک نہیں ہوں گے۔ سرکار نے فرمایا:

فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ

جب ہر طرف سے لوگ میرے اسلام سے مخالفت کرنا شروع کر دیں گے، تو اس دور میں بھی جو اسلام کو سینے سے لگائے گا، میں آج اس کو مبارک دیتا ہوں۔

فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ

جب اسلام اجنبی ہو گا تو اسلام کو صحیح ماننے والے لوگ جو ہیں، ویسے تو نام ہم سب لے رہے ہیں، وہ بھی اجنبی ہو جائیں گے۔ داڑھی والوں کو کہیں گے کہ یہ چہرے پر داڑھی سجانا تو پرانی تہذیب کی بات ہے۔ یہ پگڑی، یہ ماحول، یہ تو قدامت پرستوں کا طریقہ ہے، یہ تو فلاں کا طریقہ ہے۔

سرکار ﷺ نے فرمایا: اجنبی اس لئے ہو جائے گا کہ دین کو ماننے والے جو لوگ ہیں ان کو دوسرے لوگ طعنے دیں گے۔

ان کو اپنے ماحول کا فرد نہیں سمجھیں گے، ان کو کوئی اور مخلوق سمجھیں گے۔

سرکار ﷺ فرماتے ہیں:

ساری دنیا تمہیں گالی دیتی رہے، مگر میں آج بھی تمہیں مبارکباد دے رہا ہوں۔

فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ

کبھی بھی کسی کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہونا کہ تمہیں فلاں کہہ رہا ہے کہ تم قدامت پرست ہو، رجعت پسند ہو، بنیاد پرست ہو، تم یہ ہو، تم وہ ہو۔

ہزار بار کہتے رہیں پھر بھی ہمیں کسی کے پروپیگنڈے کی چنگاریوں کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ جب محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہیں میری طرف سے مبارک ہو۔

سرکار ﷺ کی ایک مبارک ہماری پوری زندگی کیلئے کافی ہے۔ لہٰذا اس مشن اور اس نظریہ سے دین اسلام کے ساتھ محبت کا اظہار کرو، اسے سمجھنے کیلئے وقت نکالو، اسے سمجھو، اسے سمجھاؤ، اپنے عقائد کو محفوظ رکھو، اور موجودہ دور میں اسلام پر جو خارجی اور داخلی حملے ہو رہے ہیں ان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کے اپنے عقیدے کو مضبوطی سے تھامے رہو۔

اپنے عقیدے کا چہرہ بالکل صاف ہو، اس پر تنقید کا کوئی دھبہ نہ ہو، اعتراض کا کوئی نشان نہ ہو، اس عقیدے پر کوئی غبار نہ ہو، سچا سچا عقیدہ لے کر جب سرکار ﷺ کی بزم میں پہنچیں گے تو سرکار یقیناً ہمیں اپنے سایۂ رحمت میں لے لیں گے۔

بڑے طوفان اٹھے، لوگوں کی سوچ کے زاویے بدلتے رہے، ارے لوگ مختلف چراگاہوں میں جا کے چرتے رہے۔ انہوں نے کئی فکری گھاٹ بنا لئے، کوئی کہیں پینے چلا جاتا ہے تو کوئی کہیں، کوئی یہودیوں کے ساتھ تھا تو کوئی عیسائیوں کے ساتھ تھا، کوئی کسی گستاخ کے ساتھ تھا تو کوئی کسی طرف تھا۔

سرکار ﷺ فرمائیں کہ اے میرے غلام تو نے حق ادا کر دیا، لوگ اپنی اپنی منزلیں

بنا چکے تھے لیکن تیری راہ پھر بھی مدینہ شریف کی طرف رہی۔

جو دربدر بھٹکتے ہیں دوا کیلئے
انہیں کہو مدینے چلیں شفا کیلئے
خدا نے دنیا میں بھیجا ہے اس لئے ہم کو
کہ زیست وقف ہو نام مصطفیٰ ﷺ کیلئے

محبت رسول ﷺ کا تقاضہ

سید عالم ﷺ کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب وہ ہماری جان سے بھی ہمیں محبوب ہیں تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ ایک چیز سرکار ﷺ پسند کریں اور ہم اسے ناپسند کریں، ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟

سرکار ﷺ نے ایک چیز کو ہمارے لئے پسند کیا ہو، اور ہم کہیں کہ اس سے زیادہ یہ فلاں چیز ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے، اس سے بڑی بیوفائی کیا ہو گی!

اللہ نے اس دین کو ہمارے لئے پسند کیا

سرکار ﷺ نے اس دین کو ہمارے لئے پسند کیا

اگر آج ہم غیروں کے اندھیرے دیکھتے رہے، جنہیں نئی روشنی کہا جاتا ہے، گنبد خضریٰ کی حسین روشنی کی طرف نہ دیکھیں تو بہت بڑا ظلم ہو گا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ وہ حسین روشنی جو کعبۃ اللہ سے اٹھ رہی ہے، گنبد خضریٰ سے اٹھ رہی ہے، اسی روشنی میں ہماری ہر مشکل کا جواب ہے، اس روشنی میں ہمارے ہر مسئلے کا حل ہے، اور وہ ہی روشنی آج بھی ہمارے دلوں کی روشنی ہے اور کل ہماری قبر کی روشنی بھی ہے۔

لہٰذا صحیح عقیدہ کے ساتھ اور پکے یقین کے ساتھ محبت کے یہ چراغ جلاؤ اور اس

انداز میں رہو کہ

ہم ایک مستقل دین والے ہیں

ہم ایک عقیدے والے ہیں

ہم ایک ملت والے ہیں

ہمیں بہروپیوں کی کیا ضرورت ہے؟

ہمیں ان لوگوں کی کیا ضرورت ہے جن کی روشنی مصنوعی ہے، جن کی روشنی چند دن کی ہے، جن کی روشنی غروب ہو جانے والی ہے۔

دل کو سرکار ﷺ کی روشنی چاہئے، دوسری روشنیاں سب وقتی اور عارضی روشنیاں ہیں۔ لہٰذا عملی طور پر جب ہم سے کوئی پوچھے تو ہم یہ ضرور کہیں گے۔

ہم سرکار ﷺ کی سنت پر، سرکار ﷺ کی پسند پر، اپنی پسند کو ترجیح نہیں دیں گے، مگر عملاً ہم نے فوقیت دے رکھی ہے۔ اس کا کیا حل ہے؟

جب ایک طریقہ سرکار ﷺ نے تجارت کا ہم کو بتایا اور دوسرا طریقہ شیطان کا ہے، ہم نے شیطان والا رکھا، سرکار ﷺ والا چھوڑ دیا۔ ایک طریقہ مضاربت کا سرکار ﷺ نے دیا اور دوسرا دنیا کے بعض فلاسفروں نے دیا، ہم نے سرکار ﷺ کا چھوڑ دیا، ان کا اپنا لیا۔

ایک زندگی کا طریقہ سرکار نے دیا، اور دوسرا کچھ منحوس دماغوں نے دیا، ہم نے منحوس دماغ کی نجاست والی سوچ والے نظام کو مان لیا اور سرکار ﷺ کے نظام کو چھوڑ دیا۔ یہ عملاً ہم نے بغاوت کی ہے، عملاً ہم سے یہ کوتاہی ہوئی ہے، لہٰذا ہم اپنے لباس میں، اپنے کردار میں، اپنی گفتار میں، اپنے پورے پیکر میں، اپنے پورے وجود کے لحاظ سے اپنے پورے ماحول میں، اپنی ساری تعلیمات میں، ہم یہ پہلے دیکھیں کہ اس راہ

میں سید عالم ﷺ نے کون سا چراغ روشن کیا تھا، جو چراغ سرکار ﷺ کا ہے ہمیں اس چراغ کی روشنی میں چلنا چاہیے۔

دوسری طرف کوئی بھی روشنی ہو، وہ روشنی نہیں بڑا اندھیرا ہے۔

کیوں؟

کیونکہ وہ قبر کا اندھیرا ہے۔

گفتگو سمیٹتا ہوا آخری گزارش آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

﴿کامیاب زندگی﴾

سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جنت کے اردگرد بڑی مشکل کاموں کی باڑیں ہیں، بڑے کانٹے ہیں، اور جہنم کے اردگرد شہوتوں کے باغیچے ہیں۔

کہیں جنت کے اردگرد جہاد کی کوئی باڑ آجاتی ہے۔

کہیں روزے کی ہے، کہیں نماز کی ہے۔

کہیں راتوں کو قیام کی ہے، کہیں زکوٰۃ دینے کی ہے۔

کہیں حج کرنے کی ہے۔

بڑے بڑے مشکل کام ہیں اور

بڑی بڑی سخت تکلیفیں ہیں۔

یہ ساری باڑیں جنت کے اردگرد ہیں۔

انسان ان سے گزر رہا ہے، اور کڑوے گھونٹ بھر رہا ہے، زندگی کا سفر طے کر رہا ہے، مگر سرکار ﷺ فرماتے ہیں، کوئی بات نہیں، اگلا قدم جنت میں ہوگا۔

پابندی کے ساتھ اپنی زندگی کے یہ چند روز گزارنا کوئی مشکل نہیں، یہ چند روز گزر

جائیں گے مگر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

فرمایا: یہ جنت کے اردگرد مشکل کاموں کی باڑھیں لگی ہوئی ہیں، ان کو کراس کرنے کے بعد اگلا قدم یقیناً آرام وسکون سے آجائے گا۔

دوسری طرف فرمایا:

جہنم کے اردگرد

شہوتوں کے کھیت ہیں،

شہوتوں کے باغیچے ہیں،

جن میں تم بڑے خوش ہو، عیش کر رہے ہو، یہ باغیچہ جو جہنم کے اردگرد ہے، یہ تجھے بڑا مسرور کر رہا ہے، بڑی سیر وتفریح ہو رہی ہے، اور اس کے اندر تم بڑی لذت محسوس کر رہے ہو۔

مگر یاد رکھو، اگلا قدم اٹھے گا تو جہنم کے انگاروں میں ہوگا۔

اگلے قدم کو دیکھو

یہ چند لمحوں کی رونق

یہ چند گھڑیوں کا عیش

یہ چند گھڑیوں کا سرور

یہ تو جہنم کے اردگرد شہوتوں کی باڑ لگی ہوئی ہے، انسانی خواہش ہے، انسانی خواہشات کے باغیچے لگے ہوئے ہیں۔

ان سے بچو کہ اگلا قدم جہنم میں جائے گا، جہنم کی آگ میں اتنی گرمی ہے، اتنی شدت ہے، لہٰذا اس راہ کے اندر چلتے ہوئے، زندگی کا سفر طے کرتے ہوئے، سرکار کے حکم کو مانتے ہوئے، آسانیاں مت تلاش کرو، سرکار ﷺ نے پہلے جو کچھ دیا ہے،

سوچ سمجھ کے بڑا آسان دیا ہے، لہٰذا اس طرح چلو کہ جو بھی اس راستے میں مشقت آئے اسے محبوب علیہ السلام کی طرف سے محبت کا پیغام سمجھتے ہوئے ہم برداشت کریں گے۔ زندگی کے چند روز گزر جائیں گے، انشاء اللہ جب سرکار ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو سرکار ﷺ کے سامنے ہمیں شرمندگی نہیں ہوگی، ہمارا سر فخر سے بلند ہوگا۔

﴿درس محبت﴾

سید عالم ﷺ نے اس تقریر میں آخری پیغام ان غلاموں کے نام دیا جو بعد میں آنے والے تھے۔ صحابہ کے نام نہیں، سرکار ﷺ کے صحابہ بڑے عظیم ہیں، میں نے ابھی مختصراً ان کی محبت کی داستان تو سنائی ہے، اس کے بعد کا جذبہ وہ مستقل علیحدہ موضوع ہے مگر یہ کہ صحابہ کے رتبہ کو کوئی بھی ہم میں سے نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی کروڑوں سال بھی عبادت کرلے مگر صحابی نہیں بن سکتا۔ کوئی بھی بعد والے لوگوں میں سے آگے نہیں بڑھ سکتا، مگر ایک دعا سرکار ﷺ نے بعد والوں کیلئے فرمائی۔ کون سی دعا تھی؟

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

سید عالم ﷺ نے محبت کا درس کس طرح دیا؟ فرمایا:

مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ

سب لوگوں میں سے، میری پوری امت میں سے وہ میرے بڑے پکے دیوانے ہیں، بڑے پکے محبّ ہیں، کون؟ فرمایا:

یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ

جو میرے بعد ہوں گے۔

(مسلم کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا بَاب فِیْمَنْ یَوَدُّ رُؤْیَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ)
(مشکوٰۃ کتاب الفتن، ثواب ھذہ الامۃ)

جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔

جنہوں نے دیکھا ہے ان کی مثال کوئی نہیں۔

فرمایا: انہوں نے تو مجھے دیکھا، جن بے چاروں نے دیکھا نہیں ہے، پھر بھی تڑپتے رہتے ہیں، ان کی محبت بڑی پکی محبت ہے۔

یَکُوْنُوْنَ بَعْدِی

فرمایا: وہ میرے بعد ہوں گے۔

انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔

زندگی بھر حسرتیں کرتے رہتے ہیں،

تصور کرتے رہتے ہیں۔

ہمیشہ میری محبت میں جیتے ہیں

میری نعتیں پڑھتے ہیں

میرے تصور میں زندگی گزارتے ہیں

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ان کی علامت کیا ہے؟

ان کی علامت سے ظاہر ہے کہ یقیناً وہ سنی ہیں۔

یہی علامت ہر ایک کے دل میں ہوگی۔

سرکار ﷺ نے فرمایا میرے ان محبوں کی علامت یہ ہے۔

یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْرَآنِیْ بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ

(مسلم کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا باب فِیْمَنْ یَوَدُّ رُؤْیَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِأَھْلِہٖ وَمَالِہٖ)

(مشکوٰۃ کتاب الفتن، ثواب ھذہ الامۃ)

ان میں سے ہر ایک کی علامت یہ ہے کہ ہر ایک ان کا یہ چاہے گا کہ میرا مال بھی مجھ سے لے لو، میرا اہل بھی مجھ سے لے لو، ایک بار اس کے بدلے میں محبوب کا دیدار ہو جائے۔

فرمایا: جو بھی میرا محب بعد میں آنے والا ہے، وہ یہ اندازہ رکھتا ہے۔

کاش کے وہ مجھے دیکھے کسی چیز کے بدلے میں

بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ

سارا مال اس سے کوئی لے لے اور اہل لے لے

بچے لے لے، سب کچھ قربان ہو جائے اور اس کے بدلے میں میرے دیدار کی ایک جھلک حاصل ہو جائے۔ سرکار ﷺ فرماتے ہیں جس کی محبت ایسی محبت ہے، جس کا عشق ایسا عشق ہے، وہ میرے دور کو نہیں پا سکا مگر پھر بھی کائنات کا عظیم انسان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھنے کی ہر وقت تمنا رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں حضور نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم ﷺ سے سچی محبت و عقیدت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

باب نمبر
4
میرے لئے
اللہ کافی ہے
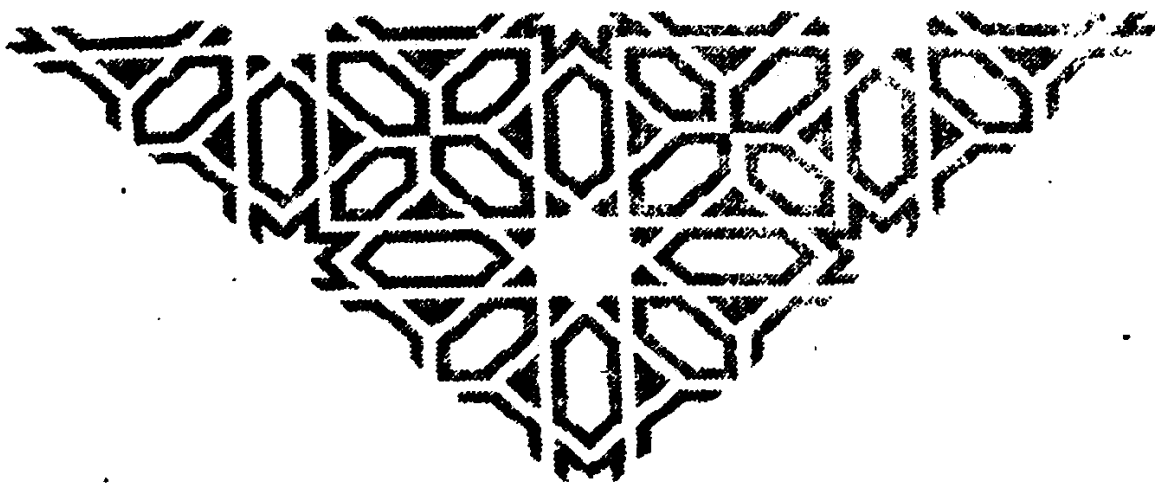
میرے لئے اللہ کافی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَ يَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔ (پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت نمبر ۲۵ تا ۲۸)

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ يا مُجِيْبَ كُلِّ سَائِلٍ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُوَ اَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذَوِى الْفَضَائِلِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (پارہ 11، سورہ توبہ، آیت 129)

صَدَقَ اللّٰه الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥

(پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ
یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمٖ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
سالارِ کارواں ہے امیر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

میں کہتا ہوں

اسلام کی صداقت خطبوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا زور بیاں ہمارا
محبوبِ دو جہاں سے رشتہ ہے اصل ایماں
اس نام سے ہے روشن اب تک جہاں ہمارا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا
اس نعرۂ رسالت سے کب تک انہیں ہے جلنا
یہ تو حشر میں بھی ہو گا قومی نشاں ہمارا

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ واتم برہانہٗ واعظم شانہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخر موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سرواں، حامیٔ بیکساں، قائد المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واصحابہٖ وبارک وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد:

زینت مسندِ صدارت، پیرِ طریقت، مناظرِ اسلام حضرت پیر سید مراتب علی شاہ صاحب حفظہٗ اللہ تعالیٰ۔

وارثانِ منبر ومحراب، اربابِ فکر ودانش، اصحاب محبت ومؤدت، حاملین عقیدۂ اہلسنت، نہایت ہی معزز ومحتشم حضرات وخواتین!

ربِ ذوالجلال کے فضل اور توفیق سے گوجرانوالہ کی سرزمین پر بھٹی میرج ہال میں ادارہ صراط مستقیم پاکستان کے زیر اہتمام چودھویں سالانہ فہم دین کورس میں آج ماہِ رمضان المبارک کے جہنم سے آزادی والے عشرے میں ہمیں اس عظیم الشان اجتماع میں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے:

''میرے لئے اللہ کافی ہے''

میری دُعا ہے خالق کائنات جل جلالہٗ ہم سب کو قرآن وسنت کا فہم عطا فرمائے اور قرآن وسنت کے ابلاغ وتبلیغ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ربِ ذوالجلال ان پُر کیف لمحات میں جتنے حضرات وخواتین نے یہاں شرکت کی انہیں اور جتنے حضرات وخواتین بذریعہ انٹرنیٹ اس پروگرام میں شریک ہیں، سب کو فردوس کے بالاخانوں میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

آج ہمارا یہ درس نہایت ہی اہم موضوع پر ہو رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمہ جہت اور ہمہ اقسام سامعین اس گفتگو کو سماعت کریں گے۔ سامع کسی بھی سوچ اور فکر کا حامل ہو، میری اس سے اپیل ہے کہ غیر جانبدار ہو کر اس گفتگو کو سنے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُمید ہے اس کو فائدہ ہوگا، رمضان المبارک کی رحمتیں دل کو نرم کر رہی ہیں، رب ذوالجلال کے فضل وکرم کی برسات برس رہی ہے اور ویسے بھی جہنم سے آزادی کا عشرہ ہے۔

انشاء اللہ اُمید ہے اختتام تک بہار آ جائے گی۔

آیات کا پس منظر

رب ذوالجلال اس کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، وہ واجب الوجود ہے، وہ مستحق عبادت ہے، وہ اس کائنات کا مدبر ہے اور وہی اس میں متصرف بالذات ہے۔ اگر اس کا حکم نہ ہو تو کوئی ذات پتہ بھی نہیں ہلا سکتی،

رب ذوالجلال نے اپنے بندوں کو اپنی بعض صفات کا مجازی مظہر بنایا ہے۔ خالق کائنات جل جلالہٗ کی دی ہوئی توفیق سے اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے وہ جس وقت مجازی صفات کا مظہر ہوتے ہیں تو اُن کی طرف توجہ حقیقت میں اللہ ہی کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اُن کے کسی کام کے کر گزرنے کے بارے میں جو عقیدہ ہے وہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اللہ تعالیٰ کی پاور کے بارے میں عقیدہ ہوتا ہے۔

چونکہ اس سلسلہ میں قرآن مجید برہان رشید کو پیش کر کے مفہوم پر واردات کی جاتی ہے اور اپنے غلط نظریات کو قرآن مجید کے پردے میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس واسطے ہم صرف اظہار حق کیلئے، کسی کو جلانے کیلئے نہیں بلکہ کسی کو سمجھانے

کیلئے اور حق کی روشنی پھیلانے کیلئے اور حق کا پرچم لہرانے کیلئے' وہ ساری آیات اس وقت انشاء اللہ تلاوت کریں گے اور پھر اُن کا پس منظر اور قرآن ہی سے اُن کا مفہوم جو خود قرآن اس کو واضح کرتا ہے' اُسے بیان کرتے ہوئے ایسے حضرات جن کو کوئی فکری اُلجھن ہے یا جو کسی طرح بھی کسی گمراہ گلی میں داخل ہو چکے ہیں اُن کو دعوت انصاف دیں گے۔ آج ہی نہیں جب تک انشاء اللہ یہ پیغام C.D' کیسٹ اور کتاب کی شکل میں چلتا رہے گا' اللہ کے فضل سے ہدایت کا سامان میسر کرتا رہے گا۔

﴿آیت نمبر ا﴾

سورۂ آل عمران میں آیت نمبر ۱۷۳ ہے؛

خالق کائنات جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ٥

(پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۷۳)

یہ اُس وقت کا معاملہ ہے جب اُحد کے دن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے ابھی کلمہ نے نہیں پڑھا تھا' وہ واپس جانے لگے تو انہوں نے کہا اے محمد! تمہارا ہمارا مقابلہ اب اگلے موسم بدر میں ہوگا' بدر میں منڈی لگتی تھی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس دن کا چیلنج کیا کہ اُس دن اب ہم لڑیں گے۔ جب وہ دن قریب آیا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ شریف سے اپنی فوج لے کر نکلے۔ رب ذوالجلال نے اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالا تو آگے آنا اُن کیلئے مشکل ہو

گیا' اب وہ اپنی اُس شکست کو چھپانا چاہتے تھے کہ چیلنج تو ہم نے کیا تھا اور ہم ہی نہیں جا رہے۔

مسلمان وہاں آ جائیں گے تو پھر کیا ہوگا؟ اِدھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیاری مکمل کر لی' صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ساتھ لیا اور بدر کا سفر شروع کیا' اس کو بدرِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔ بدر کبریٰ تو اُحد سے پہلے کی جنگ ہے یہ اُس کے بعد ہے'

اب اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس شکست کو چھپانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ نعیم بن مسعود اشجعی جو اُس وقت مومن نہیں تھے' بعد میں انہوں نے کلمہ پڑھا' جاہلیت میں اُن کے ہاں عمرے کا تصور تھا' وہ اُس کو ادا کرنے کیلئے مکہ شریف لے گئے ہوئے تھے اور اسی بدر والے راستے سے واپس آنا چاہتے تھے' حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کچھ لالچ دیا' کچھ اونٹ دیئے کہ تم جا کے مسلمانوں کو ڈراؤ کہ قریش مکہ کی تیاری بہت زیادہ ہے اور اگر تم ان سے لڑو گے تو بچ کے نہیں آؤ گے۔ تم جا کے ڈراؤ تا کہ وہ آنے نہ پائیں۔ اگر وہ بدر میں آ گئے اور ہم نہ گئے تو اس میں ہماری سبکی ہوگی۔ لہٰذا نعیم بن مسعود اشجعی وہ مدینہ آئے اور انہوں نے آ کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ڈرانا چاہا۔ اس کا ذکر اس آیت میں موجود ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ ۔

وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا

اب ایک بندے کو ناس سے تعبیر کیا گیا

کون؟ نعیم بن مسعود اشجعی

اَلَّذِیْنَ سے مراد ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

وہ صحابہ جن کو نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُم

کہ تمہارے لئے بہت زیادہ قریش اکٹھے ہو گئے ہیں۔

مکہ شریف کے تمام سردار، تمہارے مقابلہ کیلئے پوری طرح اکٹھے ہو چکے ہیں

فَاخْشَوْهُمْ

تم ان سے ڈر جاؤ

اور بدر کے راستے پہ نہ چلو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرے محبوب علیہ السلام کے صحابہ کو نعیم بن مسعود نے ڈرایا:

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا

اِس دھمکی سے ان کا ایمان پہلے سے بھی بڑھ گیا۔

اور انہوں نے اُس کو کیا کہا:

وَقَالُوا

صحابہ کرام نے نعیم بن مسعود اشجعی کو کہا کہ تم کہتے ہو ان کی اتنی تیاری ہے، اتنے گھوڑے ہیں، اتنے اونٹ ہیں، اتنی تلواریں ہیں، اتنے فوجی ہیں لڑنے والے۔

محبوب علیہ السلام کے صحابہ نے کیا کہا:

حَسْبُنَا اللّٰہُ۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ اور بہترین کارساز ہے۔

یہ ایک مقام ہے جہاں پر اس آیہ کریمہ کو رب ذوالجلال نے نازل کیا:

﴿آیت نمبر ۲﴾

دوسرے مقام پر پارہ ۲۴ سورہ زمر کے اندر آیت نمبر ۳۸ ہے:

خالق کائنات فرماتا ہے:

قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

میرے نبی صلی اللہ علیک وسلم! آپ یہ فرمادو کہ خبر دو مجھے اے بتوں کے پجاریو! جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔

اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖٓ

اگر رب مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ بت اُس نقصان کو روک سکتے ہیں؟

اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِہٖ

یا رب مجھے رحمت دینا چاہے تو کیا یہ اُس رحمت کو روک سکتے ہیں۔

خالق کائنات جل جلالہ فرماتا ہے اے محبوب! اُن سے سوال کر کے پوچھو اور ان کو کہہ دو:

قُلْ۔ یہ کہو

حَسْبِیَ اللّٰہُ۔ میرے لئے اللہ کافی ہے۔

عَلَیْہِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ

اور اللہ پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔

﴿آیت نمبر ۳﴾

پارہ ۱۱، سورہ توبہ آیت نمبر ۱۲۹ ہے:

خالق کائنات فرماتا ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہ

اگر وہ قریش پھر جائیں، کلمہ نہ پڑھیں تو فرمادو میرے لئے اللہ کافی ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ اُس اللہ پر میں نے توکل کیا

وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْم اور وہ رب عرشِ عظیم ہے

﴿آیت نمبر ۴﴾

پارہ ۲۸، سورۂ طلاق آیت نمبر ۳ ہے:

خالق کائنات فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

اور جو رب ذوالجلال پر توکل کرتا ہے۔ خالق کائنات جل جلالہٗ اُس کیلئے کافی ہے۔

﴿آیت نمبر ۵﴾

ایسے ہی رب ذوالجلال کا فرمان سورۂ زمر کے اندر یہ بھی ہے:

☆ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ (پارہ ۲۴، سورہ الزمر، آیت ۳۶)

کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے؟

استفہام انکاری ہے

یعنی اللہ اپنے بندے کیلئے کافی ہے۔

☆ یہ آیات جن کو عمومی طور پر پیش کیا جاتا ہے اور ان سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف متوجہ ہونا، ان آیات کی

خلاف ورزی ہے۔ حرف یا کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرنا اور مدد چاہنا اور پھر اولیاء' ملائکہ یا شہداء کو رب ذوالجلال کی عطا اور اذن سے بھی مشکل کشا یا حاجت روا ماننا' ان آیات کی خلاف ورزی ہے۔ یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میں آج کے اس فورم پر ان تمام آیات کو پڑھ کر ان کی وضاحت اور تشریح جو خود آیات قرآن سے پیش کر کے اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آیات جو مفہوم لئے ہوئے ہیں' اس کی روشنی میں اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مطہرہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی توفیق اور قدرتوں سے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی عون اور مدد کا مظہر مانتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام کو رب ذوالجلال کی قدرتوں کا مظہر جانتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے' تو وہ ہرگز ان آیات کی خلاف ورزی نہیں کر رہا بلکہ رب ذوالجلال کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خالق کائنات جل جلالہٗ کی قدرت کامل ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی بندوں سے بندوں کی مدد کروا دیتا ہے یہ سوچنا کہ اللہ کے بندے کی مدد کسی دوسری پاور (Power) کی مدد ہے یا غیر اللہ کی مدد ہے غلط سوچ ہے۔

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہ

میرے لئے اللہ کافی ہے

یا حَسْبُنَا اللّٰہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے

اس کافی ہونے کے اندر ہی وہ تمام قوتیں موجود ہیں' جن کو رب ذوالجلال توفیق عطا فرماتا ہے۔

بندگانِ خدا بعض صفات خدا کے مظہر

اس بات کو آغاز میں سمجھنے کیلئے قرآن مجید برہان رشید کا بڑا حسین مقام ہے۔

خالق کائنات جل جلالہٗ چودھویں پارہ میں ارشاد فرماتا ہے:

یہ بالکل آغاز میں سورہ حجر کی آیت نمبر ۹ ہے:

خالق کائنات فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

ہم نے ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کی حفاظت کرنے والا کون ہے؟ (اللہ)

قرآن مجید کا حافظ کون ہے؟ (اللہ)

کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

جمع ہے اس لئے حافظون کا لفظ بول دیا

ہم قرآن کے حافظ ہیں۔

خالق کائنات کا یہ فرمان چودھویں پارے کے بالکل آغاز میں آیت نمبر ۹ ہے۔ کسی کو اس کا انکار نہیں ہے۔

رب ذوالجلال فرماتا ہے:

ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اللہ نے حفاظت کی نسبت کس طرف کی؟ اپنی طرف

اور کرواتا کس سے ہے؟ بندوں سے

اگرچہ بندوں کا محتاج نہیں ہے اور بندوں کے حافظ ہوئے بغیر بھی حفاظت کر سکتا ہے۔

آج تک کسی کو خیال نہ آیا کہ رب کہتا ہے میں حافظ ہوں۔

تو پھر بندوں کو حافظ کیوں کہتے ہو؟

خالق کائنات فرماتا ہے قرآن ہم نے نازل کیا اور حفاظت ہم نے ہی کرنی ہے۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ رب نے خود لیا' اس کا مطلب کیا ہے؟

اللہ حافظ ہے کہ اپنے بندوں کو حافظ بنا کر حفاظت کرواتا ہے۔ یہاں تو کسی کو وہم پیدا نہ ہوا کہ رب بھی حافظ ہو اور بندہ بھی حافظ ہو۔ رب کہے میں حافظ ہوں اور تمہارا پندرہ سالہ بچہ کہے میں حافظ ہوں' رب کہے میں حافظ ہوں اور تم کہو ہم حافظ ہیں۔

کبھی کسی نے اس حافظ ہونے سے ٹکراؤ سمجھا؟ کوئی ٹکراؤ نہیں۔

رب بھی حافظ ہے' بندہ بھی حافظ ہے' ٹکراؤ کیوں نہیں؟

اس واسطے کہ یہ حافظ خود نہیں بنا' اسے رب نے بنایا ہے۔ حالانکہ لفظ حافظ کوئی معمولی لفظ نہیں' بہت بڑا منصب ہے' شان ہے' حافظ' حفاظت کرنے والا' تو اللہ نے اپنی صفت یہ بیان کی اور حصر کے ساتھ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں تو جب رب ذوالجلال نے کہا کہ ہم حفاظت کرنے والے ہیں۔ حافظ ہونا وصف ہے' ایک شان ہے' یہ اللہ کی شان ہے اور معمولی شان نہیں بلکہ بہت بڑی شان ہے۔

اگر وہ انداز جوان اسٹیکر چھپوانے والوں کا ہے وہ لیا جائے تو پھر جب یہ ہے کہ:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۳۶)

کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی ہے؟

تو اللہ فرماتا ہے میں کافی ہوں۔

تو اب جب رب ذوالجلال کافی ہے' تو اس کی کفایت کا یہ مطلب ہے کہ اُس رب نے اپنے کچھ بندوں کو یہ طاقت دے دی ہے کہ وہ زندگی میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو رب کے نور سے یوں منور ہو جاتے ہیں کہ بعد از وصال بھی اُن میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر آج ایک چھوٹا سا بچہ جب حافظ کہلاتا ہے تو رب ذوالجلال کے حافظ ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا' رب پھر بھی حافظ ہے ایسے ہی یہ اللہ کے اولیاء' انبیاء علیہم السلام ان کی طرف جب کوئی متوجہ ہو کہ ان کو اللہ کی عطا کے ضمن میں مشکل کشا یا حاجت روا مانتا ہے تو پھر بھی رب ذوالجلال کے کافی ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بات صرف سوچنے کی ہے۔

کیا مطلب؟

ان دو باتوں میں فرق نہیں کر سکے۔

اگر یہ شرک ہے تو حافظ کہلانا بھی شرک ہے

کسی کو حافظ کہنا بھی شرک ہے

کسی کا حافظ بننا بھی شرک ہے

چونکہ رب کہتا ہے میں حفاظت کرنے والا ہوں۔

مطلب کیا ہے؟ اپنے بندوں سے کرواتا ہے۔

رب مددگار ہے' رب مشکل کشا ہے' رب حاجت روا ہے' وہ اپنے بندوں کو بھیج بھیج کر بتوں کے پجاریوں کو گویا یہ پیغام دیتا ہے:

تمہارے بت کچھ نہیں کر سکتے' میرے بندے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ یہی

مطلب تھا' بدر میں' فرشتوں کو بھیجنے کا۔

اپنے فرشتے بھیج کر رب ذوالجلال نے مدد کی ہے۔

تو یہ مدد کوئی اللہ کی Opposition تو نہیں!!

اللہ فرماتا ہے:

☆ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ (پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۱۰)

یہ مدد میری ہی مدد ہے۔

کیونکہ کروائی میں نے ہے' کی میرے بندوں نے ہے۔

وہ حافظ ہے' حفاظت کرنے والا ہے۔

اور اپنے بندوں سے حفاظت کروائے تو اُس کی حفاظت پر کوئی سقم لازم نہیں آتا اور اللہ کی حفاظت کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں بنتا اور کوئی شرک نہیں بنتا' ایسے ہی خالق کائنات جل جلالہٗ کائنات چلانے والا ہے۔ اس کائنات کا متصرف ہے' مدبر ہے' مددگار ہے' مشکل کشا ہے' حاجت روا ہے اور وہ جب چاہے اپنے کسی بندے کو ایسی صفت کا مظہر بنا دے۔ جیسے حافظ بننے سے شرک نہیں ہوتا' اس کی عطائی قوت سے مددگار بننے سے بھی کوئی شرک نہیں ہوتا۔

اب اس بات کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا ہے کہ قرآن مجید کی یہ جتنی آیات ہیں' رب ذوالجلال ان سے اپنے بندوں کی مدد کی نفی نہیں کرنا چاہتا' کیونکہ اللہ کے بندوں کی مدد' وہ تو ہے ہی اللہ کی مدد' رب ذوالجلال بتوں کی نفی کرنا چاہتا ہے' طاغوت کی نفی کرنا چاہتا ہے۔

خالق کائنات کو یہ مطلوب ہے کہ جو میری پاور (Power) ہے وہ میری

ہے خواہ وہ میرے بندوں سے ظاہر ہو جائے' اس واسطے جب بدر میں لڑ لڑ کے مسلمانوں نے کافروں کو مارا اور فتح پائی' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ (پارہ ۹، سورہ الانفال، آیت ۱۷)

تم نے قتل نہیں کیا تمہارے رب نے قتل کیا ہے۔

خالقِ کائنات کا یہ انداز اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ رب ذوالجلال نے اس مدد والے فلسفے کو کتنا واضح فرما دیا' یہ میرا دعویٰ ہے جو قرآن سے میں ثابت کروں گا کہ

ان ساری آیات کے اندر جو رب ذوالجلال نے نفی کی۔

اس جملہ میں کہ اے محبوب کہہ دو کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔

یا ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

یا کسی نے کہا کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مومن کہے۔

مجھے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ضرورت نہیں۔

یا مجھے اولیاء کی کوئی ضرورت نہیں

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے لات' منات اور عزیٰ کی کوئی ضرورت نہیں

میرے لئے میرا رب کافی ہے۔

ہمارے لئے ہمارا اللہ کافی ہے۔

اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد کو اپنی ہی مدد قرار دے دیا ہے۔

آیت نمبر ا کی وضاحت

اب دیکھئے سب سے پہلی آیت جو میں نے سورہ آل عمران کی پڑھی:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ○

(پارہ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۷۳)

جب بدر صغریٰ کی تیاری ہو رہی تھی' صحابہ کو ڈرایا گیا کہ قریش تو بڑی تیاری کر چکے ہیں تم اُن سے ڈر جاؤ۔

صحابہ نے کہا: نہیں' ہم جائیں گے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر' سرکار کی قیادت میں نکلیں گے اور نکلے بھی۔

قریش نہ آ سکے۔

صحابہ گئے' تجارت کی اور فائدہ پایا اور واپس آئے۔

اب یہاں جس وقت اُن کو ڈرایا گیا تھا' تو جواب میں کہا

حَسْبُنَا اللّٰہُ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

تو کیا جس شخص نے یہ کہا' میرے لئے اللہ کافی ہے' اُس نے دوستوں کو گھر بٹھا دیا تھا کہ بدر میں آپ بھی نہ جائیں' آپ بھی نہ جائیں' آپ بھی نہ جائیں میں جاتا ہوں' چونکہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔

جو کہہ رہے تھے "میرے لئے اللہ کافی ہے"

جو کہہ رہے تھے: اے عمر! تم نے بھی ضرور جانا ہے۔

جو کہہ رہے تھے: "ہمارے لئے اللہ کافی ہے"۔

وہ کہہ رہے تھے: اے علی! "تم نے بھی ضرور جانا ہے"۔

خود سید عالم' نور مجسم' شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے نمبر پر بول رہے

تھے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔

لیکن صحابہ نے یہ نہیں کہا کہ اے محبوب! جب اللہ کافی ہے تو ہم پھر گھر آرام کرتے ہیں۔ صحابہ ساتھ نکلے ہیں' صحابہ کو ساتھ نکالا ہے' ساتھ ساتھ گئے ہیں' تو پتہ چلا کہ "اللہ کافی ہے" کا تعلق بتوں کے ساتھ ہے' بتوں کے مقابلے کی بات ہو رہی ہے کہ وہ کفار مکہ قریش ہیں' اُن کے بت اُن کے ساتھ ہوں گے اور وہ بتوں کے پجاری ہیں' وہ جتنی بھی تیاری کر لیں' کوئی بات نہیں' کیوں؟

ہمارے لئے ہمارا اللہ کافی ہے۔

اب "اللہ کافی ہے"۔ یہ نعرہ بھی لگا رہے ہیں اور جانا بھی سب نے ہے۔

کوئی بھی پیچھے نہ رہے' جانا بھی سب نے ہے۔

اس آیت نے یہ ثابت کیا کہ یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یقین تھا "اللہ کافی ہے"۔ یعنی بفضل خدا عز و جل بندۂ مومن کا زورِ بازو کافی ہے' ورنہ یہ کہہ کر تو ایک آدھ چلا جاتا اور کہتا کہ اللہ کافی ہے۔ کاروائی ہی کرنی ہے' اکیلا میں ہی کافی ہوں۔

حالانکہ اللہ یہ مدد بھی کر سکتا تھا کہ صرف ایک مقابلے میں چلا جاتا اور وہ ہزاروں پہ بھاری ہوتا' مگر خالق کائنات نے فرمایا: میں کافی ہوں' تو میں نے جیسے قرآن کی حفاظت' حافظوں سے کروائی ہے' دین کی مدد بندوں سے کروانی ہے' دین کی مدد فرشتوں سے کروانی ہے۔

خالق کائنات جل جلالہٗ کا یہ فرمان:

جسے کوئی چھاپ کے اللہ والوں کی نفی کرنا چاہتا ہے تو اُسے سوچنا چاہیئے کہ یہ تو شان ہے اللہ والوں کی' یہ تو اظہار ہو رہا ہے اللہ والوں کا کہ جب ان کو ڈرایا گیا تو وہ ڈرے نہیں اور کہتے ہیں "ہمارے لئے اللہ کافی ہے"۔

حالانکہ اللہ اُن کو نظر نہیں آ رہا' اُن کو کس نے سہارا دیا' وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں' جن کے کہنے پر وہ رب کو کافی مان رہے ہیں' اُن کی ذات اسی کفایت کا حصہ ہے۔

آیت نمبر۲ کی وضاحت

☆ دوسرے نمبر پر پارہ ۲۴ میں سورہ زمر کی آیت نمبر ۳۸ ہے:

خالق کائنات جل جلالہٗ فرماتا ہے:

قُلْ اَفَرَاَءَیْتُمْ

میں نے کہا تھا یہ بات مشرکوں کی ہے اور کھینچ کے نبی علیہ السلام کی طرف لاتے ہیں' کھینچ کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف لاتے ہیں

اور کھینچ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لاتے ہیں

اور کھینچ کے لاتے ہیں پیران پیر حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اور کھینچ کے لاتے ہیں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اب دیکھو' قرآن میں جہاں آیا ہے' وہاں پہلے ذکر کس کا ہے؟

کیا مکہ شریف میں یا مدینہ شریف میں کسی پر گئے ہوئے صحابہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کہا ان کو چھوڑو۔

حَسْبِیَ اللّٰہ کہو

نہیں' نہیں' ایسی کوئی صورت نہیں تھی' معاملہ تھا بتوں کا۔

رب ذوالجلال کے بندوں نے بتوں کے پجاریوں کے سامنے اعلان کر دیا'

تمہارے بت کچھ نہیں کر سکتے' ہمارا رب سب کچھ کر سکتا ہے۔

قُلْ۔ میرے نبی کہہ دو

اَفَرَءَیْتُمْ۔ اے کفار تم مجھے خبر دو

مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔

اُن کی جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔

اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰہُ بِضُرٍّ ھَلْ ھُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّہٖٓ

اگر رب نقصان پہنچائے تو کیا یہ مشکل کشا بن سکتے ہیں کہ اُس مشکل کو ٹال دیں

اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِهٖ

رب رحمت دینا چاہے اور یہ آنے سے روک دیں' کیا یہ روک سکتے ہیں؟

فرمایا: نہیں

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ

میرے محبوب کہہ دو' میرے لئے اللہ کافی ہے۔

اب دیکھنا' اس میں Clear ذکر ہے

مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو

یہ پوجنے والے حضرت صدیق اکبر تو نہیں ہیں،

یہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تو نہیں ہیں،

یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں،

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہیں،

یہ صحابہ نہیں ہیں' یہ کون ہیں؟

یہ مومن نہیں' یہ خطاب مشرکوں سے ہے

بات مشرکوں سے ہے، کسی مومن کی بات نہیں
کسی کلمہ گو کی بات نہیں، کسی صحابی کی بات نہیں
یہ بات ہے مشرکین کی،
رب ذوالجلال فرماتا ہے:
میرے محبوب! ان مشرکوں سے کہہ دو کہ تمہارے بت نفع بھی نہیں دے سکتے، نقصان بھی نہیں دے سکتے۔
محبوب ان سے کہہ دو،
حَسْبِيَ اللّٰہ۔ مجھے میرا رب کافی ہے
نہ نفع لینے کیلئے تمہارے کسی بت کی ضرورت ہے۔
نہ نقصان سے بچنے کیلئے تمہارے کسی بت کی ضرورت ہے
بات بت کی ہے، تو بت ہی کی رہنے دو
یہ کہہ دیا کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔
یعنی مجھے ہبل کی ضرورت نہیں، مجھے لات کی ضرورت نہیں، مجھے منات کی ضرورت نہیں، مجھے عزیٰ کی ضرورت نہیں، مجھے نائلہ کی ضرورت نہیں
لیکن یہ کہا:
ابوبکر! بدر جا رہا ہوں تیری ضرورت ہے۔
ورنہ میٹنگ نہ کرتے، میٹنگ کی سب کو بلایا، جنگ ہے، کیا کرنا ہے؟
کیا اس وقت صحابہ کو یہ آیات نہیں آتی تھیں؟ سب کو آتی تھیں اور سوچ صحیح تھی، فکر صحیح تھی، فہم صحیح تھا، دل میں اللہ والوں سے بغض نہیں تھا، ورنہ کہہ سکتے تھے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ پڑھایا آپ نے ہے اور پڑھا ہم نے ہے' کہ اللہ کافی ہے' اب اللہ کافی ہے تو اس مشکل کے وقت بھی اللہ کافی ہے' ہمارے جانے کی ضرورت کیا ہے؟

یہ ہمارا یقین ہے کہ ایک بھی میدانِ بدر کے اندر میرے محبوب علیہ السلام کے ساتھ نہ جاتا' تب بھی ہمارے محبوب علیہ السلام اللہ کے فضل سے' تنہا کافی ہو جاتے' لیکن خالق کائنات کے واضح بھی تو کرنا تھا کہ اپنے اپنے ہوتے ہیں اور پرائے پرائے ہوتے ہیں جو کوئی بھی ماقبل کو دیکھ کر اس آیت کو پڑھے گا وہ کیسے یہ آیت داتا صاحب کے بارے میں پڑھ سکتا ہے؟ وہ کیسے اس آیت کو خواجہ صاحب کے بارے میں پڑھ سکتا ہے؟ یا یہ دکھائیں کہ کس آستانے پر صحابہ گئے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل کی تھی؟

بات تو صحابہ کی ہے ہی نہیں' بات تو مشرکین اور اُن کے بتوں کی ہے' جن کے وہ پجاری ہیں' محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمادیا کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے' میرا اللہ کافی ہے اور اللہ کے کافی ہونے کا ہی حصہ ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر' حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لے جانا ہے اور یہ مختلف غزوات کے لحاظ سے سب صحابہ کرام کے نام لے رہا ہوں کہ کس طرح وہ ساتھ جاتے رہے۔

تو مطلب یہ ہے یہ جو دوسری آیت میں نے پڑھی:

عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْن (پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۳۸)

رب ذوالجلال پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔

یہ رب ذوالجلال پر توکل ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر بدر میں تین سو تیرہ کو یا بعض مقامات پر ہزاروں کو ساتھ لیا۔

تیسری آیت کی وضاحت

اللہ تعالیٰ سورہ توبہ میں فرماتا ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ (پارہ ۱۱، سورہ التوبہ، آیت ۱۲۹)

اگر وہ پھر جائیں

یعنی کافروں کو دعوت دی' خدا ایک ہے' میں اس کا رسول ہوں' مان جاؤ لیکن

روہ نہ مانیں تو رب ذوالجلال فرماتا ہے:

اگر وہ پھر جائیں تو تم کیا کہو؟

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ

اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو "میرے لئے اللہ کافی ہے"

حالانکہ کوئی پھرے یا نہ پھرے اللہ تو ہمیشہ ہی کافی ہے۔

لیکن یہاں پر شرط اور جزا کے طور پر استعمال کیا کہ اگر وہ پھر جائیں تو تم کہو

"میرے لئے اللہ کافی ہے"

مطلب کیا تھا؟

اے محبوب! جو کلمہ نہیں پڑھتا اور سمجھتا ہے کہ اگر میں نہیں جاؤں گا تو یہ

کامیاب نہیں ہوں گے۔

میں ان کا غلام نہیں بنوں گا تو ان کی دھاک نہیں بیٹھے گی۔

ان کے ساتھ میں نہیں چلوں گا تو یہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

فرمایا:

"محبوب ان کفار اور منافقین سے کہہ دو۔ ابوجہل' عتبہ' شیبہ اور ان جیسے

دوسرے کفار اور منافقین سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ کافی ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اگر وہ پھر جائیں

مشرکین، منافقین ہٹ جائیں تو محبوب گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان کی کوئی ضرورت نہیں، تمہارے لئے تمہارا رب کافی ہے۔ اب رب کے کافی ہونے کا مطلب کیا بنا؟

مطلب تھا جہاں اُن میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں جھنڈا لے کے نکلا تو پھر یہ کامیاب ہوں گے۔

مقصد تھا وہ گھر بیٹھے، تمہارا عمر رضی اللہ عنہ جو جھنڈا لے کے چلنے والا ہے۔

جو یہ سمجھتا ہے کہ میں ساتھ ہوا، پھر تمہارا رُعب بیٹھے گا۔

خواہ وہ گھر رہے، تمہارا علی رضی اللہ عنہ جو رُعب کیلئے ساتھ موجود ہے۔

تو فرمایا:

حَسْبِیَ اللّٰہُ ۔ میرے لئے میرا اللہ کافی ہے۔

کلام کا رُخ مشرکین، منافقین کی طرف تھا، نفی ان منافقوں، مشرکوں کی تھی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اے ابوبکر تیری ضرورت نہیں

یہ کہا: منافقو! تمہاری ضرورت نہیں، یہ نہ کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ تیری ضرورت نہیں

یہ کہا: اے مشرکو! تمہاری ضرورت نہیں، یہ نہ کہا کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ تیری ضرورت نہیں۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰہ ۔ کہہ کر اس بات کا اعلان کر رہے تھے۔

اور فَاِنْ تَوَلَّوْا کا مضمون آپس میں جو Related ہے یہ بیان کر رہا ہے۔

اللہ کے دشمنوں کو نکالنا مقصود ہے اور اللہ کے دوستوں کا اعلان کرنا مقصود ہے

ہر آیت کا اسلوب دیکھ لیں' یہ ظلم کا کتنا بڑا سلسلہ ہے اور کتنی بڑی خیانت ہے کہ جن لوگوں کو شریعت مطہرہ نے Status دیا اور رب ذوالجلال نے اُن کو اپنی مدد کا حصہ بنایا' اُن کو نکالنا اور انہیں بت کہنا اور بتوں کی طرف منسوب کرنا' یہ قرآنی مضمون کے ساتھ کتنی بڑی خیانت ہوگی!!

دیکھئے' رب ذوالجلال خود اس بات کا اعلان کر رہا ہے اور اتنے اچھے انداز میں خالق کائنات جل جلالہٗ نے واضح کر دیا۔

☆ سورہ توبہ کے اندر ہی ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

(پارہ ۱۰، سورہ التوبہ، آیت ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اُس پر جو اللہ اور اس کے رسول نے اُن کو عطا کیا

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ۔ (پارہ ۱۰، سورہ التوبہ، آیت ۵۹)

اور کہتے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ۔ (التوبۃ: ۵۹)

ہمیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے عطا کریں گے

اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ (التوبۃ ۵۹)

ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

چوتھی آیت کی وضاحت

اس آیت کی میں آگے تفصیل بیان کرتا ہوں

اس کے بعد ایک یہ آیت ہے:

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ (پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۳۶)

یہاں پر بھی اُن لوگوں کا ذکر ہے جو بتوں کی طرف متوجہ تھے۔

خالق کائنات فرماتا ہے: کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے۔

یعنی اگر رب کافی نہ ہو تو بت کے پاس چلے جاؤ

اگر رب کافی ہے تو رب کو چھوڑ کے کسی بت کی طرف جانے کی ضرورت کیا ہے؟

رب ذوالجلال جس طرح حفاظت خود کرتا ہے اور کروا کسی سے دیتا ہے۔

ایسے ہی مدد خود کرتا ہے یہ رب کی قدرت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی مدد کا مظہر بنا دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا سوالی غیر کا سوالی نہیں ہے

اب یہ اجمال تھا، سمجھ تو آپ کو انشاء اللہ آ گئی ہو گی کہ یہ آیات جتنی بھی ہیں ان سب میں جو نفی ہے وہ اپنوں کی نہیں۔

حقیقۃً تو کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔

رب کے اذن کے بغیر کوئی بڑی سے بڑی ذات ہو رب نہ چاہے تو پتہ بھی نہیں ہلا سکتی۔

رب چاہے تو زمانہ ہلا سکتی ہے

نفی اپنوں کی نہیں، نفی غیروں کی ہے

اور اپنوں کا اثبات ہے

☆ اس پر میں انہی آیات کا ان میں بعض کا ماقبل پڑھ کر اس کو قرآن سے ثابت کروں گا تا کہ کسی کو یہ بہانہ نہ ملے کہ حدیث تو پڑھی ہے مگر سند اس کی کمزور ہے۔ ان لوگوں کا سند کمزور کرنے کے بارے میں حافظہ اتنا تیز ہے کہ یہ سوچتے ہی نہیں کہ سند میں اُمت کے ستونوں کا نام ہے۔

بس کہہ دیتے ہیں' ہوگی ضرور کمزور چونکہ تمہارے عقیدے کی ہے۔

سند کمزور کہنے والوں کیلئے میں قرآن پڑھ رہا ہوں تا کہ پتہ چلے کہ سند نہیں کمزور' نہ ماننے والوں کا ایمان کمزور ہے۔

قرآن پڑھ رہا ہوں کہ پتہ چل جائے کس انداز میں رب نے اپنے بندوں کو شان عطا فرمائی ہے۔

یہ جو سورہ توبہ کا مضمون ہے' بڑا عظیم مضمون ہے۔

رب ذوالجلال نے فرمایا ہے سورۂ توبہ آیت نمبر ۵۹' یہ قرآن مجید میرے ہاتھ میں ہے اور سامنے دکھانا اس کو ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن مجید برہانِ رشید کا یہ دسواں پارہ ہے' تیرھواں رکوع ہے' تیرھویں رکوع کی آخری آیت ہے' آیت نمبر ۵۹ ہے۔

خالق کائنات کا اس مقام پر بھی فرمان ہے:

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہ

کہا اُنہوں نے ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

کس موقع پر کہا؟

کیا ملا اُن کو؟

کس نے دیا اُن کو؟

کیا ہوا اُن کو؟

کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کا پس منظر یہ ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ۔ (پارہ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۵۸)

اللہ فرماتا ہے کچھ لوگ صدقوں کے لحاظ سے تم پر طعن کرتے ہیں۔

کس طرح طعن کا ذکر ہے، کیا کہتے ہیں؟

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا۔ (توبہ: ۵۸)

اگر اُن کو کچھ دیا جائے تو راضی ہوتے ہیں۔

وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۔ (توبہ: ۵۸)

اگر نہ دیا جائے تو جبھی ناراض ہو جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اُن کا مذہب پیسہ ہے۔

منافقین کی بات ہو رہی ہے

اگر کچھ دے دیا جائے تو راضی ہیں

اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اگر یہ اپنا عقیدہ صحیح کر لیتے تو کتنی اچھی بات ہوتی، آگے اللہ تعالیٰ صحیح عقیدہ بیان کرتا ہے کہ انہیں یوں کرنا چاہیئے تھا، یہ جو صدقے کے بارے میں نبی علیہ السلام پر طعن کر رہے ہیں۔

ان کو یہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے:

وہ کیا رویہ ہے؟

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عطا ایک

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا۔

اگر وہ راضی ہو جاتے، خوش ہوتے، اُس پر

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

جو دیا ہے اُن کو، کس نے؟ اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے۔

یہ قرآن ہے، نہ کسی مفسر کا تفسیری نوٹ ہے، نہ کسی محشی کا حاشیہ ہے، نہ کسی مفکر کی فکر ہے، نہ کسی مفتی کا فتویٰ ہے۔

رب ذوالجلال فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اگر وہ راضی ہوتے اس پہ جو دیا تھا اُن کو، کس نے؟ اللہ نے دیا تھا۔ کس نے؟ (اللہ نے) اور دیا تھا اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

دینے میں کتنے نام لئے؟ (دو)

اللہ نے جو دیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو دیا۔

فرمایا یہ لے کر مجھ سے اور میرے رسول ﷺ سے کہتے۔ کیا کہتے؟

فرمایا: قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

کہتے کہ کافی ہے میرے لئے ربّ

دیا کس نے؟

فرمایا کہ دینے والا ہاتھ میرے نبی علیہ السلام کا ہے۔ لینے والے یہ دینے والے میرے محبوب (علیہ السلام) اور نعرہ میرے کافی ہونے کا۔

یہ ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان نبیوں کی مدد ان ولیوں کی مدد اگر غیر کی مدد ہوتی تو سرکار ﷺ کے دینے پر یہ نہ آتا کہ اللہ کافی ہے۔

سرکار ﷺ دیں تو نعرہ یہ لگے کہ اللہ کافی ہے اور نعرہ قرآن لگوائے

تو پتہ چلا

بخدا خدا کا یہی ہے در' نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

جو یہ محبوب ﷺ دینے والے ہیں وہ اللہ ہی کا دینا بنتا ہے۔

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

لوگ بڑی کوشش کر کر کے تھک گئے کہ درمیان میں فرق کریں' جدائی ڈالیں لیکن کون کر سکے؟ رب نے خود اعلان کیا:

فرمایا: جو دیا۔ کس نے؟ اللہ نے اور جو دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ دونوں سے لے کر کیا کہیں؟

حَسْبُنَا اللّٰهُ۔

تو پتہ چلا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در سے لینے والے کا نعرہ ہے

حَسْبُنَا اللّٰهُ۔

سرکار ﷺ سے لینے والے کا' سرکار ﷺ کے منگتے کا' سرکار ﷺ سے پانے والے کا' سرکار ﷺ سے جھولی بھروانے والے کا' نعرہ ہے۔ حسبنا اللہ ۔ خدا کی قسم

ہے اس قرآنی فکر کو گلی گلی، محلے محلے میں عام کر دو۔
وہ یہ آیت پڑھنا چھوڑ جائیں گے۔
پتہ چل جائے گا کہ اصل مطلب کیا ہے، مفہوم کیا ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
دیا میں نے، میرے رسول ﷺ نے
فرمایا: میرا ہاتھ اُن کو نظر نہیں آتا، میرے محبوب ﷺ کا نظر آتا ہے، جس کو یَدُ اللّٰه کہا، اُس ہاتھ سے لے کر یہ کہے کہ اللہ کافی ہے۔
تو پتہ چلا، مطلب یہ ہے کہ ابن سلول اور مشرکین کی ضرورت نہیں، یہ مطلب نہیں کہ جہاں سے لیا، اُس ہاتھ کی بھی ضرورت نہیں، جس سے لے کر کھاتے ہیں اس کی ضرورت نہیں، اللہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کا نام اب
حَسْبُنَا اللّٰه ۔ میں لینے کی ضرورت نہ رہی۔
اس واسطے کہ اُن کے ہاتھ کو ہم نے اپنا ہاتھ بنا لیا ہے۔
یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۔ (پارہ ۲۶، سورہ الفتح، آیت ۱۰)
اللہ کا ہاتھ تھا، بیعت رضوان والوں کے ہاتھ کے اوپر
خالق کائنات جل جلالہ کے قرآن نے جو واضح کیا
حَسْبُنَا اللّٰه نے جو واضح کیا،
جو ماقبل نے واضح کیا وہ یہ ہے کہ
حَسْبُنَا اللّٰه ۔
میں سرکار ﷺ کی نفی نہیں، سرکار ﷺ کے دینے کو رب نے اپنا دینا قرار دے دیا ہے۔

اچھا' اللہ فرماتا ہے اُن کو یہ کہہ کے پھر اور بھی کہنا ہے

اللہ اور رسول ﷺ کا فضل ایک

چونکہ رب ذوالجلال کو پتہ ہے کہ میرے نبی علیہ السلام کے ہاتھ کا لوگ انکار کر جائیں گے اور حَسْبُنَا اللّٰہ کو غلط پس منظر میں پڑھیں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَسْبُنَا اللّٰہ کے بعد یہ بھی کہنا تھا

اچھا تھا کہ وہ حَسْبُنَا اللّٰہ کہتے اور ساتھ کیا کہتے؟

سَيُؤْتِينَا اللّٰہ مِن فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ

فرمایا: میں دیتا' میرے نبی علیہ السلام دیتے

اللہ نے دیا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔

فرمایا: میرے نبی ﷺ سے لے کر حسبنا اللہ کہتے اور پھر جب کسی کو وہم پڑنے لگتا کہ شاید نبی علیہ السلام کی ضرورت نہیں تو فرمایا: نہیں حسبنا اللہ کے بعد یہ بھی کہیں:

سَيُؤْتِينَا اللّٰہ

بہت کچھ لے لیا ہے اور ابھی بہت کچھ اللہ دے گا۔

مِنْ فَضْلِهٖ۔ اپنے فضل سے

کیا صرف اللہ ہی دے گا

فرمایا: نہیں

وَرَسُوْلُهٗ۔ اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی دے گا

نعرہ حَسْبُنَا اللّٰه کا اور پھر نعرہ رَسُولَ اللّٰه ﷺ کا

یہ ہے اہلسنّت کا عقیدہ

نعرہ حَسْبُنَا اللّٰه کا اور نعرہ رَسُولَ اللّٰه ﷺ کا

یہ دونوں ملتے ہیں تو سورہ توبہ کی آیت بنتی ہے

پہلے نمبر پر کہا: قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰه

پھر فرمایا:

سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ

فرمایا: ابھی بہت کچھ دے گا رب اور رب کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

درمیان میں حَسْبُنَا اللّٰه پہلے بھی رسول اللہ ﷺ بعد میں بھی رسول اللہ ﷺ

اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

آج واللہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو

حَسْبُنَا اللّٰه سے نہیں نکالا جا سکتا

اوّل بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے آخر بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

اس آیت کریمہ کا کتنا خوبصورت مضمون ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ

پہلے کیا کہا، اللہ نے بھی دیا، اللہ کے نبی علیہ السلام نے بھی دیا۔

اللہ تعالیٰ بھی دے گا، اللہ کے نبی علیہ السلام بھی دیں گے۔

دونوں ماضی بھی، مستقبل بھی، درمیان میں حَسْبُنَا اللّٰهُ

میرے لئے اللہ کافی ہے

یہ ہے وہ عقیدہ کی روح جو رب ذوالجلال نے صرف ہمیں عطا فرمائی ہے

درمیان میں آیت کریمہ کا یہ بھی حسن دیکھو

دینے والی ہیں دو ذاتیں، کون کون؟

اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دو ذاتیں ہیں نا۔

سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ

دینے والی ہیں دو ذاتیں لیکن فرمایا: فضل دونوں کا ایک ہے۔

مِنْ فَضْلِهِمَا نہیں کہا۔ مِنْ فَضْلِهٖ کہا ہے

هُمَا آتا دو کیلئے۔ هِيَ، هُوَ یہ آتا ہے ایک کیلئے

تو ربّ ذُوالجلال نے فرمایا: وہ کہتے، ہمیں دے گا اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ اپنے "ایک" فضل سے۔ تو رب ذوالجلال نے دو والی ضمیر استعمال نہ کر کے، ایک والی ضمیر استعمال کر کے فرمایا: وہ فِتنے کاٹ دو جن سے فرق کرتے ہو، میرے فضل اور میرے نبی کے فضل کے درمیان۔

میرا فضل اُن کا فضل، اُن کا فضل میرا فضل

میرا منگتا ان کا منگتا، ان کا منگتا میرا منگتا

فرمایا: مِنْ فَضْلِهٖ۔ یہ دو کوئی نہ کہے

مِنْ فَضْلِهٖ حالانکہ چاہیے تھا مِنْ فَضْلِهِمَا

مِنْ فَضْلِہٖ

نام دو ہیں، ذاتیں دو ہیں، فضل ایک ہے

اس واسطے فضل ایک ہے تو حسبنا اللہ کافی ہے

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے احباب لکھ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں، جو مضمون چھپا ہوا ہے اُسے ظاہر کر دیتے ہیں لیکن اگر ظاہر نہ بھی کیا جائے، پھر بھی "ہمارے لئے اللہ کافی ہے"۔

قرآن فرماتا ہے کہ یہ بات نبی علیہ السلام کی اُتنی ہی ہو رہی ہے جتنی اللہ کی ہو رہی ہے، اس واسطے کے فضل دونوں کا ایک ہے۔

مِنْ فَضْلِہٖ فضل ایک ہے

لہٰذا جب یہ کہیں گے میرے لئے اللہ کافی ہے، اس میں ہی محبوب علیہ السلام کی کفایت کا ذکر ضرور آ جائے گا جو عطاءِ خداوندی ہے۔

جہاں جراثیم دور کرنے کیلئے کہیں سے اگر وضاحت کر دی جائے تو بھی ٹھیک ہے، ورنہ یہ آیت کوئی اپنے خلاف مت سمجھے اور نہ ہی یہ خلاف ہے، یہ تو اُن کے خلاف ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کی نفی کرنا چاہی تھی، اللہ نے بار بار اثبات فرما دیا ہے۔

پھر دیکھیں اس آیت کا کیا خوبصورت مضمون ہے، جب بات ختم ہونے لگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک کام اور بھی کریں۔

کاش! یہ ایسا کر لیتے، یہ ان لوگوں کے لحاظ سے کاش ہے، اللہ کے لحاظ سے کوئی یہ ایسا کرتے، کیا کہتے۔ یہ کہہ لیتے کہ اللہ کافی ہے۔

مجھ سے میرے محبوب سے فضل لے کے کہتے اللہ کافی ہے پھر کہتے ! اللہ بھی دے گا اپنے فضل سے اور اس کے فضل سے اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام بھی دیں گے۔

پھر کیا کہتے؟

یہ کہتے:

اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْن

ہم تو اللہ والے ہیں۔

ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت سرکار کا دروازہ دکھاتی ہے اور کہتی کیا ہے کہ رغبت اللہ کی ہے۔

نبی علیہ السلام کا دوبار نام لیا۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہ، وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَرَسُوْلُہٗ

دو بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا' کیا یہ اُن سے لینے والا غیر کا منگتا ہے' غیر کا بھکاری ہے' غیر کی طرف جانے والا ہے؟ معاذ اللہ بت کی طرف جانے والا ہے؟ رب فرماتا ہے

اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْن

جو اُن کے در پہ گیا وہ میرے در پہ آیا۔

اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْن

ہم تو اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

راہِ مدینہ سے ہٹانے والے لوگو! ہم غیر اللہ کی نہیں، ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں، اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں، یہ اہل حق، اہلسنّت و جماعت اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں، اس واسطے کہ رب ذوالجلال نے دو بار اپنے محبوب علیہ السلام کا نام لے کر اُن کو دینے والا قرار دے کر، بندوں کو لینے والا قرار دے کر، فرمایا جو ان سے لے وہ بھی کہے:

ہم غیر کے نہیں، اللہ کے بندے ہیں۔

اس پر گھنٹوں بحث کی جائے پھر بھی تھوڑی ہے۔ لیکن یہ ایک روحانی ڈوز (دوا) ہے اور رب ذوالجلال کے فضل کی اُمید پر اپنے سو فیصد یقین کی روشنی میں کہتا ہوں۔ کوئی شخص کتنا ہی گمراہی میں دھنسا ہوا کیوں نہ ہو، غیر جانبدار ہو کر اس آیت کی یہ تقریر سن لے، انشاء اللہ دل نور ایمان سے جگمگا اُٹھے گا۔ یہ نہیں ہے کہ اس نے سینے کے بٹن کھولے نہ ہوں اور بغض بھرا ہوا ہو اور یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں بڑی سخت کرتے ہیں، اس لئے میں سننے کو تیار نہیں، ایک بار سینے کے بٹن کھول کر، غیر جانبدار ہو کر یہ بیان سنے، خدا کی قسم ہے ضرور دل کی دھرتی میں، دل کے آنگن میں چاند اُتر آئے گا۔

''یا اللہ مدد باقی شرک و بدعت''

(فکر قرآن سے متصادم نعرہ)

اس کے بعد میں نے جو دعویٰ کیا کہ اللہ کے کافی ہونے کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی کافی ہے اور اپنے بعض بندوں کو بندوں کیلئے کافی کر دیتا ہے۔ یہ اگر کوئی دوسری ہوتی پھر ان کا کوئی دوسرا نام ہوتا، یہ اللہ والے ہی ہیں، یہ اللہ کی

پیدا کردہ Power ہیں۔ کیونکہ اللہ کی قدرت کے مظہر ہیں۔ لہٰذا یہ تو کافی کے اندر ہیں، حَسْبُنَا اللّٰہ میں ہیں، اللہ نے ان کو یہ شان دی ہے، بتوں کو نکالنا مقصود ہے، ابوجہل وغیرہ کو نکالنا مقصود ہے، اپنوں کو نکالنا مقصود نہیں ہے۔ اب بندے کی مدد، اس کی حیثیت کیا ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں جب اللہ ہے تو پھر بندے کی ضرورت کیا ہے؟ اور طعنے دیتے ہیں کہ یہ درباروں والے اور ہم ہیں اللہ والے، میں سینہ کھول کے کہہ رہا ہوں کہ یہ درباروں والے ہی اللہ والے ہیں۔ سن لو

قرآن مجید برہان رشید پارہ نمبر ۱۰ سورہ الانفال آیت نمبر ۶۲ میں رب ذوالجلال کا فرمان، خالق کائنات فرماتا ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

• یہ قرآن ہے اور اسی کا اللہ کے فضل سے ہمیں دھیان ہے، اور یہ ہی ہمارا ایمان ہے اور یہ ہی نیکیوں کا گلستان ہے۔

یہ قرآن بول رہا ہے
خالق کائنات فرماتا ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

مقام ہے جنگ کے اختتام پر، جب کسی دشمن سے صلح کرنے کی بات ہے اور اگر کوئی جھوٹی صلح کرے، اوپر سے صلح اندر سے کھوٹ، اُس کا ذکر آ رہا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

محبوب! اگر وہ (دشمن) ارادہ کریں کہ تمہیں دھوکہ دیں اور صلح ظاہر کر کے پھر حملہ کریں، جنگ کریں تو پھر تم کیا کہو؟ اب یہاں بھی پس منظر دیکھ لو، بات ہے دشمنوں کی،

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

اگر وہ تمہیں دھوکا دینا چاہیں

تو قرآن نکالنا چاہے گا دھوکے بازوں کو اور سرفرازوں کو نہیں نکالنا چاہے گا۔

قرآن کہتا ہے:

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ

اگر وہ اے محبوب ﷺ تجھے دھوکا دینا چاہیں۔

تو تم کیا کہو؟

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ

بے شک تمہارے لئے اللہ کافی ہے

بولو، بے شک تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔

تمہارے لئے اللہ............کافی ہے

اور تمہارے لئے اللہ..................کافی ہے

اور میرے لئے اللہ..................کافی ہے

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ

بے شک تیرے لئے اللہ کافی ہے۔

"اللہ کافی ہے" اس کا مطلب کیا ہے؟

قرآن خود بیان کرتا ہے۔ یہ روح امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ہے جو اس بیان پر بولتی ہے۔

اللہ کافی کیسے ہے؟

قرآن کہتا ہے:

هُوَ الَّذِي وہ اللہ وہ ہے

اَيَّدَكَ محبوب ﷺ جس نے تمہاری مدد کی

بِنَصْرِهٖ اپنی مدد کے ساتھ، جس نے تمہاری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ۔ کیا معاملہ ختم؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نہیں اپنی مدد کے ساتھ کیا فرمایا؟

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ اور صحابہ کی مدد کے ساتھ

اپنی مدد اور مومنین کی مدد سے

وہ لوگ سوچیں جو طعنے دیتے ہیں کہ رب کے ہوتے ہوئے بندوں کا نام لینے کی ضرورت کیا ہے؟

میں کہتا ہوں اس آیت سے پوچھو

بِنَصْرِهٖ کے بعد بِالْمُؤْمِنِيْنَ کی ضرورت کیا ہے؟

بِنَصْرِهٖ جو کہہ دیا

اللہ کے بعد ہے ضرورت کس کی؟

کوئی ضرورت نہیں تھی

لیکن پھر بھی کہا کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب اس کی مسلمانوں کو ضرورت پڑے گی۔

یعنی کہیں تو صرف حَسْبُنَا اللّٰه کہہ دیا، اس کے اندر ہی سب کچھ آ گیا، لیکن جب نبیوں ولیوں پر اعتراض ہوگا تو میرے بندوں کو پھر قرآن کھول کے پڑھنا پڑے گا اور ولیوں کا چہرہ بھی دکھانا پڑے گا، نبیوں کا پیغام بھی سنانا پڑے گا۔ میں شرح

صدر سے، پورے وثوق سے، شرق و غرب، شمال و جنوب تک جہاں کوئی سننے والا ہے، پورے وثوق کے ساتھ، ہر فورم پر اس بات کو ثابت کرنے کیلئے تیار ہوں کہ

داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مدد اللہ کی مدد کا حصہ ہے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مدد اللہ کی مدد کا حصہ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد اللہ کی مدد کا حصہ ہے

اللہ کے شہیدوں کی مدد اللہ کی مدد کا حصہ ہے

یہ میں نہیں کہتا، میرے رب کا قرآن کہتا ہے

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ

أَيَّدَكَ، تائید کی رب نے تمہاری

کن چیزوں سے؟ دو چیزوں سے

اسی آیت میں تو کہا تھا کہ اللہ تیرے لئے کافی ہے

اس آیت میں ابھی ایک لفظ پہلے تو یہ ہے

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ

اے محبوب ﷺ اگر وہ تمہیں دھوکا دیں

تو سارے کوشش کر لیں پھر بھی کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ کیوں؟

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ

تمہارے لئے اللہ کافی ہے

ابھی تو کہا رب کافی ہے پھر مومنین کو کیوں لے آیا

یہ ہے عقیدہ اہلسنّت، یہ ہے فکر رضا، یہ ہے حق کی صدا، یہ ہے حق کا بیان

ربِّ ذُوالجلال فرماتا ہے:

اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْن

فرمایا ایک ہے میری اپنی مدد ڈائریکٹ اور ایک ہے اِن ڈائریکٹ'

وہ ہے مومنین کی مدد

انبیاء اولیاء کو طاغوت ثابت کرنے والو مِنْ دُوْنِ اللّٰہ ثابت کرنے والو'

قرآن بول رہا ہے۔

محبوب ﷺ! کافی میں ہوں' آگے دو شعبے ہیں۔

ایک میری مدد' ایک میرے بندوں کی مدد

اس مقام پر امام رازی رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ ایک سوال اُٹھایا۔

(تفسیر کبیر جلد ۸/ ۱۹۸)

کہنے لگے: اللہ کی مدد میں تو کوئی کمی نہیں' جب اتنی بڑی مدد آ جائے تو پھر

چھوٹی مدد کا ذکر کیوں؟

جب کہہ دیا جائے کہ اللہ کافی ہے' اللہ کی مدد کافی ہے' تو پھر اس کے بعد

بِالْمُؤْمِنِیْن لانے کا مطلب کیا ہے؟

امام رازی کہنے لگے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی مدد کی دو قسمیں ہیں ایک ہے بلا

سبب مدد' ایک ہے بالسبب مدد

ایک ہے بلاواسطہ مدد' ایک ہے بالواسطہ مدد

ایک ہے ڈائریکٹ مدد' ایک ہے اِن ڈائریکٹ مدد

بِنَصْرِہٖ میں بلاواسطہ مدد کا ذکر فرمایا

وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ میں بالواسطہ مدد کا ذکر فرمایا
یہ مدد ہے اللہ کی' لیکن نام اللہ نے دور کھ دیئے'
اب میں ہوں اس انسان سے جو کہتا ہے

'یا اللہ مدد باقی سب شرک و بدعت''

میں کہتا ہوں قیامت تک وہ اس آیت کا جواب نہ دے سکے گا۔
اگر یا اللہ مدد کے بعد یا رسول اللہ ﷺ مدد کہنا ناجائز ہوتا' یا علی مدد'
یا غوث پاک مدد' یا صدیق مدد
یہ الفاظ اگر جائز نہ ہوتے تو وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ قرآن میں نہ ہوتے۔
اور وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ جب قرآن میں موجود ہیں تو کوئی گروہ ساری دیواریں بھی کالی کرے تو ان کا دل تو کالا ہو سکتا ہے' مومن کالے نہیں ہو سکتے۔
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ
پھر یہ یاد رکھو' کوئی یہ بھی نہ کہے کہ اس وقت تو وہ زندہ تھے اور زندہ کی مدد ہو سکتی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا اللہ کی توفیق سے مجازاً مدد کرنا بھی شرک ہے تو پھر میرے رب کا کوئی بھی شریک نہیں' نہ زندہ میں' نہ فوت شدہ میں یا پھر یہ تقسیم کر کے ہمیں بتاؤ کہ فوت شدہ تو اللہ کا شریک نہیں ہونا چاہیئے لیکن زندہ بن جائے تو کوئی حرج نہیں' پھر ان کی بات مان جائیں گے لیکن میرے رب کا نہ کوئی زندہ شریک ہے اور نہ کوئی قبر والا شریک ہے' تو ماننا پڑے گا کہ زندہ کی مدد آ جائے تو شرک نہیں ہوتا۔
اسی طرح جو قبر میں چلا جائے اس کی مدد باذن خدا تعالیٰ سے بھی شرک نہیں ہوتا۔
میرے رب کے فضل سے بعید کیا ہے وہ بے جان لکڑی جو حضرت موسیٰ علیہ

السلام کے عصا کی تھی اگر رب ذوالجلال اس میں جان ڈال سکتا ہے تو جہاں پہلے جان تھی اُس ولی سے مدد کیوں نہیں کروا سکتا؟

اللہ کی شان کا انکار کوئی نہ کرے، یہ رب ذوالجلال کی عظمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہ تجلی ڈالتا ہے، ہر طرف نور ہی نور ہو جاتا ہے۔

محتشم سامعین حضرات! قرآن مجید برہانِ رشید سے بیان کر رہا ہوں کہ رب ذوالجلال کے اس حکم حَسْبُنَا اللّٰه میں، اپنوں کی نفی نہیں ہے،

حَسْبُنَا اللّٰه میں غیروں کی نفی ہے۔

اور اللہ والوں کی مدد اللہ ہی کی مدد ہے۔

اور اس مدد کا اعلان رب ذوالجلال نے خود قرآن پاک میں کیا

یہ سورہ انفال کی اگلی آیت ہے آیت نمبر ۶۴:

﴿اللہ تعالیٰ اور مومنین کافی ہیں﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کلمہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی،

یہ میرے ہاتھ میں قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(پارہ ۱۰، سورہ الانفال، آیت ۶۴)

اے میرے نبی، تمہارے لئے دو چیزیں کافی ہیں۔

حَسْبُكَ اللّٰهُ

عطف ہے اللہ پر

وَمَنِ اتَّبَعَكَ۔ دوسرے تمہارے پیروکار

اللہ فرماتا ہے اے میرے محبوب! تمہارے لئے دو چیزیں کافی ہیں۔

کون سی؟

فرمایا ایک تو میں

وَمَنِ اتَّبَعَكَ

دوسرے تمہاری غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالنے والے۔

وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

فرمایا: جو تمہارے پیروکار ہیں وہ بھی تمہارے لئے کافی ہیں۔

اب جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بھی کافی مانے تو ان لوگوں کی مذعومہ توحید کو خطرہ پڑ جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: یہ چالیس ایمان لانے والے کافی ہیں، جو چالیس پورے ہوئے یہ کافی ہیں۔ مومنین کا نام لے کر اللہ نے کفایت کا ذکر کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن پڑھو تو قرآن کی زبان میں پڑھو۔

جہاں حَسْبُنَا اللّٰه ہے وہاں حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بھی ہے اور مومنین کا بطورِ خاص ان کی Value ظاہر کرنے کیلئے ذکر کیا۔

جس طرح میں نے پہلی آیت میں ذِکر کیا، اگلی آیت میں ذِکر کرنے کی ضرورت کیا ہے، فرق بیان کرنا مقصود ہے۔

کہ ابوجہل اب بھی مردہ ہے لیکن جنہوں نے تمہارا کلمہ پڑھا یہ زندہ ہو چکے ہیں وہ جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے پر آیت نازل ہو گئی تھی۔ اُس پس منظر میں رب ذوالجلال ماننے والوں کو بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ جس پورے ماحول میں صرف چالیس ماننے والے ہوں، تو اللہ فرماتا ہے یہ چالیس کوئی معمولی نہیں، ہم نے اپنی مدد کا مظہر بنا دیئے ہیں۔ تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور تمہارے ماننے والے کافی ہیں۔

پھر اس میں کسی کو یہ وہم نہ پڑے کہ وہ تمہارے نبی خود مدد کے محتاج ہیں اور وہ بھی بندوں کی مدد کیا کریں گے تو میں کہوں گا ایسا نہ بولنا' کیونکہ قرآن مجید میں یہ بھی ہے ان تنصروا اللہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے' مراد اللہ کے دین کی مدد ہے

چونکہ اللہ نے جو اپنی مدد کا ذکر کیا۔

میری مدد' میرے مددگار' مطلب کیا ہے؟ میرے دین کے مددگار۔

تو ایسے ہی یہ سارے مددگار جن کو دین کا مددگار بنایا جا رہا ہے اور واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اس انداز میں مددگار بنے ہیں کہ کل جب کوئی سوچنا چاہے گا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کتنے بڑے مددگار ہیں تو کہنے والا کہہ دے گا۔

اُن کی تو بعد کی بات ہے' اُن کے غلاموں کی بات دیکھ لو

جن کا غلام اتنا بڑا مددگار ہو وہ امام کتنے بڑے مددگار ہوں گے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے غلام کی طاقت

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت منگوانا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بیٹھنے والا' کتاب کا علم رکھنے والا' جس نے کہا تھا:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔ (پارہ۱۹، سورہ النمل، آیت۴۰)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کون اُٹھا کے لائے گا اُس کے تخت کو تو جن نے کہا مجلس ختم سے پہلے اور ولی نے کہا آنکھ جھپکنے سے پہلے'

ولی نے یہ کہا تو پتہ چلا کہ جس سلیمان علیہ السلام کا خادم اتنا پاور فل (طاقتور)

ہوا اُس سلیمان علیہ السلام کی اپنی طاقت کا عالم کیا ہوگا؟

اس انداز میں اس بات کو واضح کیا کہ جو آپ کی غلامی میں آ گئے ہیں،

وہ پہلے سے تبدیل ہو گئے ہیں، اب اُن کی صلاحتیں تبدیل ہوگئی ہیں

اب ان کی حیثیتیں تبدیل ہوگئی ہیں، رب ذوالجلال نے اُن کو بلند و بالا مقام عطا فرما دیا ہے۔

اب میں صرف اور صرف قرآن پڑھ کر اور ترجمہ چاہے کسی کا جا کے لے لو، ان آیات کا صحیح مطلب واضح کر رہا ہوں مگر ان سے پوچھو تو سہی کہ اسٹیکر چھاپتے ہیں تو بارڈر پار والوں کیلئے چھاپو، داتا صاحب کے دیوانوں کیلئے نہ چھاپو، کوئی ضرورت نہیں، یہ دین ہمارا ہے، یہ قرآن ہمارا ہے، یہ آیات ہماری ہیں اور یہ عقیدہ ہمارا ہے۔ اس صورت حال کے اندر خالق کائنات جل جلالہٗ کے اس فرمان کو جس کا میں نے ابھی ذکر کیا، جس وقت تفسیر والوں نے لکھا تو اس انداز میں قرطبی میں موجود ہے۔

کہ اس کا معنی کیا ہے

حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ کا

تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے

حَسْبُكَ الْمُهَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَار (قرطبی ۴/۴۰۰)

یہ دوسرا قول ہے

کہ سارے صحابہ کے بارے میں مطلقاً تھا

کہ تمہارے لئے مہاجر بھی کافی ہیں اور انصار بھی کافی ہیں

پھر ابن کثیر بولا

ابن کثیر نے کہا:

حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنْ شَهِدَ مَعَكَ۔ (ابن کثیر ۲/۳۳۷)

محبوب ﷺ تمہارے لئے اللہ بھی کافی ہے اور جو تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی کافی ہیں۔ تو یہ انداز ہے قرآن مجید برہانِ رشید کا رب ذوالجلال نے کافی ہونے والے مسئلے کو اتنا بیان کیا ہے کہ قیامت تک کافی ہو گیا ہے۔

☆ صرف اس آیت

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۳۶)

'کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟ کو پڑھ دینا اور پھر اپنا غلط مفہوم نکالنا' یہ صحیح نہیں۔ پڑھنا ہے تو قرآن سے پوچھ کے پڑھو' قرآن بتائے گا کہ معنی کیا ہے اور قرآن بتائے گا کہ نفی کس کی ہے۔

☆ اب دیکھیں قرآن مجید برہانِ رشید کا دوسرا مقام سورہ آل عمران آیت ۱۲۴۔

یہ میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے جس میں رب ذوالجلال نے کہا:

کافی ہونے کا مطلب بیان کر کے وہی شان اور وہی عقیدہ ثابت کیا ہے جو آج بھی سنی کے سینے میں موجود ہے۔

بدر کے میدان میں فرشتوں کی مدد

بدر کا موقع ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

محبوب جب آپ مومنین کو کہتے تھے

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ

(پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۲۴)

کیا تمہیں کافی نہیں۔ تم اپنے غلاموں کو بدر میں کہتے تھے

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ۔ کیا تمہیں کافی نہیں؟

کیا؟

کہ اللہ تمہاری مدد کیلئے تین ہزار فرشتے بھیج دے

صحابہ تین ہزار فرشتے کافی نہیں؟

تین ہزار، اُدھر منکر کہے

ایک بھی اللہ کے سوا کافی نہیں مان سکتے

ادھر قرآن کہے: تین ہزار

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہ

کیا اللہ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟

کیا جواب ہے؟

کافی ہے

کافی کیسے ہے؟

شروع میں میں نے کہا تھا:

حافظ خود ہے اور طاقت حافظوں کو دیتا ہے

ایسے ہی کافی خود ہے طاقت بندوں کو دیتا ہے

یہ قرآن مجید کا مضمون ہے

کیا اللہ تمہارے لئے کافی نہیں؟

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہ

کیا اللہ کافی نہیں؟

اللہ کافی ہے

کیسے کافی ہے؟

وہ دوسرا مقام سوچ لو رب ذوالجلال کا یہ فرمان چوتھا پارہ، سورہ آل عمران، آیت ۱۲۴ میں ہے: خالق کائنات جل جلالہٗ ارشاد فرمار ہا ہے:

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ۔ کیا تمہارے لئے کافی نہیں

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ

آپ کہتے تھے مومنین کو اے محبوب

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ

کیا تمہارے لئے کافی نہیں

کیا چیز؟

اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ

کہ رب ذوالجلال تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں کو بھیج کر کر دے۔

تو کافی کا مطلب کیا بنا؟

صحابہ تین ہزار کافی ہیں یا پانچ ہزار چاہیئے۔

رب تمہاری مدد کو تین ہزار بھیج دے۔

یہ مدد جو فرشتوں کے ضمن میں ہے یہ تمہارے لئے کافی ہے نا

رب ذوالجلال کا قرآن واضح کر رہا ہے کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

میں نفی بتوں کی تھی اپنوں کی نہیں تھی

نفی بتوں کی ہے اپنوں کی نہیں ہے

نفی لات منات کی ہے، نفی اپنوں کی نہیں ہے

خالق کائنات جل جلالہٗ نے اس مقام پر واضح فرمادیا

اور پھر دوسرے مقام پر ساتھ ہی رب ذوالجلال نے فرمایا:

بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ۝

(پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۲۵)

ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

صبر کرو گے تو پانچ ہزار بھی آ جائیں گے

یہ مطلب ہے

قرآن کا ایک لفظ پڑھ کے سارے قرآن کو چھوڑ دینا یہ قرآن مجید سے خیانت ہے اور قرآن مجید کے پورے مفہوم پر جو لوگ موجود ہیں وہ اہلسنّت اپنے ایمان کی حلاوت کے ساتھ موجود ہیں جو بابانگ دہل نعرہ لگا رہے ہیں۔

"ہمارے لئے اللہ کافی ہے"

اور اس کے مفہوم میں وہ سب کچھ ہے جو رب ذوالجلال نے خود قرآن میں بیان فرمادیا ہے۔

اب اس مقام پر رب ذوالجلال نے جو سورہ الانفال کے اندر اس مضمون کو جس

خوبصورتی سے بیان کیا' اُس کا انداز بھی دیکھ لیجئے تا کہ کافی ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے اور یہ درمیان میں جو وسیلہ ہم مانتے ہیں اُس کا پتہ چلے کہ ہم نے کہیں بیٹھ کے گھڑا نہیں ہے۔ یہ وسیلہ ہم نے قرآن سے پڑھا ہے' یہ وسیلہ وہ نہیں ہے جسے بھکھی شریف میں گھڑ کے پڑھایا ہے ہو یا سیال شریف میں گھڑ کے پڑھایا گیا ہو۔ یہ وسیلہ وہ ہے جو لوحِ محفوظ سے اُتر کے آیا ہے اور ان مراکز نے آ کے پہنچایا ہے۔

☆ ﴿جنگ بدر میں فرشتوں کا ثابت قدم رکھنا﴾

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ ۔(پارہ۹،سورہ الانفال،آیت۱۲)

جب اے محبوب ﷺ تمہارا رب وحی کرتا تھا فرشتوں کو

اَنِّیْ مَعَکُمْ

فرشتو! میں تمہارے ساتھ ہوں

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تم نے جا کے مومنوں کو ثابت قدم رکھنا ہے

یہ قرآن ہے' نہ سند کمزور ہے نہ متن کمزور ہے

یہ رب کا قرآن ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛

اَنِّیْ مَعَکُمْ۔ فرشتو! میں تمہارے ساتھ ہوں

فَثَبِّتُوا۔ ثابت قدم رکھو

کس کو؟

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ایمان والوں کو

اللہ فرماتا ہے: ثابت قدم تم نے رکھنا ہے' میں نے تم سے ان کو ثابت قدم رکھوانا ہے تاکہ پتہ چلے کہ اللہ کے بندے کی Power کتنی ہے؟

اب درمیان میں فرشتوں کے آنے کا مطلب کیا بنتا ہے؟

کہ رب کہتا ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ علیحدہ جملہ نہیں' قرآن کا جملہ ہے

اَنِّیْ مَعَکُمْ۔ فرشتو! میں تمہارے ساتھ ہوں

فَثَبِّتُوا۔ تم جاؤ ثابت قدم رکھو

رب چاہتا تو کافر گھر میں مر جاتے

رب چاہتا تو بدر میں آ کے اُٹھ نہ سکتے

رب چاہتا تو کفار تلوار پکڑتے اور ہاتھ سکڑ جاتے

لیکن یوں نہیں کیا' اُن کو صحابہ سے لڑایا ہے

اور صحابہ کو غالب کیا ہے اور فرشتوں کو بھیجا ہے

اور فرشتوں کو کہا یہ ہے کہ تم نے آگے جا کے ثابت قدم رکھنا ہے

تا کہ قیامت تک پتہ چلے وسیلہ یہ ہوتا ہے

وہ محتاج نہیں ہے وہ تو ڈائریکٹ بھی کر سکتا ہے

لیکن بیان کرنا مقصود تھا کہ ان درمیان والوں کو کوئی گالیاں کوئی نہ دے

ہم نے درمیان خود بنائے ہیں

درمیان کون؟ درمیان کون؟

روز کے نعرے' روز کے درس' روز کے جلسے

پوچھتے ہیں: بندے اور مولیٰ کے درمیان کون؟

یہ غیر، یہ غیر

میں پوچھتا ہوں، یہ درمیان کون؟

دھیان قرآن کی طرف کرو

قرآن کہتا ہے......درمیان میں فرشتے......درمیان میں وسیلہ

سنو! جو بدر میں اسلام ہے وہ گوجرانوالہ میں بھی اسلام ہے

درمیان میں کون؟

درمیان میں اللہ کے بندے جن کو رب نے خود رکھا ہوا ہے

اَنِّیْ مَعَکُمْ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

تم نے ثابت قدم رکھنا ہے

اور انہوں نے رکھا

ثابت قدم رکھنا کوئی معمولی سی بات ہے؟

دشمن ہزار سے زائد ہوں اور تین سو تیرہ لڑنے والے ہوں

اور دشمن کے پاس اسلحہ زیادہ ہو، سواریاں زیادہ ہوں،

تیر برس رہے ہوں، گھوڑے دوڑ رہے ہوں، تلواریں چل رہی ہوں پھر بھی

فرشتے آ کے آگے پیچھے ڈگمگانے نہ دیں، حوصلہ دیں

بھائیو! یہ مشکل کشائی نہیں تو اور کیا مشکل کشائی ہے

یہ حاجت روائی نہیں تو کون سی حاجت روائی ہے

☆ یہ مشکل کشائی ہے اور یہ حاجت روائی ہے

☆ رب نے بندوں سے بندوں کی کروائی ہے

☆ یہ آیت قرآن مجید میں آئی ہے
☆ اس لئے میں نے پڑھ کے سنائی ہے
☆ اس کے ماننے میں بھلائی ہی بھلائی ہے
☆ اور نہ ماننے میں رسوائی ہی رسوائی ہے
☆ اس واسطے دشمنوں کی شامت آئی ہے
☆ اور ہم اہلسنّت کی بھلائی ہی بھلائی ہے

یہ قرآن ہے رب ذوالجلال نے دوسرے مقام پر خود یہ الفاظ اپنے بارے میں بولے ہیں۔

سورہ محمد ﷺ چھبیسواں پارہ ہے خالق کائنات جل جلالہٗ نے خود اپنی یہ شان بیان کی اپنی شان بیان کرتے ہوئے رب ذوالجلال نے یہ کہا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ (پارہ ۲۶، سورہ محمد، آیت ۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو! اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ کہ اگر اللہ کی مدد کرو یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو گے یَنْصُرْكُمْ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ وہ کیا کرے گا؟

وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ تمہیں ثابت قدم رکھے گا

یہ ثابت قدم رکھنا مدد ہے، میں نے قرآن سے ثابت کیا

ع...... ثابت کو میں نے ثابت قرآن سے کیا

اللہ فرماتا ہے کہ اگر تم اس کے دین کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا وہ تمہیں ثابت قدم رکھے گا

ثابت قدم رکھنے والا اس جگہ کون ہے؟ اللہ

چھبیسواں پارہ سورہ محمد ﷺ

فرمایا: ثابت قدم کون رکھتا ہے؟ (اللہ)

ثابت قدم کون رکھتا ہے؟ (اللہ)

اور بدر ہو تو ثابت قدم کون رکھتا ہے؟

سرکار ﷺ کے غلام فرشتے'

تو پتہ چلا کہ اپنوں کا معاملہ اور ہے اور اوروں کا معاملہ اور ہے۔ یہ دین وہ نہیں کہ ہے کہ چھبیسویں پارے میں اور ہو اور نویں پارے میں اور ہو' اور بدر میں اور ہو اور مدینہ شریف میں اور ہو اور احد میں اور ہو اور خندق میں اور ہو۔

رب ایک ہے' دین ایک ہے' ہر دور میں توحید ایک ہے

ہر دور میں شرک ایک ہے' جو بدر میں توحید وہ آج بھی توحید ہے' اگر بدر میں شرک تو آج بھی شرک ہے' وہاں رب ذوالجلال فرما رہا ہے' اگرچہ یہ شان میری ہے' ثابت قدم میں رکھتا ہوں' فرشتوں تم جاؤ گے تو شرک نہیں ہو گا' مدد کرنی میں نے ہے کروانی تم سے ہے' تمہیں کہوں گا کہ تم ثابت قدم رکھو تا کہ پتہ چلے کہ میری صفت کے مظہر میرے بندے بن جاتے ہیں۔

قرآن ہے اور اگر تمہارا دھیان ہے

تو پھر یہ اعلان ہے' یہ سنی کا بیان ہے

نہ قصہ ہے نہ داستان' سارا قرآن ہے

یہ قرآن ہے اور اس کا کوئی کسی کے پاس جواب نہیں' اور یہ اٹل' حرف آخر' فیصلہ کن پیغام ہے اور میری سال ہا سال کی محنتوں کا نچوڑ ہے جو فہم دین کے فورم پر

تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اور صرف یہاں نہیں جہاں جہاں تک آواز جا رہی ہے' اپنے ایک ایک لفظ پر پوری دنیا میں پہرہ دیتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ)

☆ ﴿حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف﴾

اب دیکھیے قرآن مجید برہان رشید کا یہ انداز کتنا خوبصورت ہے

خالق کائنات جل جلالہٗ نے اپنے ایک پیغمبر کی شان بیان کی اور شان بیان کرتے ہوئے رب ذوالجلال نے جو مرتبہ بیان کیا اس سے ہماری اس پوری تقریر کی حمایت ایک نئے انداز میں ہو جائے گی۔

خالق کائنات جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے:

جہاں پر قرآن مجید برہانِ رشید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس وقت بولتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟

یہ تیسرا پارہ ہے سورہ آل عمران ہے' اور آیت نمبر ۴۹ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پنگھوڑے میں بولے خالق کائنات جل جلالہٗ نے اُن کی اس شان کا تذکرہ کیا' سولہویں پارے میں بھی ذکر ہے وہاں بھی تذکرہ موجود ہے۔ انہوں نے کیا کہا؟ کہنے لگے:

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ

(پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۴۹)

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ۔ واحد متکلم ہے

﴿حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذن خدا مشکل کشا﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ۔ اکمہ کو بری میں کرتا ہوں

اندھوں کو آنکھیں دیتے ہیں

اصل میں اکمہ کا گہرائی میں جو مفہوم ہے وہ صرف اندھا نہیں

اکمہ اُس اندھے کو کہتے ہیں جس کی آنکھوں کی جگہ ہی کوئی نہ ہو

جگہ ہو بینائی نہ ہو وہ اعمٰی ہے اور جگہ ہی نہ ہو وہ اکمہ ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

نظر تو نظر رہی، جس کی آنکھیں ہی نہ ہوں، ہاتھ پھیروں تو آنکھیں بھی آئیں گی اور نظر بھی آئے گی۔

پھر وَالْاَبْرَصَ برص کا جس کو مرض ہو، ہاتھ پھیروں گا صحیح ہو جائیں گے

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ

اور مردے کو میں اللہ کے اذن کے ساتھ زندہ کرتا ہوں

اب یہ اللہ کے ایک نبی نے اعلان کیا، اعلان کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ اعلان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس نے یہ کام کروانے ہوں، میں تیار ہوں، اور تو اس کا کوئی مقصد ہی نہیں تھا۔ جس نے یہ کام کروانے ہوں، میں تیار بیٹھا ہوں

اَکْمَہَ لے آؤ آنکھیں لے جاؤ

برص والا لاؤ، صحت والا لے جاؤ

مردہ لے آؤ، زندہ لے جاؤ

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان ہے

اگر آپ کے اعلان پر لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جانا حرام ہوتا تو مردے زندہ کروانے کیلئے اللہ اعلان کیوں کرواتا؟

بات بڑی قابلِ غور ہے، آج طعنہ دینے والے، اللہ کے بندوں کو اللہ کی

Opposition بنا کر پیش کرنے والے اور پھر یہ وہم ڈالنے والے کہ پھر اللہ کی طرف کون جائے گا' سارے ان کی طرف چلے گئے۔ ان ساری غلط اور فکری اُلجھنوں کو دور کرنے کیلئے یہ آیت پڑھ رہا ہوں۔

رب کے حکم سے اللہ کے نبی بولے اور انہوں نے اعلان کیا کہ یہ کام میں کرتا ہوں اور جس نے تم میں سے کروانے ہوں' میرا دروازہ کھلا ہے

یہ سارے کام بڑی مشکل کشائی کے ہیں'

اعلان رب نے کروایا' بندوں کو متوجہ کیا کہ میرا عظیم بندہ ہے اور کام اس نے یہ کرنے ہیں' اب وہ بندے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جارہے تھے تو اس وقت یہ دین نہیں تھا کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہ

کہ اللہ اپنے بندے کیلئے کافی ہے' اُس وقت بھی تو یہی اللہ تھا نا' اُس وقت بھی تو یہی توحید تھی' اُس وقت بھی تو یہی ایمان تھا' وہ جب جارہے تھے تو ان کو کسی نے حَسْبُنَا اللّٰہ نہ سنایا' کم از کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کہتے۔

حَسْبُنَا اللّٰہ کہو دور ہٹ جاؤ'

وہ خود کہتے ہیں میرے پاس آؤ' میرے پاس آؤ'

میں مردہ زندہ کروں گا میرے پاس آؤ' سارے لوگ جو ان کی طرف جارہے تھے' خود نہیں جارہے تھے حکم خدا پر جارہے تھے' پتہ چلا کہ جو اُس وقت شرک نہ ہوا وہ آج بھی شرک نہیں ہے۔ کیوں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قیامت تک کے مغالطے نکال دیئے' جب وہ آرہے تھے تو حَسْبُنَا اللّٰہ کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی تھی

کیوں؟ فرمایا: بِاِذْنِ اللّٰہ'

اُدھر: حَسْبُنَا اللّٰہ' اِدھر: بِاِذْنِ اللّٰہ تو حَسْبُنَا اللّٰہ کے اندر بِاِذْنِ اللّٰہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے' یہ سارے کام میں کروں گا' میں کروں گا' میں کروں گا' واحد متکلم کا صیغہ بولا اور پھر کیا کہا؟ فرمایا: باذن اللہ۔ کروں گا میں لیکن رب کے اذن سے کروں گا

یہی مؤقف ہے جس کو آج بھی کسی کی طرف سے بریلویت سے تعبیر کیا جاتا ہے'

سب کچھ میں کروں گا' واحد متکلم' اور کروں گا اللہ کے اذن کے ساتھ۔

یہ وہ قید ہے جو لوگ پوچھتے ہیں کہ تم کہاں سے اپنے پاس سے لگاتے ہو کہ یہ عطائی ہو' یہ اذن کے ساتھ ہے' یہ اذن کے ساتھ مدد کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اپنی جیب سے نہیں لگائی' قرآن مجید پڑھ کے سمجھی ہے اور پھر لفظ بڑے مزے کے ہیں۔

اُحْیِ ۔ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے اور پھر مضارع ہے

یہ نہیں کہا اَحْيَيْتُ۔ ایک بار میں نے مردہ زندہ کیا

اور آگے ہوتا اَلْمَيِّتَ ۔ ایک میت کو میں نے زندہ کیا

حالانکہ شان تو یہ بھی بڑی تھی کہا اجی۔

آگے میّت نہیں مَوْتٰی کہا

اُحْيِ الْمَوْتٰی۔ جو میت کی جمع ہے

اور اُحْيِ کا لفظ تجدد پر دلالت کرتا ہے' مطلب کیا ہے؟

ہر وقت مجھے یہ شان حاصل ہے' جو مردہ لائے گا میں زندہ کر کے دکھاؤں گا۔

اُحْيِ۔ یہ تجدد ہر لمحہ حاصل ہے' اس میں استمرار ہے

اُحْيِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہ

کوئی خاص مردہ نہیں کہ فلاں کو لاؤ تو زندہ کروں گا

فرمایا: کوئی مردہ لے کے آجاؤ' میں زندہ کرنے کی ہر وقت صلاحیت رکھتا ہوں

تو یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے اللہ نے واضح کر دیا کہ اللہ والوں کا کافی ہونا

میرے غیر کا کافی ہونا نہیں' یہ اللہ کے کافی ہونے کے شعبہ جات ہیں'

میں نے ایک کیسٹ سنی' بہت بونگا سا خطیب تھا پالتو کرائے کے لوگ جو وہاں سعودی عرب میں تقریریں کرتے ہیں' کسی بنگالی ماں کا' اُردو بولنے والا تھا اور پھر وہ بگڑ چکا تھا' اُس کو یہ فکر لاحق تھی کہ اگر یہ لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے در پہ چلے گئے' سارے لوگ داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے گئے' سارے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلے گئے' سارے سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پہ چلے گئے' اور اسی طرح دوسرے اولیاء کرام کے دروازوں پر چلے گئے تو پیچھے اللہ کیلئے کون بچے گا''۔

یہ فکر تھی اُس کو تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں' رب خود سمجھتا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جا رہے تھے تو تمہارے خیال کے مطابق یہ آیت بھی قرآن مجید سے نکال دینی چاہیئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلان رب نے خود کروایا' ظاہر ہے بندے تو پھر ان کے پاس ہی جا رہے تھے کہ یہ ہمارا بیمار ہے اس کو صحیح کر دے اور منکرین کی سوچ کے مطابق تو معاذ اللہ رب کو کمی آ گئی کہ بندے اُدھر چلے گئے ہیں' میری طرف کوئی نہیں آ رہا' یہ غلط سوچ ہے' یہ رب کی شان کے لائق نہیں' میرا رب ہر کمی سے پاک ہے' اور ان لوگوں کی طرف بھیج کے وہ بتا رہا ہے کہ ان کی طرف جانا بالآخر میری طرف ہی جانا ہے۔

اللہ کی صفتوں کو اپنے آپ کے اوپر قیاس کرنا شروع کر دیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ ان بندوں کو حکومتیں دے دے تو اللہ کے پاس کیا بچے'

حضرت سلیمان علیہ اسلام کی ہواؤں پر حکومت

میں نے کہا: قرآن میں ہے کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواؤں پر حکومت دے دی' اس وقت رب کو کیا کوئی کمی آ گئی تھی؟ کہیں دکھ افسوس کا اظہار ہے کہ ہواؤں والی حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کو دے چکا ہوں۔

اب میرے پاس کیا بچے گا اور وہ کمی سے بھی پاک ہے

پتہ چلا جو فکر دائمی توحید و رسالت کی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک پکی ہے' اللہ نے وہ توحید کا عقیدہ ہمارے سینوں کو عطا فرمایا ہے۔

یہ صرف آیات میں نے پڑھیں اور احادیث اس کے ثبوت میں سینکڑوں ہیں اور بالخصوص اختصار سے عرض کر دیتا ہوں۔ وقت وقت کی بات ہے پھر قسمت' پھر نصیب اور آج کا یہ پُر نور ماحول اور اہل ایمان کے یہ روشن چہرے۔ ایک شخص یہ فکر لے کے اٹھے گا اور آگے پھیلائے گا تو میرے لئے دونوں جہاں کی سعادتیں کافی ہو جائیں گی اور اگر کوئی دوسری سوچ والا بیٹھا ہے اللہ اس کی سوچ میں تبدیلی پیدا کرے اور وہ اپنی اصلاح کر لے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اُس پر اپنی رحمتوں کی برسات کرے اور اس کی آزادی کا سامان ہو جائے۔ بالخصوص خواتین اور اسلام کی وہ بیٹیاں جو اس پیغام کو سن رہی ہیں' وہ بھی اس پیغام کو آگے پہنچائیں اور بالخصوص ادارہ صراط مستقیم کے پلیٹ فارم پر وہ بھی متحرک ہو جائیں۔ کتنے خاندان غرق ہو رہے ہیں' ڈوب رہے ہیں' بدعقیدگی کی آگ میں جل

رہے ہیں اور ایک اسلام کی بیٹی بھرپور کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس واسطے ان آیات کو اچھی طرح پکا کر کے، یاد کر کے، اور پورے حوصلے اور ذمہ داری کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ کافی ہونے کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کافی ہیں

مصنف عبدالرزاق جلد نمبر ۴، ص ۹۸ پر یہ حدیث شریف موجود ہے۔

سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

عَنْ اِبنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبَّہٗ رَجُلٌ

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے گالی دی

تو سرکار ﷺ نے کیا فرمایا:

مِنْ یَکْفِنِیْ عَدُوِی

کون ہے جو اس کے مقابلے میں مجھے کافی ہو جائے

میں لفظ کافی ثابت کرنا چاہتا ہوں

کسی نے گستاخی کی، تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

کون ہے جو اس کے مقابلے میں مجھے کافی ہو جائے

آگے سب صحابہ نے یہ نہیں کہا: اللہ جو کافی ہے تو ہمیں کیوں کہتے ہو، کون ہے جو کافی ہو جائے۔

فَقَالَ الزُّبَیْرُ: اَنَا

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پھوپھی کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، عشرہ مبشرہ والے کہنے لگے:

اے محبوب علیہ السلام میں جو ہوں، اُٹھے اور اُس گستاخ کا سر اُتار دیا۔

اب یہ کافی ہونا محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کون ہے

جو یَکْفِینِیْ کافی ہو جائے

اگر ان لوگوں کا خیال لیا جائے تو نبی علیہ السلام کا معاذ اللہ کہنا ہی ٹھیک نہیں ہو گا کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی صحابہ کو کہنا کہ کون ہے جو مجھے کافی ہو جائے؟ پھر صحابی کا کہنا کہ میں کافی ہو جاؤں گا۔ یہ ساری باتیں معاذ اللہ غلط بنتی ہیں لیکن یہ غلط نہیں ہیں، صحیح ہیں اور پھر اصل میں واضح کرنا مقصود ہے۔

اب وہ دشمن جس نے سرکار ﷺ کی گستاخی کی ہے اللہ اس کو منٹ سے پہلے مار سکتا تھا آگ آتی جلا کے راکھ کر دیتی ہے لیکن مطلب یہ تھا کہ اللہ تو سب کچھ کر ہی سکتا ہے مزا تو یہ ہے کہ غلام اُٹھے، اُس کو پتہ چل جائے اور اُس گستاخ کا سر اُتار دے۔ یہ مفہوم ثابت کرنا تھا۔ سرکار ﷺ خود زبان ہلا دیتے وہ جل کے ہلاک ہو جاتا، مطلب یہ تھا۔

مَنْ یَکْفِینِی ۔اس کو کوئی غلط معنی میں نہ سمجھے، نہ رب کو کمزوری تھی نہ رب کے رسول علیہ السلام کو کوئی کمزوری تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ایمان کا زور کون رکھتا ہے۔

لفظ کفایت بولا ہے۔ حضرت زبیر نے کافی ہونے کا لفظ اپنے بارے میں بولا ہے اور شرک نہیں ہوا۔

مطلب یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی طاقت کا مظہر بننے جا رہے ہیں

☆ مصنف عبدالرزاق کے اسی مقام پر ہی یہ حدیث شریف موجود ہے:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کافی ہیں

ایک عورت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتہ چل گیا اور فرمایا من یکفنی عدوی۔ کون ہے جو میری دشمن کیلئے مجھے کافی ہو جائے؟

فَقَالَ خَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدِ۔ اَنَا:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کافی ہوں۔

اب یہ کافی کا لفظ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے سینے پر یہ آیت اُتری:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه۔ وہ خود بول رہے ہیں۔

مَنْ يَكْفِنِيْ۔ کون ہے جو میرے لئے کافی ہو

تو مقام پر اس کو واضح کر دیا گیا کہ یہ رب کی شان ہے وہ شان دینے کیلئے کافی ہونے کے باوجود کبھی غلاموں کو بھی سرکار ﷺ کیلئے کافی بنا دیتا ہے۔

قرآن مجید برہان رشید کی آیات اور احادیث کے اس ذخیرہ کے ساتھ جس میں بہت زیادہ فرامین محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لفظ کفایت کے ساتھ موجود ہیں اور لفظ حسب بھی احادیث میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَان وَ خَدِيْجَةُ بِنْتُ الْخُوَيْلَد وَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآسِيَةُ اِمْرَاَةُ فِرعَون

(مشکوٰۃ ص ۵۷۳)

اے انس (رضی اللہ عنہ)! آپ کیلئے جہاں کی عورتوں میں سے (عظمت و

مرتبہ کے لحاظ سے) کافی ہیں۔ حضرت مریم بنت عمران' حضرت خدیجہ بنت خویلد
' حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی
اب حَسْبُكَ کا لفظ بولا ہے وہی حَسْبُنَا اللّٰه والا حَسب موجود ہے اور
یہاں پر اس مفہوم کو واضح کیا جا رہا ہے کہ جس نے خواتین کے فضائل دیکھنے ہوں یہ نام
کافی ہیں' جس نے خواتین کی عظمت دیکھنی ہو یہ نام کافی ہیں' جس نے خواتین کا مرتبہ
دیکھنا ہو یہ مذکور نام والی خواتین اس سلسلہ میں کافی ہیں۔

ابن آدم کیلئے چند لقمے کافی ہیں

ایسے ہی سید عالم نور مجسم' شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

حَسْبُ اِبْنِ آدَمْ۔ آدمی کیلئے کافی ہے' کیا؟

لُقَیْمَاتٍ یُقِمْنَ صُلْبَهٗ۔ (قرطبی جلد ۳، ص ۲۵۱)

چند لقمے جو اُس کی پشت سیدھی رکھیں۔

یعنی روٹی کے چند لقمے' اس پر بھی حسب کا لفظ بولا گیا'

اپنی اپنی کیفیت' اپنے اپنے درجے میں' یہ بھی حسب ہے۔

فرمایا: تمہارے لئے روٹی کے چند لقمے کافی ہیں۔ کھا لو تو پشت سیدھی رہے'
نہ کھاؤ تو ٹیڑھے ہو جاؤ گے۔ اب جہاں نبی علیہ السلام کے فرمان میں روٹی کے لقمے پر
حسب کا لفظ بولنا جائز ہوا تو پتہ چلا حَسْبُنَا اللّٰه کا مفہوم یہ ہے اللہ خود بھی کافی ہے اور
اس کی دی ہوئی روٹی کا لقمہ بھی کافی ہے۔

یہ مفہوم ہے تو دین ہے' دوسرے لوگ اندرونی طور پر اس چیز کو مان چکے

ہیں' ان کا گزارا اس کے بغیر نہیں' ظاہر میں جو کچھ چاہے کہتے رہیں' اگر یہ اندر باہر سے نعرہ ہوتا حَسْبُنَا اللّٰه تو پھر تزکیہ کورس میں بندوں کو لانے کیلئے ٹی وی سیٹ دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

کیا ضرورت پڑی تھی' انعام دینے کی' رب کا انعام کافی ہے' رب کا انعام کافی ہے۔

بھٹی میرج ہال میں آنے والے روزانہ T.V سیٹ کے لالچ میں نہیں آتے ان کیلئے رب کا انعام کافی ہے' یہ عملاً ثابت کرنا پڑے گا' یہ دین ہے' یہ ایمان ہے۔

حق پہ پہرا دینے کا عہد و پیمان

میں اپنی گفتگو ختم کرنے سے پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا اس کے لحاظ سے اپنی روح کی گواہی کو ضروری سمجھتا ہوں اور اپنی آخری سانس تک اس فکر پر پہرہ دینے کی سعادت مجھے رب عطا کرے اور انشاء اللہ پہرہ دوں گا میں نے حق جانتے ہوئے حق سمجھتے ہوئے حق بیان کر دیا ہے اور جہاں بھی کسی کو شک ہو گا حق ہم ثابت کریں گے (انشاءاللہ تعالیٰ) کیوں؟ اس لیے کہ

لٹک جانا تو آتا ہے اٹک جانا نہیں آتا
کسی کے رُعب سے پیچھے دبک جانا نہیں آتا
میں غنچہ ہوں جو کھل جائے نسیمِ حرمِ کعبہ سے
مجھے ایوانِ شاہی میں چٹک جانا نہیں آتا
رہِ طیبہ میں کر لیں گے ہو جتنی آبلہ پائی
نجد دیوبند کے رستوں میں بھٹک جانا نہیں آتا

گزر اوقات کر لیں گے کسی بھی پیڑ کے نیچے
مگر گستاخ نگری میں پھٹک جانا نہیں آتا

ہم وہ نہیں ہیں جو کبھی کسی کے چرنے میں چلے جائیں اور کبھی کسی کے چرنے میں، بعد میں کسی اور چرنے میں، نہیں

گزر اوقات کر لیں گے کسی بھی پیڑ کے نیچے
مگر گستاخ نگری میں پھٹک جانا نہیں آتا

غلامانِ مجدد ہیں رضا کی فکر کے بیٹے
کسی کے دانے پانی پہ لپک جانا نہیں آتا
جلالی[1] ہوں پلا ہوں وادیٔ احرار بھکھی میں
رزمِ گاہ حقیقت سے کھسک جانا نہیں آتا
شہِ بغداد کے سائے میں میں نے آبرو پائی
مجھے خالی تصنع سے چمک جانا نہیں آتا
علم میں پختگی پائی محمد کی عطا[2] سے ہے
سوائے فکر نورانی[3] دمک جانا نہیں آتا
خدا توفیق دے آصف بڑھیں گے آخری دم تک
ہمیں راستے میں آنکھوں کا جھپک جانا نہیں آتا

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

1: امام العصر حضرت پیر سید محمد جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے
2: تاجور کشور تدریس حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ
3: قائد اہلسنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ

باب نمبر
5
استقبال
رمضان المبارک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَوْلَاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واتم برہانہ واعظم شانہ، کی حمد وثناء اور حضور پرنور، شافع یوم النشور، دستگیر جہاں، غمگسار زمان، سید سروراں، حامی بے کساں، قائد الانبیاء، احمد مجتبیٰ، جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں درود وسلام عرض کرنے کے بعد

آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔

استقبال رمضان المبارک

دعا ہے کہ خالق کائنات ﷻ ہمیں ماہ رمضان المبارک کے آداب سمجھنے، انہیں بجالانے اور احترام کے ساتھ صحت وتندرستی کی حالت میں، اس عظیم مہینے کو رخصت کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس میں خالق کائنات ﷻ نے ماہ رمضان المبارک کے آداب اور اس کے احترام میں سے جو سب سے بڑا امر ہے، اس کا ذکر فرمایا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵)

تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پالے،

اس مہینے کا گواہ بن جائے،

اس مہینے کے پاس حاضر ہو جائے۔

اس مہینے کی آمد کے وقت، تم میں سے جو شخص بھی زندہ ہے، حالت ایمان میں ہے اور صحت وتندرستی کے ساتھ ہے۔

فَلْيَصُمْهُ

تو وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔

طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک، اس مہینے کے اندر، نیت صوم سے (روزے کی نیت) سے سارا دن کھانے پینے اور جماع کے بغیر گزار دے،

خالق کائنات جل جلالہ نے اس مہینے کا یہ ادب اپنے بندوں کو بتایا ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کافی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تفصیل کو جو آپ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمائی، روایت فرماتے ہیں۔

خطبہ استقبال رمضان

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ آخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ

نبی اکرم ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا

نبی اکرم ﷺ نے اس خطبہ کے اندر رمضان المبارک کا تعارف اپنی امت کو کروایا اور اس سے مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دل میں رمضان المبارک کے آنے سے پہلے مزید شوق پیدا ہو جائے کہ کتنی بابرکت ساعت اور پر کیف لمحات ہمیں میسر آ رہے ہیں، تاکہ ان کے اندر جو بندگی کا حق ہے اور انہیں مشغول و مصروف رکھنے کا جو طریقہ ہے، وہ لوگوں کو پہلے ہی معلوم ہو، جونہی وہ مہینہ شروع ہوتا جائے تو اس کا ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے پائے، بلکہ اس کی ساری کی ساری سعادتوں کو سمیٹنے کیلئے پہلے ہی امت کے افراد کمر بستہ ہو چکے ہوں، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے ہوئے آداب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی تفصیل کی روشنی میں وہ پورے کا پورا مہینہ گزار دیں، تاکہ ان کو اس مہینے کے صحیح اجر و ثواب تک پہنچنے کی توفیق حاصل ہو سکے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو رمضان المبارک کی آمد سے قبل خطبہ دیا، اس سے آپ ﷺ کے انداز تبلیغ کی ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ اگر رمضان المبارک کا روزہ کی حالت میں، یہ سبق پڑھایا جاتا تو یقیناً بہت مفید ہوتا، اور بہت سی ایسی احادیث بھی ہیں جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت روزہ میں ہی

ارشاد فرمائیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس خطبہ کو رمضان شریف سے مقدم کیا، اس سے یہی اسلوب اخذ ہوتا ہے کہ

ایک تو یہ ہے کہ امت کو اس کی اہمیت کے بارے میں پہلے سے پتہ چل جائے۔ اور دوسرا یہ کہ اس کی گھڑیوں میں، اس کے وقت میں جو زرخیزی ہے اس پر امت پہلے مطلع ہو جائے، تیسرے نمبر پر یہ ہے کہ امت اس بات کو اپنا لے کہ کسی بھی اہم وقت کے آنے سے پہلے اس وقت کا جو تعارف ہے وہ اپنے ذہن میں رکھیں، پھر اس وقت کے آنے کیلئے تیاری کریں، ایسا نہ ہو کہ بغیر تیاری اور شوق کے وہ بہت بڑا مہمان اچانک آجائے۔

اس کیلئے پہلے تیاری ہو، ذوق وشوق پیدا ہو چکا ہو، اور پھر حالت انتظار ہو۔ انتظار کے لمحات میں جب وہ مہمان آئے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے ارشادات کی روشنی میں اس کا ادب واحترام کیا جائے۔

ارشادات نبوی ﷺ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمومی طور پر بھی اپنے خطبات میں وقت کی قدر و قیمت کے بارے میں بہت زیادہ ارشاد فرمایا، کہ کبھی بھی تمہیں اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ لیلۃ القدر کی شب کا لمحہ نہ ہے، خواہ وہ رمضان المبارک کی رات کا حصہ نہ ہے، مطلقاً تمہاری زندگی کا جو بھی دن ہے، جس کے اندر تم صحت و عافیت کے ساتھ موجود ہو۔

اگر تم سوچو تو ہر رات ہی قدر کی رات ہے، اور ہر دن ہی ایک ایسا دن ہے کہ جس کی قیمت ہمارے خیال میں بھی نہیں آسکتی، اس سے پوری امت کے اندر وقت کو صحیح مصرف کے اندر خرچ کرنے کا ایک سلیقہ آجائے اور کاہلی، سستی اور بغیر مقصدیت کے

دن گزارنے سے لوگ اجتناب کریں، اس واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقت کی قدر و قیمت اور اہم واقعات کے آنے سے پہلے اس قسم کے خطبات ارشاد فرمائے، مثال کے طور پر آپ فرماتے ہیں:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ

(مشکوٰۃ کتاب الرقاق الفصل الثانی ص ۴۴۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو

پہلے نمبر پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ

اپنی تندرستی کو بیماری سے پہلے غنیمت جانو،

یعنی بیماری کے وقت کا کوئی پتہ نہیں ہے وہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے تو اپنی تندرستی اور صحت کے جو ایام ہیں ان کو غنیمت جانو، جب بیماری آ جائے گی تو اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ صحت کے دنوں کی قیمت کتنی تھی؟ جب تمہارا جی چاہے گا کہ میں سجدہ کروں مگر طاقت نہیں ہوگی کہ تم سر جھکا سکو، جب جی کرے گا کہ میں راتوں کو قیام کروں مگر اتنی توفیق نہیں ہوگی کہ تم ایک رات بھی کھڑے ہو سکو، اس واسطے یہ فرمایا کہ اپنے صحت کے جو دن ہیں ان کو مرض کے آ جانے سے پہلے غنیمت سمجھو، انہیں قیمتی سمجھو، اور انہیں ایک ایسا قیمتی سرمایہ سمجھو جس کی قدر و قیمت تمہارے پاس کوئی نہیں ہے۔

دوسرے نمبر پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ

اپنے شباب کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانو،

جب بڑھاپا آ جائے گا تو یہ شباب والی طاقت نہیں رہے گی لہذا اب وقت ہے کہ

اس کو عبادت میں خرچ کر لو، آج اس کو عظیم سمجھو، اس بڑھاپے کے آنے سے پہلے پہلے، دوسرا وقت آنے سے پہلے پہلے اپنے آپ کو اس کیلئے تیار کرو، اور اس وقت کو صحیح مصرف میں استعمال کرو۔

تیسرے نمبر پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

حَیٰوتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ

اپنی حیات کو موت سے پہلے غنیمت جانو،

جب موت آجائے تو پھر زندگی کے یہ لمحات، جو آج ہم دنوں کے دن، ہفتوں کے ہفتے، مہینوں کے مہینے، اور سالوں کے سال، بغیر کسی مقصد کے گزار دیتے ہیں، جب موت آجائے گی تو ایک سیکنڈ بھی ہمیں زائد نہیں دیا جائے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ میرے دنوں کی قیمت کیا تھی؟ ہفتوں کی قیمت کیا تھی؟ راتوں کی قیمت کیا تھی؟

لہٰذا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تنبیہ کی گئی، سبق پڑھایا گیا کہ اپنے اوقات کو قیمتی جانو، تمہارے کچھ ایسے وقت آنے والے ہیں کہ جن کے آنے کے بعد تم کو وہ پہلی نعمتیں حاصل نہیں ہوں گی،

چوتھے نمبر پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

فَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ

اپنی فراغت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت جانو،

پانچویں نمبر پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

غِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ

اپنی مالداری کو اپنے فقر سے پہلے غنیمت جانو،

جب فقر آجائے گا، مال پاس نہیں رہے گا، بھوک گھر میں آجائے گی، پاس کچھ

نہیں ہوگا، ہر طرف بھوک اور ناداری کے سائے آجائیں گے۔

پھر پتہ چلے گا کہ مال اور دولت سے کس طرح انسان نیکی کما سکتا ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چیزیں اپنی امت کے افراد کو بیدار کرنے کیلئے ارشاد فرمائیں کہ کبھی بھی غفلت میں دن نہ گزارو، کبھی بھی اس نہج پر نہ سوچو کہ میری زندگی کے بہت سال ابھی باقی ہیں، بہت سا وقت ہے، ابھی تو میری زندگی میں کئی رمضان آئیں گے۔

ابھی تو میں کئی قدر کی راتوں کو پا سکوں گا، ابھی تو میرے لئے بخشش کے کئی مواقع ہوں گے، جو شخص یہ کہتا رہتا ہے، ہمیشہ محروم ہو جاتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو اتنا پابند کر لیتا ہے کہ آج جمعہ ہے، وہ یہ سوچے کہ شاید یہ میرا آخری جمعہ ہے، اور یہ جو رمضان المبارک ہے شاید میری زندگی کا آخری رمضان المبارک یہی ہے۔ نقشہ پیش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ جب انسان کو اس بات کا ایقان ہو جائے گا تو پھر غفلت سے ان دنوں کو نہیں گزارے گا، بلکہ سارے کے سارے دن اس طرح گزارے گا جیسے کہ شریعت میں یہ مطلوب ہیں کہ اس نقشے کے مطابق ان اوقات کو بسر کرو۔

عظمت رمضان المبارک

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ۔

(مشکوٰۃ کتاب الصوم، الفصل الثالث ص ۱۷۳ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

میرے صحابہ! تم پر ایک بہت عظمت والا مہینہ سایہ کرنے والا ہے۔

اس کا سایہ پھیلنے والا ہے۔

شعبان کے آخری دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو فرما رہے ہیں کہ

رمضان شریف بالکل قریب پہنچ گیا ہے، ابھی اس کی رحمت کا سایہ اور اس کی رحمت کی چھتری پوری دنیا پر تن دی جائے گی۔

وہ عظمت والا مہینہ ہے، پورے کے پورے مہینے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ عظیم کا اطلاق فرمایا۔

یہ مہینہ، اس کے دن، اس کی راتیں، اس کی صبحیں، اس کی شامیں، اس کی فجر، اس کی ظہر، اس کا گھنٹہ، اس کا منٹ، پورے کا پورا مہینہ جو ہے، خالق کائنات نے اس کو عظمتوں سے ہمکنار فرمایا ہے۔

مہینے کو عظمت والا کہنے کا مطلب کیا تھا؟

مطلب یہ تھا کہ یہ مہینہ عظمت والا ہے، یعنی جو اس کے اندر عبادت کرتا ہے وہ عظمت والا بن جاتا ہے۔ جب وقت میں اتنی عظمت ہے، اس ظرف میں اتنی عظمت ہے، اس زمان میں اتنی عظمت ہے، تو اس وقت کے دن جو اللہ کی بندگی کرے گا، یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس بندے کو بھی عظمتوں سے ہمکنار کر دے گا۔

رمضان المبارک کی برکات

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

شَهْرٌ مُّبَارَكٌ

یہ مبارک مہینہ ہے۔

مبارک کا معنی برکت دیا گیا۔

اس کو یہ عظمت بھی دی گئی ہے، اس کو برکت بھی دی گئی ہے۔

اس کے اندر خالق کائنات نے برکات رکھی ہیں، آگے ان برکات کا ذکر تفصیلاً آتا

ہے کہ خالق کائنات نے اسے کس قدر عظیم بتایا ہے، اور کس قدر خالق کائنات نے اس کے اندر برکتیں رکھی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اجمالی تعارف کروانے کے بعد، آگے اس مہینے کا جو بڑا کام ہے، جس غرض سے اس میں برکتیں رکھی ہیں، اس کا ذکر فرمایا:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَّ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا

خالق کائنات نے اس مہینے کو عظمت والا بنایا ہے، برکتوں والا بنایا ہے، مطلب کیا ہے؟ اس مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو خصوصی قرب عطا فرماتا ہے۔

خالق کائنات کے بندوں پر جو احسان ہیں انہی کی وجہ سے اس مہینے کو برکت ملی ہے، انہیں کی وجہ سے مہینہ مبارک بن گیا ہے۔

نوازشات الٰہی

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مہینے میں اپنے بندوں کو خصوصی قرب عطا فرماتا ہے، جب اللہ اپنے بندوں کو قرب دینا چاہتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ پھر یہ میری مرضی کے مطابق رہیں، شیطان کی کوئی بات بھی تسلیم نہ کریں اور عملاً شیطان کو مسترد کردیں۔

عقیدے کے لحاظ سے تو مسلمان ویسے ہی شیطان سے نفرت کرتا ہے۔

ایک لمحہ کیلئے بھی اگر وہ کہے کہ میں شیطان پر خوش ہوں یا شیطان مجھ پر خوش ہے یا میں شیطان کی بات ماننے

والا ہوں تو اس سے وہ اسلام سے باہر نکل جائے گا۔

عقیدے کے لحاظ سے تو وہ ہمیشہ دن رات یہی کہتا ہے کہ میرا معبود صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ہے، اور میں اس کی بات ماننے والوں میں ہوں، لیکن عملاً ہم سے کچھ باتیں

ایسی ہو جاتی ہیں جو عقیدے کے مطابق نہیں ہوتیں، یعنی جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ ہی معبود ہے، ہم اس کے حکم کے بندے ہیں، جیسے وہ فرمائے گا ویسے ہی ہم کریں گے۔

ہماری رات بھی اسی کیلئے، ہمارا دن بھی اسی کے لئے، لیکن اس کے باوجود جو گناہ ہو جاتے ہیں، وہ ہمارے اس دعوے کے مخالف ہیں اور اس کی تردید کر رہے ہیں، یہ جو عملاً انسان سے سرکشی ہو جاتی ہے، خالق کائنات یہ چاہتا ہے کہ جیسے زبان سے میری عظمتوں کا اظہار کرتے ہیں، اور میرے حکم کے پابند ہونے کے دعویدار بنتے ہیں، ایسے ہی اپنے عمل سے بھی ثابت کریں کہ ہم تو ہر سانس اللہ کے حکم کے مطابق گزار رہے ہیں۔

اسی لئے تو روزہ دار کے بارے میں کہا گیا کہ جس وقت وہ سو جاتا ہے، اس کی ہڈیاں بھی اللہ ﷻ کی تسبیح کرتی ہیں۔

سارے کا سارا وقت چونکہ اللہ کے اذن پر، اللہ کے حکم پر وہ گزار رہا ہے، اگر چہ وہ سو گیا، اس کو کوئی پتہ نہیں کہ میری اس وقت کی حالت کیا ہے؟ لیکن خالق کائنات ﷻ نے اس کی ہڈیوں کو یہ توفیق بخشی کہ یہ آرام کر رہا ہے اور اس کی ہڈیاں اللہ ﷻ کی تسبیح کر رہی ہیں۔

خالق کائنات نے جب اس کو اتنا عظمت والا بنایا تو چاہا کہ پھر بندے اس کے اندر خصوصیت کے ساتھ میرا ہی حکم مانیں، میری ہی رضا کے مطابق کام کریں اور شیطان کے وساوس اور پھندوں سے آزاد رہیں،

لہٰذا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میرے صحابہ! یہ جو مبارک مہینہ آیا ہے۔

جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس مہینے کے روزوں کو تم پر فرض قرار دے دیا

وَقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعاً

اور خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس کی رات کا قیام جو ہے، جس کو ہم نماز تراویح کہتے ہیں، خالق کائنات نے وہ تمہارے لئے مسنون بنا دیا ہے۔

رات کے قیام کو تَطَوُّعَ، نفلی عبادت بنا دیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دن کا نصاب بھی تمہیں دے دیا ہے اور اس کی راتوں کا نصاب بھی تمہیں عطا فرما دیا ہے۔

روزہ دار کے لئے انعامات

حدیث شریف میں جو دن اور رات کا کام ہے، اس میں اصطلاح کے لحاظ سے فرق تو بیان کیا گیا، کہ دن کا روزہ فرض قرار دیا گیا، رات کا قیام فرض نہیں، نفل قرار دیا گیا، لیکن جب دوسرے مقام پر اجر کا، ثواب کا بیان کیا گیا، تو دونوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ اجر وثواب بیان فرما دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

جس نے رمضان کے مہینے کے روزے ایمان کی حالت میں اور ثواب کے حصول کی نیت سے رکھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے پہلے سارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

یہ دن کے روزے کا اجر بیان کیا، ساتھ ہی رات کے قیام کا اجر بھی انہیں الفاظ

کے ساتھ بیان کر دیا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جس نے رمضان المبارک کی راتوں کو حالت ایمان میں اور طلب ثواب کیلئے قیام کیا، نماز تراویح پڑھی، اللہ ﷻ اس کے بھی پہلے سارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

فرض کی فرضیت کی نوعیت اگر چہ اور ہے اور اس کا مقام و مرتبہ اپنی فنی حیثیت سے بہت بڑا ہے، اور اس کے ترک پر جو وعید ہے، وہ بہت بڑی وعید ہے، لیکن اجر و ثواب کے لحاظ سے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ دن کا اجر زیادہ دیا اور رات کا اجر تھوڑا دیا، دن کا جو نصاب ہے اس سے بھی مغفرت ملتی ہے اور رات کا جو نصاب ہے اس سے بھی بخشش ملتی ہے۔

جو دن کا روزہ حالت ایمان میں ثواب کی نیت سے رکھے گا، خالق کائنات ﷻ اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور جو رات کا قیام طلب ثواب اور حالت ایمان میں کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے گناہوں کو بھی معاف فرمادیگا۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس مہینے کا نصاب بیان کرنے کے ساتھ اس کے اندر جو سنہری مواقع ہیں، ان کا تذکرہ بھی اس خطاب میں رمضان المبارک کے آنے سے پہلے کیا۔

﴿بے شمار نیکیاں﴾

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اندر نیکی کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، خالق کائنات کی رحمتیں زیادہ ہوتی ہیں، بندہ تھوڑا سا بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف مائل ہوتا ہے تو خالق کائنات کی رحمتیں بہت بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہیں۔

مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ

جو شخص اس مہینے کے اندر کوئی کارِ خیر کرتا ہے، جو بندے پر فرض تو نہیں تھا، نفلی کام تھا، لیکن اللہ جل جلالہٗ کی رضا کے حصول کے لئے جو شخص یہ نفلی کام کرتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو فرض جتنا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

یعنی اس وقت کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ وسعتیں رکھی ہیں، خالق کائنات جل جلالہٗ نے اتنا انعام رکھا ہے، ویسے تو فرض کا یہ منصب ہے، کہ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ دوسرے اوقات کے اندر اجر وثواب بہت زیادہ عطا فرماتا ہے۔

لیکن جو دوسرے دنوں کے اندر فرض کا اجر و ثواب ہوتا ہے، خالق کائنات جل جلالہٗ اس مہینے کے اندر نفلی عبادت کرنے والے کو اتنا اجر وثواب عطا فرما دیتا ہے۔ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، یہ نہیں کہ نفلی کا معیار تو فرض تک پہنچ گیا اور فرض کا معیار وہیں رکا رہے،

وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فرض ادا کیا، اس نے گویا کہ ایسے ستر فرائض ادا کئے، جو کہ رمضان شریف کے علاوہ دنوں میں اس نے کئے ہوں، رمضان شریف کے دنوں کے علاوہ جو شخص ستر فرائض ادا کرتا ہے، اور رمضان المبارک میں ایک فرض دا کرتا ہے، خالق کائنات جل جلالہٗ اس بندے کو اس ستر فرائض جتنا ثواب عطا فرمادے گا۔

خصائص امت محمدیہ

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے خصائص میں سے ہے کہ اس کیلئے ایسے سنہری مواقع ہیں، اور یہ سرکار ﷺ کا فیض عام ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا فیض عام ہے کہ کچھ ایسی چیزیں تھیں کہ جنہیں ہم حاصل نہ کرسکیں لیکن سرکار ﷺ نے ان چیزوں کا عوض ایک طرح کا پوری امت کو عطا فرمادیا، اس وقت کے لوگوں کو بھی، بعد والے لوگوں کو بھی۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو حالت ایمان میں دیکھنا، یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ کروڑ سال کی بندگی بھی ہمیں اس مقام تک نہیں پہنچا سکتی، یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا ایک خاصا تھا جن کی وجہ سے ان کو خاص کر دیا گیا مگر بعد والوں کے لئے نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مواقع ضرور ان کو بھی عطا فرمائے۔ اگر چہ رخ زیبا ﷺ کو دیکھنے کا انہیں شرف حاصل نہیں ہوسکا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں بھی ایسا وقت دیا گیا کہ جس کے اندر نیکی پروان چڑھتی ہے، نفل فرض تک پہنچتا ہے، فرض ستر فرائض تک پہنچتا ہے۔

ایک قدر کی رات جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، یہ سارے کے سارے فوائد اور سنہری مواقع دیئے گئے تا کہ ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہے۔

وہ پہلے تو پہلے ہیں، وہ تو سبقت لے گئے، وہ سابقون ہیں، ان کی گرد راہ تک بھی ہم نہیں پہنچ سکتے، مگر یہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض عام ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ کیلئے اپنی امت کو ایسے زمان عطا فرمادیئے، ایسے ظروف اور ایسے اوقات عطا فرما دیئے کہ جن کی بدولت ان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ یہ کام تھوڑا کرتے ہیں اور اجر وثواب بہت زیادہ مل جاتا ہے۔

صبر والا مہینہ

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو تعارف کروا رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ

یہ صبر کا مہینہ ہے۔

یعنی رمضان المبارک صبر کا مہینہ ہے۔

وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

اور صبر کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

رمضان اگر صبر کا مہینہ ہے تو صبر کیا چیز ہے۔؟

فرمایا کہ صبر کا ثواب جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور اس سے بڑھ کے اور اجر کیا ہو سکتا ہے ؟ کہ خالق کائنات جل جلالہ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ

رمضان صبر کا مہینہ ہے اور اللہ جل جلالہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے،

خالق کائنات جل جلالہ ان کو اپنی معیت عطا فرماتا ہے، وہ تو ایسے ہی ہر چیز کے قریب ہیں، کسی سے بعید نہیں ہے، لیکن بندہ غفلت کی وجہ سے جب اپنے آپ کو دور سمجھ رہا تھا، اس نے صبر کیا تو صبر کی وجہ سے اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے خالق کائنات جل جلالہ کا قرب حاصل ہو چکا ہے۔

یہ صبر کا مہینہ ہے، صبر کی جزا جنت ہے۔

ہمدردی کا مہینہ

آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ

وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ

یہ ہمدردی کا مہینہ ہے۔

اور ہمدردی کسی کے ساتھ، ہو سکے یا نہ ہو سکے، یہ ہمدردی مسلم امہ اجتماعی طور پر فقراء کے ساتھ کرتی ہے۔

اگر کسی معاشرے میں بہت سے چولہے سرد رہتے ہیں، کہیں بہت سے پیٹ کھانے سے خالی رہتے ہیں، بچے بھوکے سوتے ہیں اور بھوکے دن بسر کرتے ہیں، تو بڑے سے بڑا امیر بھی، جب کلمہ گو ہے تو وہ اپنی طرف سے ان بچوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کر رہا ہے۔

اگر تمہیں کھانے کو نہیں مل سکا، اگرچہ کھانا ہمارے پاس موجود ہے، مگر تمہارے ساتھ ہمدردی کرتے ہوئے خالق کائنات کے حکم پر ہم بھی طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکے رہیں گے، تا کہ اللہ ﷻ کا کنبہ جو ہے، مخلوق کے وہ افراد جن کو اس وقت کھانے کو نہیں مل رہا، ان کے ساتھ ہمدردی ہو جائے، ان کے ساتھ مجانست ہو جائے، ان کے ساتھ معیت ہو جائے۔ ان کی جو دعائیں اللہ ﷻ کی بارگاہ میں قبول ہو رہی ہیں، جب انہیں کی صف میں مالدار بھی شامل ہو جائے گا، ان کی دعا کی برکت سے ان کی دعا بھی قبول ہو جائے گی۔

عظمت امت سید المرسلین ﷺ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے کے اندر بڑی جامعیت رکھی ہے۔ یہاں تک کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مہینے کی عظمتیں بیان کرتے ہوئے خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے فرمایا تھا:

اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں جو رمضان اپنے حبیب ﷺ کی امت کو عطا کروں گا، اس رمضان کی عظمتیں کیا ہیں؟ اس کے اندر کیا کچھ موجود ہے؟ اور اس کے اندر جو میری عبادت کرتے ہیں، انہیں کتنا اجر و ثواب ملتا ہے؟

خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو میں زمین کے مختلف طبقات پر جو فصلیں ہیں، باغات ہیں، اشجار ہیں، جنگلوں کے پتے ہیں، زمین کے ریت کے جو ذرات ہیں اور مختلف مخلوقات ہیں، میں ان کو اپنی بندگی سے روک دیتا ہوں، اور ان کے ذمے ایک ہی کام لگا دیتا ہوں، کون سا؟

جس وقت روزے دار دعا مانگے، ان کی دعا پر تم آمین کہتے رہو، ساری مخلوق کی بندگی یہ قرار پائے گی کہ جس وقت یہ امت حالت روزہ میں ہے، یہ ناداروں کے ساتھ ہمدردی کر رہی ہے، اس کے ساتھ پورا جہان ہمدردی کر رہا ہے، پورا جہان اس کے ساتھ شریک ہے، پورا جہان اس کیلئے دعائیں مانگ رہا ہے، وہ ساری کی ساری نباتات اور مخلوقات کی مختلف چیزیں اس کی دعا پر آمین کہتی ہیں۔

اے ساری مخلوق، اے درختوں کے پتو، اے زمین کے ذرات، اے سمندر کی مچھلیو، اے پانی کی لہرو، تمہارا یہ فرض ہے کہ تم اس کی دعا پر آمین کہو۔

تم آمین کہو گے، میں اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول فرمالوں گا۔

یہ ادھر ہمدردی کرتا ہے اور پوری مخلوق کائنات اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔

آمدِ رمضان پر امت پہ خصوصی نوازشات

نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب چاند طلوع ہو جاتا ہے، پہلی رات آتی ہے، تو کیا ہوتا ہے؟

فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا

پہلی رات آتے ہی جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے اور پھر کسی کو بند نہیں کیا جاتا

وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا

جہنم کے سارے دروازوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور پھر ان میں کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا

وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۳ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی امت کو یہ باتیں اس لئے بتا رہے تھے کہ انہیں پتہ چلے کہ کتنا اہم وقت آیا ہے۔

لوگ اپنے دشمن کو تھانے میں بند کروانے کیلئے بڑی کوشش کرتے ہیں لوگ بڑی جدوجہد کے بعد اپنے دشمنوں کو جیل میں ڈلواتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں سکون کا سانس آجائے گا،

اس واسطے کہ اب ہمارا دشمن جیل میں بند ہے۔ وہ جو ہم پر ہر وقت حملہ کیلئے انتظار میں رہتا تھا، اب وہ جیل اور تھانے میں بند ہے، اب ہم سکون کی سانس لیں گے، اور امن سے چل سکیں گے۔ یہ دشمن تو اتنے چالاک اور ہوشیار نہیں ہیں، ان کے حملے اتنے زبردست نہیں ہیں جتنے اس دشمن کے حملے ہیں جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عدوِ مبین قرار دیا ہے، وہ عدوِ مبین شیطان جو ہے، وہ ہر وقت حملے کو تیار رہتا ہے، صبح بھی کرتا

ہے، شام بھی کرتا ہے، دن بھی کرتا ہے، رات بھی کرتا ہے،

اور ایسا مبین دشمن ہے، اتنا بڑا سرکش ہے کہ اللہ ﷻ کے سامنے یہ کہہ آیا ہے کہ میں تیرے بندوں کو اغوا کروں گا، میں ان کو اٹھا کے لے جاؤں گا، تیری راہ سے بھٹکا کے لے جاؤں گا۔ اس کو چھپنے کی کیا ضرورت ہے جب اللہ ﷻ کے سامنے اتنے واضح طور پر وہ کہہ آیا ہے، اتنا بدبخت، ظاہر اور سرکش دشمن، وہ جب بند کیا جاتا ہے تو انسان کو کتنی خوشی ہونی چاہئے کہ اللہ ﷻ نے میرے دشمن کو قید میں ڈال دیا ہے اور میرے لئے نیکی کی راہوں کو بالکل کھلا کر دیا ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔ میرے صحابہ! خوش ہو جاؤ، شیطانوں کو بند کر دیا جائے گا۔

خالق کائنات جل جلالہٗ نے اس دشمن کو جو نماز میں وسوسہ ڈالتا ہے، مختلف کاموں میں وسوسے ڈالتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں ریلیف دینے کیلئے اور تمہیں تقوے کے اندر مزید مضبوط کرنے کیلئے، تمہارے اس دشمن کو باندھ دیا ہے تاکہ تمہارے تقوے کی قوت مزید آگے بڑھتی جائے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر مختلف اذہان میں سوال پیدا ہوتا ہے، اور آج کا موضوع اس کے تفصیلاً جواب کیلئے نہیں ہے کہ جب شیطان باندھا گیا تو پھر بھی کچھ لوگ روزے نہیں رکھتے، نمازیں نہیں پڑھتے، اور شیطانی خیال بھی آتے ہیں تو یہ کیسے آتے ہیں؟

بہرحال وہ خیال جو ہیں، ان کا اصل مقصد اور وجہ یہ ہے کہ جس وقت کوئی شخص شیطان کے ساتھ بہت زیادہ دوستی میں گیارہ مہینے گزارتا ہے تو وہ اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ کتنا زیر اثر آجاتا ہے کہ شیطان اگرچہ بند ہو جاتا ہے لیکن یہ گھر بیٹھا اس کے

گھورنے سے ڈرتا ہے، اس کے اثرات سے ڈرتا ہے، اس کا ہم نوالہ، ہم پیالہ بن جانے کی وجہ سے، اس کی صحبت کی وجہ سے، اگرچہ اس کو باندھ دیا گیا ہے مگر پھر بھی اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے اس سے ڈرتا رہتا ہے اور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔

وہ باندھا ہوا ہے اور یہ اس کے اشاروں پر ناچتا رہتا ہے۔

اگرچہ وہ باہر نہیں آسکتا، اس کو آ کے ہاتھ سے پکڑ کے غلط راستے پر نہیں ڈال سکتا، لیکن یہ اس حد تک اس کا زرخرید غلام بنا ہوا ہے کہ وہ وہاں بیٹھا ہوا ہے اور یہ اپنے تئیں، چونکہ اس کے نفس میں شیطانی مادہ بھر چکا ہے، اس وجہ سے یہ اس شیطان کے باندھے جانے کے باوجود، خود جن وانس کے شیطان ہوتے ہیں، اس طرح کا شیطان بن چکا ہے، جس کی وجہ سے اس کے باندھے جانے کے باوجود اس کی حرکتیں، معاذ اللہ شیطانوں والی ہوتی ہیں۔

ایسے شخص کو مزید اپنے بارے میں یہ سوچنا چاہئے کہ میں نے اللہ جَلَّالہٗ کا کلمہ پڑھا ہے، اس نے مجھے پیدا کیا ہے، اس نے مجھے پروان چڑھایا ہے، میں اس کا بندہ ہوں، اس کا کھاتا ہوں، اس کا پیتا ہوں، اس نے کتنی شفقت کی ہے کہ دشمن کو باندھ دیا ہے اور پھر بھی میں دشمن کے نرغے سے باہر نہیں آرہا۔ اس کو صدق دل سے توبہ کر کے، بڑی جرأت کے ساتھ شیطان کے پھندے کو توڑ دینا چاہئے اور رحمٰن کی جلوؤں کی وادی میں آجانا چاہئے۔ اس کو گمراہ وہ باندھا ہوا شیطان کر رہا ہے اور اس باندھے ہوئے شیطان کا اس پر اثر اس لئے پڑا ہے کہ اس کی دوستی چھوڑنے کیلئے اس نے سال بھر کوشش نہیں کی، اس کے ساتھ مل کے نمازیں قضا کرتا رہا ہے۔

بہرحال خالق کائنات جل جلالہٗ نے اس امت کیلئے خصوصی طور پر ایک ریلیف دیا ہے، ضرور شیطان کا اثر کم ہو گیا ہے، جونہی چاند طلوع ہو گا، شیطان کے اثر کے کم ہو جانے کا ادراک ہر خیال کو ہو جائے گا، ہر ذہن کو پتہ چل جائے گا کہ یقیناً شیطان کا

اثر کم ہو چکا ہے۔اس کو باندھنے کا خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ کا مقصد یہ ہے کہ شیطانی وسوسوں سے تم آزاد ہو جاؤ تا کہ تمہارا تقویٰ اتنا مضبوط ہو جائے کہ جب شیطان دوبارہ کھلے تو تمہارے پاس اتنی پاور موجود ہو کہ وہ پھر تمہارے پاس آنے کی کوشش ہی نہ کر سکے۔لیکن اگر یہ رمضان شریف کے دن بھی ہم سے صحیح طور پر خرچ نہ ہو سکے تو ان کا جو حقیقی مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا۔

موسم بھی پایا، بیج بھی دامن میں تھا مگر
بونے کا وقت خواب تغافل میں کھو دیا

اب وہ کسان جس کے پاس یہ ساری چیزیں ہوں، اور پھر کہے کہ میری کوئی فصل نہیں ہے، اناج نہیں ہے، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، تو خود اس نے کچھ نہیں کیا۔اس کے پاس بیج بھی تھا، زمین بھی تھی، بونے کا وقت بھی تھا، لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود وہ سویا رہا تو اب قصور اس کا اپنا ہے۔وقت بڑا قیمتی آیا ہے، زمین بڑی زرخیز ہے، جہاں ایک نفل فرض میں تبدیل ہو جائے گا، اتنی زرخیز زمین ہے، تقویٰ کا موسم بہار ہے، جہاں ایک فرض جو ہے وہ ستر فرائض میں تبدیل ہو جائے گا، ایسا مقدس موسم آیا ہے کہ جس کے اندر تم اشک بہا کے اس زمین کو سیراب کرو گے، انشاء اللہ، تقویٰ کا گلستان آباد ہو جائے گا۔جب یہ سارے کا سارا مرحلہ بیداری میں اور اپنے آپ کو پابند کرتے ہوئے گزارے گا، عید الفطر کے دن وہ محسوس کرے گا کہ خالق کائنات نے واقعی مجھے ریلیف عطا فرمایا ہے۔وہ ذہنی امراض سے، روحانی امراض سے، تندرست ہو کے نکلے گا اور اس انداز میں نکلے گا کہ اس پر سے شیطان کا اثر ختم ہو چکا ہو گا، یا بالکل کم ہو چکا ہو گا، اور اس کے تقوے کا جو شیشہ ہے، وہ بالکل صاف ہو چکا ہو گا۔

رمضان المبارک کا چاند

نبی اکرم، نورِ مجسم، شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی حدیث کے اندر مزید ارشاد فرمایا کہ جونہی آسمان پر رمضان شریف کا چاند طلوع ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟
فرمایا: ایک منادی آواز دیتا ہے:

یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۳ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اے خیر چاہنے والے! خیر کا ارادہ کرنے والے!

اَقْبِلْ

تو متوجہ ہو، زیادہ سے زیادہ متوجہ ہو، وہ رات کو بھی اعلان کرتا ہے، دن کو بھی اعلان کرتا ہے، اور دوسرا اعلان یہ ہوتا ہے:

وَ یَابَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ

اے شر والے! شر کرنے والے! گناہ کرنے والے، اب تو رک جا، اب تو باز آجا۔

خالقِ کائنات جل جلالہٗ کی طرف سے وہ منادی اعلان کرتا ہے۔ اچھا وقت دے کر، اچھا مہینہ دے کر، پھر ایک اللہ ﷻ کی طرف سے منادی بھی لوگوں کو متوجہ کر رہا ہے، ہمارے کان اگرچہ نہیں سنتے لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب سن کے ہمیں بتا دیا تو ہمیں اپنے سننے پر اتنا یقین نہیں ہونا تھا، جتنا سرکار ﷺ کے بتانے پر ہے، اللہ کی طرف سے یقیناً وہ آواز آرہی ہے، تو کتنی ناشکری ہوگی۔ خیر چاہنے والو! تم مزید ہوشیار ہو جاؤ، مزید کمر بستہ ہو جاؤ اور شر کے درپے ہو جانے والو! اب تو باز آجاؤ۔

اور پھر اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کچھ ایسے مواقع بھی رکھے ہیں، جن سے مزید نیکیاں اکٹھی کی جاسکتی ہیں۔

روزہ افطار کروانے کا اجر

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَآئِماً كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ صحیح وقت پر افطار کرواتا ہے، کھلواتا ہے، تو کیا ہوتا ہے؟

كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

یہ افطار کروانے کا عمل، افطار کروانے والے کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور اس کی گردن آگ سے آزاد ہوجاتی ہے

اب ذہنوں میں سوال پیدا ہوا کہ اس کو جو اللہ نے نیکیاں دے دی ہیں، تو جنہوں نے افطار کیا ہے، شاید ان کا اجر کم ہوجائے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ اس روزے دار کا اجر کم ہوجائے گا، اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ اپنی طرف سے دے رہا ہے۔

وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

روزے دار کے اجر میں سے کسی شئی کی کمی کے بغیر اس کے اجر کے برابر روزہ افطار کرانے والے کو ثواب ملتا ہے

یعنی روزے دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، خالق کائنات جل جلالہٗ اپنی

طرف سے اس کو اجر کے خزانے عطا فرمادے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صحابہ کے سامنے یہ بیان کیا تو بعض صحابہ نے کہا:

لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہم میں سے تو ہر کوئی مالدار نہیں ہے کہ وہ اپنے مال سے روزے دار کا روزہ افطار کروائے اور یہ نیکیاں بھی حاصل کر سکے

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُعْطِى اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَآئِماً عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَّآءٍ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خالق کائنات جل جلالہ یہ ثواب جو عطا فرماتا ہے، جس کا میں نے ذکر کیا کہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گا، سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، اس کے لئے کسی زیادہ خرچ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ یہ ثواب تو پانی کے ایک گھونٹ پر، دودھ کی ایک بوند پر، اور ایک کھجور کے ساتھ روزہ افطار کروانے پر بھی عطا فرمادیتا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ اَشْبَعَ صَآئِماً

جس نے روزے دار کو سیر کر کے کھانا کھلایا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً

اللہ ﷻ اس کو میرے حوض سے شربت پلائے گا۔

جب میرے حوض سے وہ شربت پی لے گا،

لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ

حشر کی گرمیوں میں بھی اس کو پیاس نہیں لگے گی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

میرے حوض کا شربت ایسا لذیذ ہوگا، اللہ ﷻ اس کو پلائے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، مگر اس کو کسی قسم کی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔

پھر ارشاد فرمایا کہ

مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ

جو شخص اس مہینے میں اپنے نوکروں پر بوجھ ہلکا کرتا ہے۔

اپنے ملازموں کو کچھ وقت آرام کیلئے دیتا ہے، ان کا خیال رکھتا ہے۔

غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم الفصل الثانی ص ۱۷۴ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اللہ ﷻ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

اس کا یہ عمل بھی ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے اس مالک کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے کہ اس نے اللہ ﷻ کے اس مقدس مہینے کی خاطر ملازموں پر، مزدوروں پر، کاریگروں پر، کچھ وقت ان کو تخفیف کی ہے، کام کا تھوڑا وقت لیا ہے، خالق کائنات ﷻ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

یہ سارے کا سارا مفہوم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے جو میں آپ

کے سامنے عرض کر رہا ہوں، اس کا مطلب اور مقصد یہی ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے پہلے ہم اپنے آپ کو رمضان شریف کا اتنا مشتاق بنالیں، اس قدر ہم تیار ہو جائیں، کمر بستہ ہو جائیں، جیسے ہی رمضان شریف آئے تو راتوں کو قیام، نماز تراویح، نوافل، درود وسلام اور خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ کی بندگی کے مختلف انداز، دن کو روزہ، تعلیم و تدریس، اور تلاوت قرآن مجید کے علاوہ جو دوسرے ذکر واذکار معلوم ہیں، ان کے ساتھ جس وقت ہم یہ مہینہ گزاریں گے، انشاء اللہ برکتیں ہی برکتیں ہوں گی۔

سحری وافطاری میں احتیاط

اور رمضان شریف کے اندر خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے وقت کا جو اہتمام ہے یہ ضرور کرنا چاہئے۔

صحیح ٹائم کے مطابق یعنی جب سورج غروب ہو جاتا ہے، اس کے بعد احتیاط کے ساتھ روزہ افطار کیا جائے اور ایسے ہی طلوع فجر صادق کے پہلے ہی کچھ منٹ کھانے پینے سے اجتناب کیا جائے۔ اذان صبح صادق کے بعد پڑھی جائے کیونکہ اذان کا وقت صبح صادق کے بعد ہے اور روزہ بند کرنے کا وقت اس سے پہلے ہے، تو اس میں اگر تھوڑی سی بھی گڑبڑ ہو جائے گی تو سارے کا سارا ثواب ختم ہو جائے گا۔

بعض حضرات روزہ افطار کرنے میں بہت جلدی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلدی روزہ افطار کرنے کو فرمایا ہے۔

جلدی افطار کرنے کا حکم اس وقت ہے کہ جب ٹائم ہو جائے تو پھر جلدی کی جائے، یہ نہیں ہے کہ ٹائم ابھی ہوا ہی نہیں ہے، ابھی تو لاہور میں روزہ افطار ہو رہا ہے، اور آپ گوجرانوالہ میں اپنا روزہ افطار کرلیں، یہ تو اس طرح ہے کہ پورا دن آپ نے

ایک اتنا نیک کام کیا ہے اور تھوڑے سے وقت کیلئے (معاذ اللہ) اس کو ضائع کر دیا ہے۔ پورے وقت پر جب سورج غروب ہو جائے اس کے بعد آپ احتیاط کر کے روزہ افطار کریں اور جس تاخیر سے منع دیا گیا ہے، وہ تاخیر ہے کہ اتنی کی جائے کہ آسمان پرستاروں کا جال نظر آنا شروع ہو جائے، واضح طور پر آسمان پرستارے نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔ اس تاخیر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جو صحیح وقت اور احتیاط کی وجہ سے تاخیر ہو، وہ ایسی تاخیر نہیں جو کراہت کے ضمن میں آ رہی ہے، ہم اس سلسلے میں بہت احتیاط کرتے ہیں۔

لہٰذا جس وقت لاہور کا ٹائم ہوتا ہے، TV پر اعلان ہو جاتا ہے تو اس سے کم از کم تین منٹ بعد آپ روزہ افطار کریں، تاکہ صحیح وقت پر احتیاط کے ساتھ روزہ افطار ہو، اس میں کسی بھی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

باب نمبر
6
گیارہویں شریف اور
ایصال ثواب کی شرعی حیثیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّىْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِط

اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ۔
(پارہ ۲۸، سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۰)

صَدَقَ اللّٰه الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْمُ الْعَظِيْمُ۔
إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْماًO
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِدِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِیْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِیْ مَحَاسِنِه
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِم
تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام
باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا

(حدائق بخشش)

اَللّٰہُ تبَارَكَ وَ تَعَالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ وَ عَمَّ نَوَالُہٗ وَ اَتَمَّ بُرْھَانُہٗ وَاَعْظَمَ شَانُہٗ کی حمد وثناء اور حضور سرور کونین، مفخر موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، ہادی سُبل، ختم الرسل، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ھدیہ درود وسلام عرض کرنے کے بعد نہایت ہی قابل قدر سامعین حضرات

آج کی یہ تقریب چراغ بزم ولایت، آفتاب آسمان ہدایت، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، غوث صمدانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی یاد میں انعقاد پذیر ہے۔ خالق کائنات جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوبوں کے ذکر کا صدقہ ہمیں حق بات پہنچانے اور حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

گیارھویں شریف کی تقریبات کے سلسلہ میں متعدد مقامات پر مختلف موضوعات پر گفتگو ہو چکی ہے آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

"گیارہویں شریف اور ایصال ثواب کی شرعی حیثیت"

اہل سنت و جماعت جو اس کائنات پر مسلمانوں میں غالب اکثریت کے حامل ہیں، جمہور مسلمانان عالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی اہل سنت آباد ہیں ان کے معمولات میں سے ایصال ثواب کی تقاریب ان کا شعار شمار ہوتی ہیں، ان تقاریب کے مختلف علاقوں میں مختلف نام ہیں لیکن حیثیت اور حقیقت کے لحاظ سے ساری تقریبات، تمام محافل ایک ہی حقیقت پر مبنی ہیں۔

اسے حلقہ ذکر کہا جائے، محفل ذکر کہا جائے، ختم گیارہویں شریف کہا جائے، ختم قل شریف کہا جائے، یا اسے ختم چہلم شریف کہا جائے،

یہ مختلف نام اور عنوان اس ایک ہی بات کے ہیں ہمارے نزدیک وہ ارواح جو ہم سے جدا ہو چکی ہیں اور حالت ایمان میں اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، ہمارے نیک کاموں کا ثواب، قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب، صدقہ و خیرات کا ثواب، پھلوں کے صدقہ نافلہ کا ثواب، نفلی عبادات کا ثواب، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم، سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے ان نیک ارواح کو بطور تحفہ پہنچاتے ہیں اور وہ ثواب ان ارواح کو پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے نیک کام کا ہماری نیت اور خلوص کے مطابق کم یا زیادہ ثواب فوراً عطا فرما دیتا ہے اور جب ہم اس ثواب کو بطور تحفہ اپنے عزیز و اقارب کو پہنچاتے ہے تو وہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔

گیارہویں شریف اور ایصال ثواب کی دوسری تقاریب میں چند باتیں نہایت ضروری ہیں، ان کے جواز کے دلائل کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کیا ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جس کے فائدے کیلئے کوئی مسلمان کوئی عمل کر رہا ہے، وہ اس دنیا سے جا چکا ہے، وفات پا چکا ہے، عالم برزخ میں تشریف لے جا چکا ہے۔ اس دوسرے مسلمان کے عمل سے اس کی تلاوت قرآن مجید سے، اس کی نفلی عبادت سے، اس کے صدقہ و خیرات سے، اس کا فائدہ، اس کا ثواب، جس کو یہ پہنچانا چاہتا ہے، کیا پہنچایا جا سکتا ہے؟ کیا کسی زندہ مسلمان کا فوت شدہ مسلمان کو فائدہ پہنچانا قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت ہے؟ کیونکہ ایصال ثواب، گیارھویں شریف اور جتنی بھی ایصال ثواب کی دیگر تقاریب ہیں ان سب کا مدار اس بات پر ہے کہ ایک مسلمان کا عمل دوسرے مسلمان کو فائدہ دے سکتا ہے۔ ایسی محافل میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، ذکر و اذکار کیا جاتا ہے، کلمہ شریف پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، طعام پر (کھانے پر) ختم شریف پڑھا جاتا ہے یعنی قرآن مجید کی زیادہ فضائل و ثواب والی سورتیں اور آیات تلاوت کی جاتی ہیں، بزرگوں کے نام پر نیاز پکائی جاتی ہیں،

پھر دوسرا یہ مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا کہ یہ جو بزرگوں کے نام پر مختلف جانور منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً یہ بکرا غوث پاک کی گیارھویں کا بکرا ہے، یہ بکرا حضرت داتا گنج بخش کے عرس کا ہے، یہ جو اللہ کے ولیوں کے نام سے جانور منسوب کئے جاتے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس کے بعد تیسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کوئی دن مقرر کر کے، جگہ، وقت معین کر کے ایصال ثواب کی محفل منعقد کرنا جیسے گیارھویں شریف کی محفل فلاں دن، فلاں جگہ ہو گی، یہ دن کا تعین کر کے اس محفل کا انعقاد کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

یہ تین باتیں اس موضوع میں زیادہ اہم ہیں اور میں مختصر وقت میں ان تینوں کی

آپ کے سامنے وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن وسنت کے واضح دلائل آپ کے سامنے رکھوں گا۔

ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنا

پہلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا عمل دوسرے مسلمان کو فائدہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر فائدہ دے سکتا ہے تو پھر ایصال ثواب کرنا صحیح ہے۔

قرآن مجید، برہان رشید کی متعدد آیات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ایک مسلمان کا عمل دوسرے مسلمان کو فائدہ دے سکتا ہے۔ وہ دوسرا مسلمان جو اس دنیا سے جا چکا ہے، اس کے وصال کے بعد، اس کی وفات پا جانے کے بعد بھی کسی دوسرے مسلمان کے عمل سے اس کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

سابقین کیلئے بخشش کی دعا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید برہان رشید میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کا یہ عمل بیان کیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآؤُوْا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ

(پارہ ۲۸، سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۰)

اور ان (فوت شدہ مسلمانوں) کے بعد (میں آنے والے) وہ (مومن مسلمان) عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے (فوت شدہ مسلمان) بھائیوں کو بھی بخش دے۔

وَالَّذِیْنَ جَآؤُوْا مِن بَعْدِهِمْ

ایک ہمارے اسلاف ہیں اور ایک اخلاف۔ یعنی کچھ کا زمانہ ہم سے پہلے کا ہے اور کچھ ہمارے بعد آئیں گے۔ بعد میں آنے والے مسلمانوں میں سے اچھے لوگ کون ہیں؟ ان بعد میں آنے والے اچھے مسلمانوں کے بارے میں ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کا شعار یہ ہوگا۔

یَقُوْلُوْنَ...... وہ یہ کہتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا...... اے اللہ! ہمیں بخش دے۔

وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔

(سورۃ حشر آیت نمبر ۱۰)

اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو حالت ایمان میں ہم سے پہلے اس دنیا سے جا چکے ہیں۔

مومنوں کا شعار

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اچھے مومنوں کا یہ شعار بتایا ہے، ان کی یہ علامت بتائی ہے کہ وہ بعد میں آئیں گے مگر پہلوں کو بھولیں گے نہیں، جتنے بھی مومنین جا چکے ہیں، اولیاء جا چکے ہیں، شہداء جا چکے ہیں، صدیقین جا چکے ہیں، مجتہدین جا چکے ہیں...... وہ ان سب کو بھولنے والے نہیں۔ وہ نہ صرف اپنے لئے مغفرت کی دعائیں مانگیں گے بلکہ اپنے سابقین کیلئے بخشش و مغفرت کی دعائیں مانگیں گے۔

قرآن مجید برہان رشید کی اس آیت سے ایک قانون ثابت ہو رہا ہے دیکھیں یہاں دعا مانگنے کا وصف کن لوگوں کا بیان ہوا ہے ان کا جو بعد میں آ رہے ہیں۔ یہ فعل ان بعد میں آنے والوں کا ہے لیکن دیکھیں فائدہ کن کن کو ہو رہا ہے؟ فائدہ ان کو خود بھی ہے اور انہیں بھی ہے جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ اگر ان بعد میں آنے والے مسلمانوں

کے فعل کا فائدہ پہلے والے فوت شدہ مسلمانوں کو نہ ہوتا تو خالق کائنات ہرگز ان کی تعریف نہ فرماتا، اللہ تعالیٰ کسی لغو کام کی تعریف کیسے کرسکتا ہے۔ جس کام کا کوئی فائدہ نہ ہو، جس کام پر کوئی اثر مرتب نہ ہو، جس کام کا کوئی ثواب نہ ہو، خالق کائنات ان لوگوں کیلئے ایک مستقل آیت نازل فرما دے، یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو قرآن مجید برہان رشید میں اپنا موضوع بنایا ہے، ان کی تعریف کی ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً اس عمل سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اور پہلے والوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ دعا مانگنا ان کا کام ہے لیکن اس کا فائدہ وفات پا جانے والوں کو بھی پہنچ رہا ہے۔

بخشش ومغفرت کے مستحق صرف مومنین

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا...... یا اللہ! ہمیں بخش دے۔

وَلِاِخْوَانِنَا ......ہمارے بھائیوں کو بھی بخش دے

کون سے بھائی

الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ -

جو حالت ایمان میں ہم سے سبقت کر چکے ہیں۔

زندہ لوگوں کی بات نہیں، ان لوگوں کی بات نہیں جو اب دنیا میں موجود ہیں بلکہ ان کی بات ہے جو فوت ہو چکے ہیں، دنیا سے جا چکے ہیں، یہ وصال پانے والے پہلی صدی، دوسری صدی، تیسری صدی، چوتھی صدی، یا بعد والی کسی بھی صدی میں وصال پا چکے ہوں، ان تمام صدیوں میں وصال پانے والے اہل ایمان، اولیاء اللہ اور صدیقین، سب کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہر دور میں بعد میں آنے والوں میں اچھے مسلمان وہ ہوں گے جو پہلے فوت شدہ مسلمانوں کو بھولیں گے نہیں

بلکہ ان کا ذکر کرتے رہیں گے، ان کو ایصال ثواب کرتے رہیں گے، آج یہ جو محفل فوت شدہ مسلمانوں کی خاطر دعا کرنے کیلئے منعقد کی گئی ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان کلمات کا مصداق ہم بن گئے ہیں۔

جب لوگوں کی ترجیحات بدل گئیں، جب لوگوں نے اپنی فکر کو اندھا کرلیا اور دعا سے منہ موڑلیا، دعا پر شرک اور بدعت کا فتویٰ لگادیا، اب وہ لوگ جو ان محافل کا انعقاد کرتے ہیں وہ لوگ کتنے عظیم لوگ ہیں کہ ایسی آندھیوں میں بھی حق کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں اور یہ ثابت کررہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق لوگ قیامت تک موجود رہیں گے جو اپنے لئے بھی دعا کریں گے اور پہلے مسلمانوں کیلئے بھی دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے، ہمارے ان اولیاء، صدیقین، شہدا، صالحین کو بھی بخش دے جو حالت ایمان میں اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، ہم کسی بے ایمان کے لئے دعا کرنے کو تیار نہیں، دعا ایمان والوں کیلئے ہوتی ہے۔ اسی لئے ایمان والے ہی اپنے سابقین کے لئے دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ ہمیں بھی بخش دے اور ہم سے پہلوں (ایمان والوں) کو بھی بخش دے۔ یہ قرآن مجید برہان رشید سے ایک دلیل ہوئی۔

والدین کیساتھ حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حقوق اللہ، حقوق العباد کا کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ وہ ایک مقام دیکھیں جہاں ان حقوق کا ذکر ہے جو اولاد پر والدین کے ہیں۔ ان حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے بڑے حقوق کی دو قسمیں بیان کیں۔ایک وہ حقوق جو والدین زندہ ہوں تو اولاد پر فرض ہیں اور دوسرے وہ حقوق جو والدین کے وفات پا جانے کے باوجود بھی اولاد پر برقرار رہتے ہیں۔

زندگی میں والدین کے حقوق

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

(پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۳)

اگر تیرے سامنے ماں باپ میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "ہوں" بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب واحترام سے بولو اور ان کیلئے عاجزی واطاعت کا بازو محبت ونرم دلی سے بچھادو۔

کتنے اثر آفرین الفاظ میں، جامعیت کے ساتھ، زندہ والدین کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔فرمایا "وہ تیرے والدین، دونوں یا ان میں سے ایک، اگر بوڑھے ہو جائیں، بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ادھر تو نوجوان ہو۔اب تجھ پر فرض ہے کہ ان کی خدمت کر، اور پھر انکی خدمت کرتے کرتے اکتا کر اف تک نہ کہنا، ان سے گفتگو کرنا چاہو تو ان کو بلند آواز سے نہ بلانا، ان سے سخت لہجہ میں نہ بولنا، ان کو جھڑکی نہ دینا، ان سے اچھے طریقے سے، نرم اور محبت بھرے لہجہ میں گفتگو کرنا، ان کے قدم دباؤ، ان

کیلئے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاؤ، اگر بیمار پڑیں تو علاج و معالجہ اور تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ فرائض ہیں جن کا تعلق والدین کی زندگی کے ساتھ ہے۔

بعد از وصال والدین کے حقوق

پھر دوسرے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں کہ وہ وقت آتا ہے کہ جب والد یا والدہ یا دونوں میں سے کسی کے بھی قدم دبا کر ثواب حاصل نہیں کرسکتا، ان کو اچھا کھانا کھلا کر ثواب حاصل نہیں کرسکتا، ان کو اچھے کپڑے پہنا کر ثواب نہیں لے سکتا، ان کی ضروریات کو پورا کر کے ثواب حاصل نہیں کرسکتا اس لئے کہ اب وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں، وہ قبر میں جا چکے ہیں، اب تجھ پر کون سا حق باقی ہے؟ اسلام ایک ایسا کامل دین ہے کہ جس میں وفات پا جانے والے والدین کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا ایک کامل طریقہ موجود ہے۔ کون سا؟ فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا

(پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۲۴)

اور عرض کرو، اے میرے پروردگار ان دونوں (میرے والدین) پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے (بچپن میں بڑے پیار اور محبت سے) پالا تھا۔

اے مسلمان والدین کے اچھے فرزند! تو اپنی زبان سے مجھ سے مانگ۔

یا اللہ! میرے والدین پر یوں رحم فرما جس طرح چھوٹی عمر میں وہ مجھ پہ شفقت فرماتے تھے۔

یہ دعا کرنے کا طریقہ کون سکھا رہا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اگر اس دعا سے اللہ کی

طرف سے ان فوت شدہ اور زندہ والدین کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو خالق کائنات ہرگز اپنے والدین کیلئے یوں بخشش و رحمت کی دعا کرنے کیلئے نہ فرماتا۔

قُلْ......تو کہہ

تو مجھ سے مانگ تو سہی

اللہ خود ہی مانگنے کا طریقہ بھی بتلا رہا ہے۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا......یا اللہ! میرے والد اور والدہ دونوں پر اپنی رحمت فرما۔

کیسی رحمت فرما؟

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا......جس طرح کہ میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور انہوں نے بڑی شفقت سے مجھے پروان چڑھایا۔

میری والدہ خود بھوک برداشت کر لیتی تھی لیکن میری بھوک اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود پیاسی رہ کے مجھے پانی پلاتی تھی۔ وہ میرے گیلے بستر پر خود سو جاتی تھی اور مجھے خشک بستر پر سلاتی تھی۔

وہ اپنے کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر مجھے اچھے کپڑے پہناتی تھی۔ میں بیمار پڑتا تو میرے علاج معالجے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھی۔ میری تعلیم و تربیت کیلئے دن رات کوشاں رہتی تھی، کچھ دیر کیلئے لیٹ ہو جاتا تو پریشان ہو جاتی تھی، کھیل کود سے تھک جاتا تو مجھے دباتی تھی۔

اور میرا والد صبح سے شام تک محنت کرتا اور میرے لئے اچھی سے اچھی سہولتیں مہیا کرتا۔ وہ خود تو ہر طرح کی مشقتیں تکلیفیں برداشت کرتا لیکن میری ذرا سی تکلیف اس سے برداشت نہ ہوتی۔

یا اللہ! میرے والدین نے اپنی ساری زندگی مجھ پر اپنی شفقت کا سائبان تانے

رکھا۔ آج جب وہ وفات پا چکے ہیں تو میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! میرے والدین پر اتنی رحمتیں نازل فرما جس طرح کی میرے بچپن میں وہ مجھ پہ کرتے تھے۔

یہ عمل والدین کے ان حقوق سے ہے جو والدین کی وفات کے بعد بھی برقرار رہتا ہے جب وہ زندہ ہوں تب بھی ان کیلئے دعائیں مانگو اور جب وہ فوت ہو جائیں تو ان کو بھول نہ جاؤ کہ اب یہ اپنی قبر میں چلے گئے ہیں، میرا ان سے رابطہ ختم ہو گیا ہے، نہیں، بلکہ اسلام ایک ایسا جامع دین ہے کہ وہ قبروں میں چلے جانے والوں کے ساتھ بھی تعلق برقرار رکھتا ہے۔ ان کے حقوق بھی برقرار رکھتا ہے۔

اچھا فرزند، والدین کا نیک اور فرمانبردار بیٹا وہ ہے جو والدین کو دفن کرنے کے بعد بھی نہیں بھولتا، بلکہ وہ ہر وقت ان کیلئے دعائیں کرتا رہتا ہے۔

اس آیت سے یہ قانون بھی ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ دعا بیٹا مانگ رہا ہے، دعا مانگنا بیٹے کا عمل ہے اور اس دعا کا فائدہ اس کے والدین کو ہو رہا ہے۔ اگر بیٹے کے مانگنے پر والدین کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو خالق کائنات کیوں فرماتا کہ مجھ سے دعا مانگو۔ اس نے خود ہی مانگنے کو کہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو اس کی جو بغیر دعوت کے مانگے اس کی جھولیاں بھر دیتا ہے۔

اور یہاں تو وہ خود ہی مانگنے کا حکم فرما رہا ہے لہٰذا اب جب اس سے مانگا جائے گا تو اللہ تعالیٰ مانگنے والے کے والدین کو بخش دے گا۔ ان کی خطائیں معاف فرما دے گا۔

قرآن مجید برہان رشید کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی زندہ آدمی کے عمل سے ان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے جو دنیا سے جا چکے ہیں۔

جنت میں بلند درجہ کا سبب

سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَۃَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّۃِ

(مسند احمد، جلد۲، ص۵۰۹، مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبۃ الفصل الثالث، ص۲۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ۱۰/۳۹۷)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں عبد صالح (نیک بندے) کے درجہ کو بلند فرماتا ہے۔ جس وقت وہ اپنا بلند مقام دیکھتا ہے۔

فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنّٰی لِیْ ھٰذِہٖ

تو وہ عرض کرتا ہے یارب العالمین! میرا درجہ بلند کیسے ہو گیا؟

یا اللہ! مجھے اتنا بلند مقام کیسے مل گیا؟

میرے اعمال میں سے تو مجھے اپنا کوئی عمل ایسا نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے میرا درجہ اتنا بلند کیا جائے۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ جنت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں کتنا فرق ہے؟ ایک درجے سے دوسرے درجے تک کتنی مسافت ہے؟ یہ ایک دوفٹ کی بلندی کی بات نہیں ہے۔ یہ فرق پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ ایک انسان پانچ سو سال تک چلتا رہے جتنا سفر طے کرتا ہے اتنا دو درجوں کے درمیان فاصلہ ہے۔

جب بندے کو اتنی بلندی جنت میں ملے گی تو وہ بندہ اللہ سے پوچھے گا کہ یا اللہ! یہ اتنا بلند مقام میرا کیسے ہو گیا ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میرے کون سے عمل کی وجہ سے مجھے یہ مقام دیا گیا ہے۔

سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب دیا جائے گا۔

بِاِسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ

(مشکوٰۃ، باب الاستغفار التوبۃ، تیسری فصل ص۲۰۶)

اے میرے بندے! تیرے بیٹے نے تیرے لئے دعائے مغفرت کی ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ

(النھایۃ فی الفتن والملاحم، ص ۴۰۷)

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

اے میرے بندے! تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ وہ تیرے لئے دعائیں مانگتا رہا، وہ جب بھی نماز پڑھتا تیرے لئے دعائیں مانگتا، اس طرح روزانہ تیرے لئے ایصال ثواب کرتا۔ وہ تیرے ایصال ثواب کیلئے محافل کا انعقاد کرتا، جس میں شامل تمام لوگ تیرے لئے ایصال ثواب کرتے تھے۔

یہ اس کا تیرے لئے استغفار کرنا، تیرے ایصال ثواب کیلئے محافل کا اہتمام کرنا، یہ عمل تو تیرے بیٹے کا ہے لیکن اس کا فائدہ تجھے یہ ہوا ہے کہ جنت میں تیرے درجے کو بلند کر دیا گیا ہے۔ اس سے بھی یہ قانون ثابت ہوا کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

جو دنیا میں ہے اسے تو ویسے بھی فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے لیکن ہمارا موضوع اس فائدہ کے متعلق ہے جو اس دنیا والا انسان اس دوسرے انسان کو پہنچائے جو اس دنیا سے چلا گیا ہے اور جس کا آج کے خارجی لوگ انکار کرتے ہیں۔

ہمارے وہ عزیز و اقارب جن کو ہم قریبی قبرستان میں داخل قبر کر آئے ہیں، دفن کر آئے ہیں۔ ہمارے وہ عزیز و اقارب بظاہر قریبی قبرستان میں دفن ہیں لیکن اب وہ عالم برزخ میں چلے گئے ہیں، ان کے اور ہمارے درمیان کروڑوں میل کی مسافت ہے، اتنی

مسافت ہے کہ جس کے متعلق صرف سوچا ہی جا سکتا ہے لیکن پھر بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

آپ نے مذکورہ بالا حدیث ملاحظہ فرمائی کہ کتنا فائدہ ہے؟ بچے نے استغفار کیا ہے اور اللہ نے جنت میں اس کے باپ کو بلند مقام عطا فرما دیا ہے۔ یہ نہیں کہ سارا فائدہ والد کو ہوگا اور بچے کو کچھ نہیں ملے گا جس کی دعا سے اوروں کو فائدہ ہو رہا ہے اس کا اپنا فائدہ ہونا تو یقینی ہے۔

والدین کیلئے دعا کا فائدہ

سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بیٹے کو دعا مانگنے پر اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے اپنے والدین کی خدمت میں کوتاہی رہ گئی ہو گی۔ اگر وہ زندگی میں عاق ٹھہرا تھا، والدین کا نافرمان ٹھہرا تھا، وہ اگر ہمیشہ دعا مانگتا رہے گا تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ میدان محشر میں جب ان لوگوں کی لسٹ تیار ہو گی جو والدین کی عزت کرتے تھے اور فرمانبردار تھے، یہ شخص جس نے ہمیشہ دعا مانگی ہے۔ قیامت کے دن فرمانبرداروں میں شمار کیا جائے گا۔

والدین کیلئے استغفار کرنے سے نجات

مشکوٰۃ شریف کتاب الآداب کے بَابُ البِرِّ وَالصِّلَة کی تیسری فصل ص ۴۲۱، میں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا یَزَالُ یَدْعُوْ لَهُمَا وَ یَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰی یَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا" بے شک بندے کے والدین یا ان میں سے ایک کا وصال ہو جائے اور یہ بیٹا ان کا نافرمان رہا تو ہمیشہ ان دونوں کیلئے دعا اور استغفار کرتا رہے تو آخر کار اللہ تعالیٰ اسے نیک لوگوں میں لکھ لیتا ہے"۔

فوت شدہ کر طرف سے حج کی ادائیگی

یہ حدیث بخاری شریف ابواب العمرہ کے بَابُ الْحَجِّ وَالنُّذُوْرِ عَنِ الْمَيِّتِ وَالرَّجُلَ يَحُجُّ عَنِ الْمَرْاَةِ ج ا،ص:۲۵۰ میں ہے:

ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی:

اِنَّ اُمِّیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰی مَاتَتْ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا۔

میری والدہ ماجدہ نے حج کرنے کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکی، یہاں تک کہ فوت ہوگئی، میں ان کی طرف سے حج کروں تو حج ادا ہو جائے گا۔

سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا انداز یہ تھا کہ جب کوئی سوال کرتا تو اکثر سوال کرنے والے سے سوال کر کے اسی سے مسئلے کا جواب دلوا دیتے تھے۔ اس میں دوہرا فائدہ ہوتا تھا، ایک تو اس کا جواب آ جاتا تھا، دوسرا امت کو یہ طریقہ بتا دیا کہ قیاس سے مسائل ثابت ہو سکتے ہیں۔ قیاس سے مسائل حل کرنا ہمارا مذہب ہے جبکہ غیر مقلد وہابی تو قیاس کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ سرکار نے خود اپنے صحابہ اور صحابیہ سے قیاس کروایا ہے۔ فرمایا کہ جب ایک بات تمہیں معلوم ہے تو اسی سے دوسری کو سوچ لو، اگر علت ایک ہے تو دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

یہ تو بتا

لَوْ کَانَ عَلٰی اُمِّكِ دَیْنٌ اَكُنْتِ قَاضِیَةً

اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتیں۔

کیا تیرے قرض ادا کرنے سے تیری والدہ کا قرض ادا ہوتا یا نہ ہوتا؟

جب آپ نے یہ سوال کیا تو وہ صحابیہ کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ضرور ادا ہو جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسئلہ تو تم نے خود ہی حل کر دیا ہے۔

اِقْضُوْا اللّٰہ فَاللّٰہُ اَحَقُّ بِالْوَفَآءِ۔

(بخاری شریف ابواب العمرۃ باب الحج والنذر عن المیت ج:۱، ص:۲۵۰)

اللہ کا قرض بھی ادا کرو، یہ قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کو پورا کیا جائے۔ یہاں سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حقوق مالیہ پر عبادت کو قیاس کروایا ہے۔ فرمایا کہ جس طرح تیرے قرض ادا کرنے سے تیری والدہ کا قرض ادا ہو جائے گا ایسے ہی جب تو حج کرے گی تو اس کی نیت سے حج کرنے سے نذر اس کی پوری ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ ان کی والدہ تو دنیا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اب ان کی طرف حج تو اس کی بیٹی کرے گی، صفا و مروہ کی سعی، طواف، وقوف عرفہ تو بیٹی کرے گی لیکن نذر والدہ کی پوری ہو جائے گی۔

قبر کے مکین کو تسبیح سے سکون

ایصال ثواب کی محافل میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ یہ قرآن پڑھنا تو اشرف المخلوقات کا عمل ہے۔

انسان قرآن پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت! میں اس کا ثواب حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچاتا ہوں۔ میں اس کا ثواب حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچاتا ہوں۔ یہ تو پھر اشرف المخلوقات ہے اور اپنی زبان سے افضل کلام پڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف یہ دیکھیں کہ اسلام نے تو یہاں تک اس ایصال ثواب کے مسئلہ کو واضح کیا کہ درختوں کی تسبیح سے بھی عذاب دور ہو

جاتا ہے۔ قبر کے مکینوں کو ان کی تسبیح سے بھی سکون ملتا ہے تو پھر قرآن مجید کی تلاوت کرنے، تسبیحات پڑھنے، آیت کریمہ پڑھنے، کلمہ شریف پڑھنے سے جو ثواب حاصل ہوتا ہے وہ فوت شدگان کیلئے تسکین اور عذاب سے نجات کا باعث کیوں نہ ہوگا؟

وسعت علم مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے:

حضرت مجاہد طاؤس سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں:

مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں پر سے گزرے جن پر عذاب ہو رہا تھا۔ چشم نبوت کی بصیرت اور بصارت دیکھیں کہ قبروں کے قریب سے گزرتے گزرتے دیکھ لیا کہ ان قبروں کے مکینوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ہم کسی قبر کے قریب سے گزریں تو ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ قبر میں کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا نہیں ہو رہا؟ مگر جن کی نگاہ کے سامنے کائنات ہتھیلی کی طرح ہے انہوں نے گزرتے گزرتے دیکھ لیا کہ قبر کے مدفونین کو عذاب ہو رہا ہے، کتنا علم ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا علم نہیں تھا، معاذ اللہ۔ ہمارے محبوب تو وہ ہیں جن کی نگاہ نبوت نے گزرتے گزرتے منوں مٹی کے نیچے سے دیکھ لیا کہ ان قبروں کے مدفونین کو عذاب ہو رہا ہے پھر ایک ہی غیب کی خبر نہیں دی، اس کے ساتھ یہ بتایا کہ:

چغلی اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی سزا

وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ۔

میرے صحابہ! ان دونوں کو کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، یوں بتایا

کہ میرے سامنے ان کی پوری زندگی موجود ہے، میں ان کی زندگی کا ہر عمل جانتا ہوں۔ ان کو عذاب کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا بلکہ دو صغیرہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔

کس طرح؟ فرمایا:

اَمَّآ اَحَدُهُمَا فَکَانَ لَایَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ

ان میں سے ایک تو پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچا کرتا تھا۔ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہو رہا ہے۔ لہٰذا پیشاب کے چھینٹوں سے بچو۔

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ

اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا۔

دوسرے کے متعلق فرمایا کہ وہ چغل خور تھا، چغلی کرتا تھا۔

یہ وہ دو صغیرہ گناہ ہیں جن کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ نگاہ نبوت کا فیضان دیکھئے کہ گزرتے گزرتے ان قبروں میں عذاب ہوتا دیکھ لیا، صرف قبروں کا ہی حال نہیں بلکہ ان کی ساری زندگی کا حال بھی بیان کر دیا کہ ان کے نامہ اعمال میں کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہے۔ دو صغیرہ گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

ترٹہنی سے عذاب میں تخفیف

پھر کیا ہوا؟ صحابہ کرام کی جماعت ساتھ ہے۔

ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَةً رَطْبَةً

پھر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھجور کی ترٹہنی لی۔

اس ٹہنی کے پتے ہرے بھرے تھے۔

فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ

اس کو بیچ میں سے چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً

پھر سرکار نے دونوں قبروں پر نصف نصف ٹہنی گاڑھ دی۔

چشمِ فلک گواہ ہے، صحابہ کی آنکھیں گواہ ہیں، جس وقت سرکار ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ٹہنی کو توڑا اور قبر پر لگایا تو صحابہ کرام نے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟

آپ نے ایسا کیوں کیا؟

آپ یہ بھی بیان فرمادیں کہ یہ فعل کیوں فرمایا ہے؟

یہ عام آدمی کا فعل نہیں ہے، یہ تو اللہ کے رسول ﷺ کا فعل ہے،

امام الانبیاء ﷺ کا فعل ہے۔ جب آپ ایسے کر رہے ہیں تو پھر یہ تو سنت بن گیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بیان فرمادیجئے کہ یہ ٹہنی لگانے کا فائدہ کیا ہے؟

تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَعَلَّهُ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا

(بخاری شریف کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر، جلد ا، ص ۱۸۲)

میرے صحابہ! امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں سرسبز رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے گا۔ جب تک اس ٹہنی کے پتے ہرے بھرے رہیں گے، مردے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ میں یہ کسی داستان یا دیوان کا حوالہ نہیں دے رہا بلکہ یہ صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فعل نے قیامت تک کیلئے اس بات کو ثابت کر دیا کہ مسلمان کی زبان تو زبان رہی پتوں کی تسبیح سے بھی عذاب ختم ہو جاتا

ہے۔ قبر میں مردے کو تسکین ہوتی ہے۔ وہ تسبیح کو سنتا ہے تو اس کو تسکین ہوتی ہے۔

میت قبر میں قدموں کی آہٹ بھی سُنتی ہے

صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی عَنْہُ اَصْحَابُہٗ

بے شک بندہ کو جب قبر میں رکھ کر اس کے ساتھی واپس ہوتے ہیں۔

اَنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ

وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

اَنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ

(بخاری شریف کتاب الجنائز باب المیت یسمع خفق النعال ج:۱، ص:۱۷۸)

وہ ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔

پھر دیکھیں مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے کہ پتوں کی تسبیح سے قبر کا مکین خوش ہوتا ہے اور اس کا عذاب پتوں کے تسبیح کرنے تک دور رہے گا۔

اب پتوں کی تسبیح تو پتوں کی تسبیح رہی، دوسری طرف اشرف المخلوقات کا فرد ہو، ایک عظیم انسان ہو، اللہ کا قرآن پڑھ رہا ہو، یہ ذکر جو کلام الٰہی کا ذکر ہے، پتوں کی تسبیح سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ اگر پتوں کی تسبیح سے قبر کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے تو جب ایک مسلمان اپنے والدین کی قبر پر بیٹھا قرآن پاک پڑھتا ہے تو اللہ کے فضل سے بطریق اولیٰ عذاب قبر دور ہو جاتا ہے۔

میت کی قبر میں حالت

حضرت مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے راویت کرتے ہیں کہ سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ

(مشکوۃ باب الاستغفار والتوبۃ تیسری فصل ص: ۲۰۶)

میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے۔

اللہ کے انبیاء، صدیق، شہداء، اولیاء کرام کی تو بڑی اعلیٰ شان ہے یہ تو قبر کے اندر ہم جیسے عام آدمی کی حالت ہوگی ایسی حالت ہوگی کہ جس طرح کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور کسی دستگیر کا منتظر ہو۔

کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو اور ہاتھ بلند کر رہا ہو کہ کوئی میرا ہاتھ پکڑے جو حالت اس ڈوبنے والے شخص کی ہوتی ہے، قبر کے مکین کی حالت بھی اس شخص جیسی ہی ہوتی ہے۔

وہ ڈوبنے والا شخص کتنا بے چین ہوگا، کتنی اس کو تڑپ ہوگی کہ کاش کوئی میرا ہاتھ پکڑے۔

میت کو قبر میں دعا کا انتظار

سرکار فرماتے ہیں کہ قبر کے اندر مردے کی یہ حالت ہوتی ہے اور وہ انتظار کرتا ہے:

يَنْتَظِرُ......وہ انتظار کرتا ہے۔

يَنْتَظِرُ دَعْوَةً ......اس کو دعا کا انتظار ہے۔

کون سی دعا کا انتظار ہے؟ فرمایا:

تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صِدِّيْقٍ

وہ باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچنے کا منتظر ہے۔

وہ مردہ اپنے سنّی ورثا سے کتنا خوش ہوگا جب یہ اس کے لئے دعا مانگیں گے، جب یہ ختم پڑھ کر ایصال ثواب کریں گے۔ اگر پیچھے سے ورثاء ایصال ثواب کے مخالف ہوں گے تو نہ وہ دعا مانگیں گے، نہ ایصال ثواب کی محافل کا اہتمام کریں گے تو وہ کتنا غصہ میں ہوگا کہ میں ڈوبتا جا رہا ہوں اور یہ میرے ورثاء دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھاتے، ہاتھ نیچے کئے بیٹھے ہیں، کہتے ہیں اس کا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل کا فائدہ پہنچتا ہے۔ دوسرے کے کسی نیک عمل کا فائدہ اس کے مرنے کے بعد اس کو نہیں پہنچتا۔

وہ قبر میں دعا کا انتظار کر رہا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب کی طرف سے ایصال ثواب کے تحائف کا منتظر ہے لیکن یہاں اس کے ورثاء اس کے منکر ہیں، وہ ہاتھ ہی نہیں اٹھاتے، منہ ہی نہیں کھولتے، ان پر شرک و بدعت کے پہرے لگائے گئے ہیں۔

اس قبر کے مکین کو انتظار ہے کہ کب میرا باپ دعا مانگتا ہے، کب میری ماں دعا مانگتی ہے، کب میرا بھائی دعا مانگتا ہے اور کب میرا دوست دعا مانگتا ہے۔ ان چار کا ذکر سرکار نے فرمایا اور عموم بیان فرما دیا ہے کہ جتنا کسی کے ساتھ اس مردے کا قریبی تعلق ہے اتنا ہی اس کی دعا کا اس کو زیادہ انتظار ہوتا ہے۔

مرنے والا سنی صحیح العقیدہ ہے اور پچھلے عزیز و اقارب، دوست احباب بھی اللہ کے فضل سے صحیح العقیدہ سنی ہیں تو فوراً فاتحہ شریف شروع ہو جائے گی۔ فوراً قل شریف ہے۔ فوراً صدقہ و خیرات ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب دعا پہنچتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

میت کیلئے دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب

فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

پھر جب میت کو یہ دعا پہنچتی ہے تو یہ اس کو ساری دنیا اور پوری دنیا کے سارے ساز و سامان سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔

یہ اس زبان کے الفاظ ہیں جس سے کبھی جھوٹ نہیں نکلا، جب تک ادھر سے تار نہیں ملتی اس وقت تک محبوب کی زبان نہیں ہلتی، اس زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں:

كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا

اگر اس دنیا کی زندگی میں پوری کائنات کی حکومت اس بندے کو دے دی جاتی تب بھی وہ اتنا خوش نہ ہوتا جتنا آج اس کیلئے مانگی گئی دعا سے خوش ہو گیا ہے۔

كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا

پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ ایک طرف اور اس کے باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے مانگی گئی دعا دوسری طرف۔ اتنا فائدہ ہے بعد والوں کی دعاؤں کا۔ یہ ہی ایصال ثواب ہے، یہ ہی ختم شریف ہے۔

سرکار فرماتے ہیں کہ دنیا کی حکومت بھی اگر ملتی پھر بھی اتنا خوش نہ ہوتا جتنا آج ایصال ثواب پر خوش ہو گیا ہے۔ پھر فرمایا:

میت کیلئے استغفار تحفہ ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَآءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَآءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ

(مشکوۃ شریف کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبہ ص ۲۰۶، شعب الایمان للبیہقی ۱۶/۷)

اور بے شک اللہ عزوجل زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو پہاڑوں کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے اور زندوں کا مردوں کیلئے تحفہ ان کیلئے دعائے مغفرت ہے۔

مومنین کو دعا مانگنے کا حکم

قرآن مجید برہان رشید میں ہے:

قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

(المومن، آیت ٦٠)

تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔

(مشکوۃ کتاب الدعوات الفصل الثانی ص ١٩٥، ترمذی، جلد ٢، ص ١٧٥، ابن ماجہ ص ٢٧١)

جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہ مانگے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

ہم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود فرمایا کہ مجھ سے مانگو، ہم مانگیں گے، ہم جتنا زیادہ مانگیں گے وہ اتنا زیادہ عطا فرمائے گا۔

فرمایا: تم نے تھوڑا سا مانگا ہے میں اپنے فضل سے

اَمْثَالَ الْجِبَالِ...... پہاڑوں کے برابر ثواب دے رہا ہوں۔

الغرض خالق کائنات کی طرف سے پہاڑوں جتنی رحمتیں ان قبروں میں داخل ہو جاتی ہیں۔

نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں:

اے مجھے ماننے والو! یہ موت تمہارے تحائف پہنچانے کا ذریعہ ختم نہیں کر سکتی۔

دنیا میں تم اپنے دوستوں، عزیز واقارب کو تحائف دیتے تھے، اب موت آ گئی تو یوں نہ

سمجھو کہ اب تم تحفہ نہیں دے سکتے۔ فرمایا: اسلام میں اس کا بندوبست موجود ہے یہ سرکار کے الفاظ ہیں:

اِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَآءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ

زندوں کا مردوں کیلئے تحفہ ان کیلئے دعائے مغفرت کرنا ہے۔

اگر آج تم اپنے فوت شدہ والدین کو تحفہ پہنچانا چاہتے ہو،

آج تم اپنے فوت شدہ بھائی کو تحفہ پہنچانا چاہتے ہو،

آج تم اپنے غوث کی طرف تحفہ بھیجنا چاہتے ہو،

فرمایا ''اسلام میں اس کا بندوبست ہے''۔

اَلْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔

تم ان کیلئے استغفار کرتے رہو۔

تم ان کیلئے بلندی درجات کی دعا کرتے رہو۔

تمہارا یہ ان کیلئے دعا مانگنا ان کیلئے سب سے بڑا تحفہ قرار پائے گا۔

لہٰذا یہ ساری احادیث اس بات کو ثابت کر رہی ہیں کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے اور مردہ ایسا خوش ہوتا ہے کہ اگر پوری دنیا کی حکومت بھی مل جاتی پھر بھی اتنا خوش نہ ہوتا جتنا آج دعا کا تحفہ جو اسے پہاڑوں کی مثل ملا ہے اس سے خوش ہو گیا ہے۔

موضوع کا دوسرا حصہ

اولیاء کی طرف منسوب چیزوں کی شرعی حیثیت

اب زیر بحث موضوع کے دوسرے حصے کو دلائل کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ یہ جو کچھ چیزوں کو بزرگوں کی طرف موسوم کر دیا جاتا ہے کہ یہ بکرا غوث پاک کا بکرا ہے، یہ

جانور فلاں بزرگ کا جانور ہے، اس طرح جو کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس بارے میں کچھ لوگ غلط مبحث کرتے ہیں اور اس مسئلے کو غلط رنگ دیتے ہیں، کسی جانور پر کسی بزرگ کا نام لینے سے اس کی شرعی حیثیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ جانور غوث پاک کا ہے تو اس سے اس کے اندر برکت آئے گی، نحوست نہیں آئے گی۔

ذبح کا طریقہ

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ چھری چلاتے وقت اللہ جل جلالہٗ کے نام کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر جانور کو ذبح کیا جائے۔ چھری چلاتے وقت اگر اس نام کے ساتھ کسی اور کا نام لیا یا صرف علیحدہ بھی لیا جائے گا تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

ہم کسی جانور کو ذبح کرتے ہیں تو کسی ولی کی عبادت کیلئے جانور ذبح نہیں کرتے۔ بلکہ وہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور ثواب اس کا کسی ولی کو پہنچانا مقصود ہوتا ہے جس کو ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے اگر ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد اس کا نام اس پر آتا ہے تو اس سے وہ حرام نہیں ہوتا، ولی کو ثواب کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے لیتا نہیں

اللہ کو ثواب کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ تو ثواب دیتا ہے، لیتا نہیں۔ لہٰذا فرق ہی بڑا ہے، ولی وہ ہے جس کو ثواب کی ضرورت ہے اور خدا وہ ہے جس کو ثواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شرک تو تب ہوتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی معاذ اللہ ثواب کی ضرورت ہوتی اور ہم وہ ثواب کسی ولی کی طرف بھیج دیتے یعنی جو کام خدا

کیلئے تھا وہ غیر خدا کیلئے کر دیتے۔ ان ظالموں نے ظلم کیا کہ خدا کو بھی محتاج ثواب بنا دیا۔ جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اس کی بندگی کا اقرار کیا ہے جو کچھ بھی ذبح کیا جا رہا ہے، اس خدائے واحد کی عبادت کی نیت سے کیا جا رہا ہے۔ عبادت اس کے سوا کسی اور کی نہیں اور اس ذبح کئے جانے والے جانور کے ثواب کی نیت اپنے کسی بزرگ، ولی اور غوث کی ہے۔ اس فرق کو سمجھیں اگر کوئی بسم اللہ وغوث اعظم کہہ کر ذبح کرتا ہے، اگر کوئی بسم اللہ واسم محمد کہہ کر ذبح کرتا ہے تو وہ شریعت کی خلاف ورزی ہوگی اور اس کا کوئی قائل نہیں ہے کیونکہ یہ اس حکم خداوندی کی خلاف ورزی ہے کہ مسلمانو! تم پر وہ جانور حرام ہیں جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

ذبح کرتے وقت صرف اللہ کا نام لیا جائے گا۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد اگر غیر کا نام ہزار بار بھی لیا جائے تو اس سے اس جانور میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس کی ایک مثال دیکھیں۔

منکرین کیلئے لمحہ فکریہ

آپ قربانی دینے کیلئے جانور خریدتے ہیں اور ایک دو ماہ پہلے خرید لیتے ہیں اب جو بھی آپ سے پوچھتا ہے کہ یہ کس لئے خریدا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ یہ میں نے اپنی قربانی کیلئے اور یہ میں نے اپنے والدین کی قربانی کیلئے جانور خریدا ہے اور یہ جانور میں نے اپنے فلاں بھائی کی قربانی کیلئے خریدا ہے۔

اب یہ جانوروں پر غیر اللہ کا نام بولا جا رہا ہے۔ ہم ہی نہیں منکر بھی بولتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ قربانی کا جانور میرے لئے ہے، یہ میرے والد کیلئے ہے۔

میں ان سے پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ حرام کیوں نہ ہوا؟ اگر محض غیر اللہ کا

نام آنے سے جانور حرام ہو جاتا ہے تو پھر قربانی کا گوشت بھی نہ کھایا کرو یا پھر کہا کرو کہ قربانی اللہ کی ہے ہماری نہیں ہے۔

یہ ان لوگوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے جو اس مسئلہ میں جان بوجھ کر بگاڑ پیش کرتے ہیں۔ یا تو وہ مانیں کہ اس طرح ہماری طرف سے کوئی قربانی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ہماری طرف منسوب ہوگئی ہے۔ حالانکہ اُن کے نزدیک یہ بکرا، گائے، اونٹ اپنی طرف منسوب کرنے سے حرام نہیں ہوتے، جبکہ ان پر غیر خدا کا نام بار بار آیا ہے۔ جب تمہارا نام بار بار لینے سے قربانی کا جانور حرام نہیں ہوتا تو غوث پاک کا نام تو تمہارے نام سے کہیں زیادہ برکت والا ہے۔

قربانی کا گوشت برکت والا ہوتا ہے، جائز ہوتا ہے، زیادہ رکھو، کم رکھو، جائز ہی جائز ہے۔ اسی سے گیارہویں شریف کے جانور کا مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔ منکرین اس مسئلہ کو مانیں گے کہ اس طرح گیارہویں شریف کے جانور صحیح ہیں، حرام نہیں۔ اگر وہ اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتے تو وہ اپنی قربانیاں دینا بھی بند کر دیں کیونکہ اگر تم قربانی کے بارے میں کہو گے کہ خدا کی قربانی ہے، خدا تعالیٰ کو ثواب پہنچانے کیلئے ہے تو یہ معاذ اللہ کفر ہو جائے گا کہ خدا کو ثواب پہنچانا چاہتے ہو۔ جبکہ ثواب تو ہم خدا سے لینا چاہتے ہیں، الٹا ہم نے اس کو ثواب عطا کرنے کی حیثیت رکھ لی ہے کہ اللہ کی قربانی ہے، کیا اپنی طرف سے ثواب اللہ کو دینا چاہتے ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف یہ ہے کہ قربانی پر تمہارا اپنا نام بولا جائے کہ یہ میری قربانی ہے اور یہ سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے اور یہ سنت محبوب علیہ السلام کی ہے۔ سنت میں اللہ کے سوا نام آئے گا اور پھر ثواب میں بھی غیر خدا کا نام آئے گا۔ صرف بندگی اور عبادت محض خدا تعالیٰ کیلئے ہے۔ لہٰذا وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مفہوم یہ نہیں کہ غیر

خدا کا نام کسی چیز پر آنے سے وہ چیز حرام ہو جاتی ہے۔ یہ حرام تب ہو گی جب ذبح کے وقت غیر کا نام اللہ کے نام کی جگہ پر آئے گا۔ یا اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ غیر خدا کا نام بھی مل کر آئے گا تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

جس طرح کہ مشرکین مکہ اپنے جانور ذبح کرتے وقت کہتے

بِسْمِ اللّٰهِ بِسْمِ الْمَنَاتِ

یعنی جانوروں کو ذبح کرتے وقت چھری چلاتے وقت، بتوں کا نام لے کر ذبح کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے یہ حرام ہے۔

غیر اللہ یعنی بتوں وغیرہ کی عبادت کیلئے جو بھی جانور ذبح کیا جائے گا وہ بھی حرام ہو گا۔

مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ مشرکین مکہ جب اپنے معبودان باطلہ کیلئے جانور ذبح کرتے تھے تو اس وقت بلند آواز سے ان معبودان باطلہ کا نام لیتے تھے۔ یہی ان کی عبادت تھی۔

اگر مطلقاً غیر کا نام آنے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی ہے تو بہت سی حلال چیزیں حرام ہو جائیں گی۔

آپ اپنی گائے کیلئے کہتے ہیں کہ یہ میری گائے ہے۔

آپ اپنے مکان کیلئے کہتے ہیں کہ یہ میرا مکان ہے۔

آپ اپنی بیوی کیلئے کہتے ہیں کہ یہ میری بیوی ہے۔

آپ اپنے بچوں کیلئے کہتے ہیں کہ یہ میرے بچے ہیں۔

آپ اپنی گاڑی کیلئے کہتے ہیں کہ یہ میری گاڑی ہے۔

اگر روزوں پر غیر اللہ کا نام آجائے جیسے داؤدی روزے، رمضان کے روزے، تو

کیا یہ حرام ٹھہریں گے؟ اگر مساجد پر غیر اللہ کا نام آ جائے جیسے مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، مسجد عمر، مسجد عثمان تو کیا یہ حرام جگہیں ٹھہریں گی؟

کتب حدیث پر جو غیر اللہ کا نام آتا ہے جیسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ تو کیا اس سے کتب حدیث حرام ٹھہریں گی؟

المختصر ہمارا موقف جمہور مسلمین، جمہور علماء اہلسنت، جمہور مفسرین کے مطابق ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے ہمارا عقیدہ قرآن وسنت کے مطابق ہے، وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ کی اس تفسیر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ اگر جمہور کی رائے نہیں مانی جائے گی تو ساری کی ساری چیزیں معاذ اللہ حرام ہو جائیں گی۔ اللہ کے فضل سے ہمارا عقیدہ جمہور اہلسنت اور جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ہم میں سے کوئی کتنا ہی جاہل کیوں نہ ہو وہ چھری چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر جانور ذبح کرتا ہے۔ مسلمان اگر بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے مشرکین کے جانور بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر ذبح کرے تو وہ حلال ہیں تو وہ جانور کس طرح حرام قرار دیئے جا سکتے ہیں جو کسی ولی اللہ کو ثواب پہنچانے کیلئے اللہ کا نام لے کر ذبح کئے جاتے ہیں۔ ذبح کرنے سے پہلے محض نام آنے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا۔ اختصار ملحوظ خاطر ہے ورنہ بیسیوں مفسرین اور جلیل القدر علماء اہلسنت کی عبارات اپنے موقف کی حمایت میں پیش کرتا۔

اب احادیث سے اس مسئلہ کی وضاحت کرتا ہوں۔

ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے پانی کا صدقہ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ

(میری والدہ محترمہ) ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا ہے۔

فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ

ان کیلئے کون سا صدقہ افضل ہے۔

میں صدقہ کروں تو فائدہ میری والدہ کو پہنچے۔ یہاں بھی وہی قانون ثابت ہے کہ صدقہ کرنا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے لیکن اس سے فائدہ ان کی والدہ محترمہ کو بھی ہو جائے گا۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَآءُ ...... پانی

پانی کا صدقہ بڑا اچھا ہے۔

فَحَفَرَ بِئْراً وَ قَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے ہے۔ کنواں کھدوا کر کیا کہا:

هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ ...... یہ کنواں ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کنواں ہے۔

غور فرمائیں! اگر غیر کی طرف نیاز منسوب کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہے، جیسے ان کے نظریے کے مطابق غیر کا نام لینے سے گیارہویں کی کھیر حرام ہو جاتی ہے، گیارہویں کا لنگر حرام ہو جاتا ہے تو یہ غیر کا نام اس کنویں پر بھی لیا گیا اور نسائی شریف (جلد۲، ص۱۳۲) میں ہے:

مدینہ شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی سبیل

فَتِلْكَ سِقَايَةُ سَعْدٍ بِالْمَدِيْنَةِ

تو ابھی تک مدینہ منورہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی کی سبیل ہے۔

ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوت ہو چکی ہیں اور ان کے ایصال ثواب کیلئے پورے کنوئیں پر ان کا نام لیا گیا یعنی غیر اللہ کا نام لیا گیا۔

یہ وہ کنواں ہے جس سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پانی پیتے رہے۔

یہ وہ کنواں ہے جس سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اپنے کھیتوں کو سیراب کیا۔

یہ صرف پانی کے پینے ہی کی دلیل نہیں ہے۔

اس کنوئیں کے پانی سے باغات بھی اگے، پھل بھی اگے، کھجوریں بھی اگیں یہ وہ لنگر ہے جو ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لنگر ہے۔

صحابہ کرام نے اپنی زبان سے کھانے پینے والی چیزوں پر غیر اللہ کے نام بولے اور انہیں حرام نہیں سمجھا۔ اگر غیر اللہ کی طرف منسوب ہونے سے کھانے پینے کی چیزیں حرام ہو جائیں تو یہ صحابہ کرام پر بہت بڑا الزام ہوگا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب یہ کہا کہ:

هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ رضی الله تعالیٰ عنہا

یہ کنواں ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔

یہ کنواں ان کے ایصال ثواب کیلئے ہے۔

اگر یہ شرک و بدعت ہوتا تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیتے کہ میرے صحابہ! اس طرح شرک ہو گیا ہے۔ یہ پانی پینا حرام ہو گیا ہے۔ ہرگز اس سے پانی نہ پینا کیونکہ اس

پر غیر کا نام بول دیا گیا ہے۔

خدا کی قسم! کوئی ضعیف روایت بھی تمہیں نہ ملے گی کہ جس سے ثابت ہو کہ سرکار ﷺ نے صحابہ کو منع فرمایا ہو۔

سارے صحابہ اس کنویں سے پانی پیتے رہے۔ اس طرح انہوں نے ان سارے لنگروں کو جن کا کسی کے ایصال ثواب کیلئے اہتمام کیا جاتا ہے ان کو جائز قرار دے دیا۔

یہ عام روزمرہ زندگی میں کسی چیز پر غیر کا نام نہیں آیا ہے بلکہ خاص طور پر ایصال ثواب کیلئے غیر کا نام لیا گیا ہے جس طرح کہ غوث پاک کی نیاز، لنگر، گیارہویں پر ایصال ثواب کیلئے نام لیا جاتا ہے۔ خاص اس حیثیت میں نام لیا گیا ہے اس کے باوجود سارے صحابہ اس پانی کو برکت والا سمجھتے رہے، اسے پیتے رہے اور کسی نے ایسا کوئی معنیٰ و مفہوم نہ نکالا جس طرح کہ آج کے چند کور فکروں نے نکالا ہے۔

سب اس بات کو مانتے رہے کہ اگرچہ نام ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ گیا ہے مگر ان کا نام تو ثواب پہنچانے کیلئے آیا ہے۔ ایسے ہی حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں شریف کیلئے کہا جاتا ہے کہ یہ گیارہویں کا لنگر ہے۔ اس سے مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ اس میں ایصال ثواب ان کی روح کو پہنچانا مقصود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایصال ثواب

پھر دیکھئے بخاری و مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث شریف ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا۔ سرکار ﷺ اکثر ان کا ذکر فرماتے اور

وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ

اور کبھی کبھی سرکار ﷺ اپنے ہاتھ سے بکری ذبح فرماتے۔

ثُمَّ يُقَطِّعُهَا اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ

مشکوٰۃ ص ۵۷۳ کتاب الفتن باب مناقب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پھر سرکار ﷺ اپنے ہاتھ سے اس کا گوشت بناتے اور گوشت بنا کے اس کا ٹکڑ کاٹ کر سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی کسی سہیلی کو بھیج دیتے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد سرکار ﷺ بکری ذبح کر رہے ہیں اور گوشت تقسیم کر رہے ہیں۔ ان کی سہیلیوں کو گوشت بھیج دیتے ہیں۔ مجھے بتائیں جب یہ گوشت تقسیم ہو رہا تھا اور کسی نے پوچھا:

یہ کیسا گوشت ہے؟ تو جواب یہی دیا جاتا تھا یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کیلئے ذبح کیا گیا ہے۔ اس کا اور کوئی نام نہیں ہے۔ یہ بکری، یہ گوشت کسی کے نکاح یا ولیمہ کیلئے ذبح نہیں کی گئی۔ یہ بکری کسی دوست یا مہمان کی ضیافت کیلئے ذبح نہیں کی گئی بلکہ یہ بکری سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کیلئے ذبح کی گئی ہے، سرکار ﷺ نے خود بکری ذبح فرمائی اور حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے تعلق کی نسبت سے ان کی سہیلیوں کو گوشت بھیجا۔ یہ سارے کا سارا عمل ثابت کر رہا ہے کہ دنیا سے جو چلے گئے ہیں ان کے ثواب کے لئے یہ کام ہو سکتا ہے۔

دلائل بہت زیادہ ہیں لیکن وقت محدود ہے۔ اس لئے میں اس موضوع کو اگلے حصہ کی طرف بڑھاتا ہوں یعنی کسی اچھے کام کیلئے کوئی دن متعین کرنا جائز ہے یا نہیں۔

موضوع کا تیسرا حصہ

دن متعین کرنے کا جواز

کسی بھی اچھے کام کیلئے دن متعین کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جیسا کہ نکاح مسنون ہے لیکن اس کے لئے دن مقرر کیا جاتا ہے۔

مدارس، سکولوں، کالجوں، دفتروں کے اوقات مقرر کئے جاتے ہیں۔ تقریباً، محافل، اجلاس کے لئے دن اور اوقات مقرر کئے جاتے ہیں۔ مختلف قومی، یادگاری تقریبات متعین دنوں میں سرکاری سرپرستی میں منائی جاتی ہیں۔

حاجیوں کی پروازیں متعین دنوں میں آتی اور جاتی ہیں۔ المختصر زندگی کے ہر شعبہ میں اس طرح کی پابندیاں سہولت کیلئے رائج ہیں۔

ہر اچھے کام کیلئے دن متعین کیا جا سکتا ہے۔

ختم قرآن پاک اچھی بات ہے اس کیلئے دن متعین کیا جاتا ہے۔

ختم بخاری شریف اچھی بات ہے اس کیلئے دن متعین کیا جاتا ہے۔

مخالفین کا عملی محاسبہ

گیارھویں شریف پر اعتراضات کرنے والے لوگ اپنے مدارس میں ختم بخاری شریف کرواتے ہیں۔ باقاعدہ اسکا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مہینہ ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی دن متعین ہو جاتا ہے کہ فلاں دن ختم بخاری شریف ہو گا۔ یہ ختم بخاری شریف ثواب سمجھ کے کیا جاتا ہے، عبادت سمجھ کے کیا جاتا ہے، ہم ان سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے یہ ختم بخاری شریف کیا تھا۔ ہر ہر جزئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، صحابہ کرام سے،

قرون اولیٰ سے ثابت نہیں ہوسکتی، یہ کوئی قانون نہیں ہے کہ ہر ہر چیز ثابت کرو۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ختم بخاری شریف کیا تھا؟

کیا خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ختم بخاری شریف کیا تھا؟

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ختم بخاری شریف کیا تھا؟

تم ختم بخاری شریف ثواب سمجھ کر کرتے ہو، ہم سے تقاضا کرنے والو جواب دو، کیا یہ کام سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ کیا صحابہ کرام نے یہ کام کیا تھا۔ جب بخاری شریف ہی نہیں تھی تو ختم بخاری شریف کہاں سے آجاتا۔

ہم تو ختم قرآن مجید کرتے ہیں اور ہمارا قرآن مجید تو اس وقت بھی موجود تھا۔ ہم ختم بخاری شریف کے مخالف نہیں۔ ہم تو ختم قرآن مجید بھی کرتے ہیں اور ختم بخاری شریف بھی کرتے ہیں۔ ہم غوث پاک کا بھی ختم شریف پڑھتے ہیں اور حضور داتا صاحب کا بھی ختم شریف پڑھتے ہیں اور ہر اہل ایمان کا ختم شریف پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

جب ہم اولیاء کرام اور عام مومنین کے ایصال ثواب کیلئے ختم شریف کا اہتمام کرتے ہیں تو اسی وقت تمہارے پیٹ میں مروڑ اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔

تم کہتے ہو کہ ہم وہ کام کرتے ہیں جو خدا نے کیا ہے یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

بتاؤ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں ختم بخاری شریف کیا ہے یا حکم دیا ہے؟

یہ ختم بخاری شریف تو قرون اولیٰ میں بھی موجود نہ تھا۔

لہٰذا اگر تم اس انداز میں آؤ گے تو ہم تمہاری بیسیوں ایسی باتیں ثابت کریں گے جو عبادت کے طور پر تم میں رائج ہیں، تم پوری طرح ان پر عمل کرتے ہو، اپنے ہاں رائج کئے ہوئے ہو۔ لہٰذا سیدھے، سیدھے چلو اور قرآن و حدیث سے اخذ شدہ قواعد و

ضوابط کے مطابق ہمارے ساتھ بات کرو۔ اللہ کے فضل سے ہمارا مسلک قرآن و سنت سے واضح روشن ستاروں کی طرح ثابت ہے۔

ہر تقریب کا ایک ضابطہ سے ثبوت

عرس، میلاد، گیارہویں شریف، ہماری ہر تقریب اسی ضابطے سے ثابت ہو گی جو گنبدِ خضریٰ کے مکین حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث سے دن متعین کرنا ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوا کرتے تھے کیونکہ ایک بڑھیا مائی صاحبہ ہمارے لئے چقندر کی جڑیں لیتی جس کو ہم اپنی کیاریوں میں لگاتے ہیں، ان جڑوں کو ایک ہنڈیا میں ڈالتی اور اس میں چند جو کے دانے بھی ڈال دیتی۔ اس میں چربی یا چکنائی نہ ہوتی تھی۔ جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو اس مائی صاحبہ کے پاس ہم جاتے تو وہ ہمارے سامنے مذکورہ پکوان رکھ دیتی اس لئے ہمیں جمعہ کے دن کی بڑی خوشی ہوتی تھی۔

(صحیح بخاری شریف کتاب الحرث والمزارعۃ باب ما جاء فی الغرس، جلد ۱، ص ۳۱۶)

وعظ کیلئے جمعرات کے دن کا تعین

اس مائی صاحبہ نے لنگر تیار کرنے کیلئے جمعہ کا دن خاص کر رکھا تھا۔ نہ وہ دن جمعرات ہوتا تھا اور نہ بدھ ہوتا ہے، وہ لنگر جمعہ کو ہی ملتا تھا۔

سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بھی اچھے کام کیلئے دن متعین کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں تک کہ درس کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دن متعین

کر رکھے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ

(صحیح بخاری شریف کتاب العلم باب من جعل لاھل العلم ایاماً معلومۃ، جلد ۱، ص ۱۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے روز لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

ضابطہ یہ بنا کہ ہر نیک کام کیلئے دن متعین کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا گیارھویں شریف کیلئے بھی دن متعین کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

یاد رکھیں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہم گیارھویں شریف کو گیارھویں تاریخ کے ساتھ مختص نہیں سمجھتے کہ اگر گیارھویں دن ہوگی تو گیارھویں شریف ہوگی اور ایصال ثواب ہوگا، اگر گیارھویں دن نہیں ہے تو گیارھویں نہیں ہوگی۔

ہرگز نہیں بلکہ ہمارے نزدیک ایسی کوئی تخصیص نہیں ہے، جب بھی ہو جائے۔ گیارھویں دن ہو جائے، اس کے ایک دن پہلے ہو جائے، ایک دن بعد ہو جائے، کسی بھی دن کسی بھی وقت ہو جائے ہم اس کو جائز سمجھتے ہیں اور اسے کار ثواب سمجھتے ہیں جس حد تک مطلقاً تعین کی بات ہے تو بیسیوں ایسے شرعی امور ہیں کہ جن کے اندر تعین کو، وقت مقرر کرنے کو پوری امت نے ہمیشہ جائز سمجھا ہے۔

ختم قل شریف کا فلسفہ

آخری بات ختم کے متعلق بیان کرتے ہوئے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ دلائل تو بہت سے ہیں لیکن صرف ایک حدیث شریف کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ہم ختم کیوں دلاتے ہیں؟ گیارھویں شریف کا ختم ہے، ایصال ثواب کی کوئی بھی محفل ہو، ختم شریف پڑھا جاتا ہے۔ اصل میں ختم شریف کے پیچھے بھی ایک فلسفہ ہے۔ اسی فلسفہ کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے ختم شریف پڑھا ہے اور ہم بھی پڑھتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح مسلم شریف کتاب الذکر والدعا کے بَابُ فَضْلِ الْاِجْتِمَاعِ عَلٰی تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَ عَلَی الذِّکْرِ۔ کی حدیث شریف ہے۔

نبی اکرم، نورمجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

آپ نے فرمایا:

وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ

جب کچھ مسلمان بندے اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھے جاتے ہیں۔

کیا کرتے ہیں؟

یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ

اللہ کے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔

وَیَتَدَارَسُوْنَهٗ بَیْنَهُمْ

مجلس واعظ ہوتی ہے، وعظ و نصیحت کیا جاتا ہے۔

محفل ذکر کیلئے چار اہتمام

یہ گیارھویں شریف کا پورا نقشہ ہے۔

تو کیا ہوتا ہے؟ سرکار ارشاد فرماتے ہیں ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پروگرام کیلئے چار اہتمام فرما دیئے ہیں۔

(i) سب سے پہلے فرمایا:

اِلَّانَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ

اللہ کی طرف سے سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے۔

سکون کی بارش ان لوگوں کے دلوں کو سیراب کرتی ہے۔

(ii) وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ

اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

چاروں طرف سے رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

رحمت ان پر کور چڑھا دیتی ہے۔

(iii) وَحَفَّتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ

اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔

فرشتوں کا ہر کام بندگی ہے۔ آج بھی جہاں قرآن پاک پڑھا جاتا ہے، آج بھی جہاں ذکر کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ فرشتے اس مکان کو گھیر لیتے ہیں۔

(iv) وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ

اور جو فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر بندے کا ذکر اپنی بارگاہ میں فرشتوں کے سامنے کرتا ہے کہ اے فرشتو دیکھو! لوگ کتنی مصروفیات والے ہیں، لوگوں کی ترجیحات بدل گئیں ہیں، لوگوں کے ذہن کے فکر کے زاویے بدل گئے ہیں مگر دیکھو میرے بندے آج بھی ذکر سے منسلک ہیں، قرآن سے منسلک ہیں۔ قرآن پڑھ رہے ہیں، قرآن سن رہے ہیں، درس و تدریس، وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری ہے۔

اس حدیث شریف کے بہت سے نکات ہیں۔ ان کا وقت نہیں ہے، میں صرف یہ

عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جو ختم شریف پڑھتے ہیں تو اس لئے پڑھتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی تلاوت ہوگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوگا۔

سکون کی بارش برسے گی، فرشتے وہاں حاضر ہو جائیں گے اور جو فرشتے مکان کو گھیرتے ہیں، وہ دعا میں تو ضرور شریک ہو جائیں گے۔

جب یہ ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہوں گے۔

تو رحمتوں کی برسات میں دعا جلد قبول ہو جائے گی۔

لہٰذا اجتماعی طور پر بیٹھ کر یوں محفل گیارہویں شریف منعقد کرنے، ختم شریف پڑھنے، ایصال ثواب کرنے، قل دسویں چالیسویں کے ختم کی تقاریب کے اندر یہ فلسفہ کارفرما ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان محافل کے ذریعے سے ہمیں روحانی فیض اور تسکین قلبی عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر
7
شان ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ
وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلَائِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَـوْلَایَ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَـدًا
عَـلٰـی حَبِیْبِکَ خَیْـرِ الْـخَـلْـقِ کُـلِّـهِـم

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ، وعم نوالہ، واتم برہانہ، واعظم شانہ، کی حمد وثناء اور حضور سرورِ کائنات، مفخر موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، ہادیٔ السبل، ختم الرسل، مولائے کل، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

آج ہماری گفتگو کا موضوع ہے

﴿شانِ ولایت﴾

(قرآن وسنت کی روشنی میں)

قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے، خالق کائنات جل جلالہٗ نے اس آیت کریمہ میں نصاب ولایت کو بیان کیا ہے، اولیاء کرام کا تعارف کروایا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(پ ۱۱ سورہ یونس آیت نمبر ۶۲)

سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ

(پ ۱۱، سورہ یونس، آیت نمبر ۶۳)

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

اولیاء اللہ کا تعارف اور ولایت کے نصاب سے مراد یہ ہے کہ خالق کائنات جل جلالہٗ کن لوگوں کو یہ عظیم منصب عطا فرماتا ہے اور منصب ولایت کیلئے کن کن باتوں کا ہونا ضروری ہے

یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جن بندوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے، اپنے قرب میں جن کو جگہ عطا فرما دیتا ہے، ان لوگوں کا دیکھنا، سننا، چلنا،

پھرنا، ان کی سیرت و کردار، معمولات، یہ سارے کے سارے عام لوگوں سے جدا نظر آتے ہیں۔

﴿اللہ والوں کی نشانی﴾

یہاں تک کہ جب نبی عالم، نورِ مجسم، شفیع معظم سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ ان کی علامت کیا ہے؟ ان کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟ تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ الَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰهُ تَعَالٰی

(کنز العمال حدیث نمبر ۱۷۸۳)

کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو دیکھنے سے خدا یاد آ جائے۔

ان کا خالق کائنات کی بارگاہ کے ساتھ اتنا مضبوط تعلق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کے ساتھ اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ خالق کائنات عزوجل کے قریب کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلیات اس قدر ان لوگوں کو حاصل ہو چکی ہوتی ہیں کہ دیکھنے میں چہرہ ان لوگوں کا ہوتا ہے لیکن ان کے چہرے کے خدوخال سے جمالِ ایزدی نظر آتا ہے، ان کے چہرے کو دیکھنے سے خالق کائنات عزوجل یاد آ جاتا ہے۔

یقیناً یہ منصب بہت بڑا منصب ہے۔ اس لئے انسان کو بہت محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے، اس مقام کے حصول کیلئے زندگی کے شب و روز کو خالق کائنات کی رضا کے مطابق بسر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام وہ آتا ہے کہ وہ عمل کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے ہاں دوام اختیار کر لیتا ہے اور خالق کائنات اسے اپنی محبوبیت کے مقام و مرتبہ پر فائز فرما دیتا ہے۔

ولایت کے لوازمات

اس آیت کریمہ میں ولایت کے لوازمات کو، ولایت کے نصاب کو، ولایت کے خطوط کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولیاء اللہ کا یہ مقام ومرتبہ بیان کیا ہے کہ انہیں نہ صرف اس دنیا میں کوئی خوف اور غم نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی وہ غمگین نہیں ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْن

(پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۶۳)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد متقی رہے۔

یعنی انہوں نے ساری زندگی تقویٰ کے سایہ تلے بسر کر دی۔

قرآن مجید برہان رشید میں لفظ تقویٰ کئی بار استعمال ہوا ہے اور ان کے جدا جدا معنی ہیں۔

قرآن مجید میں یہ لفظ تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اگرچہ اس لفظ تقویٰ کا استعمال تو تین سے زیادہ مرتبہ ہوا ہے لیکن جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس کا تین معنی میں سے ایک معنی لیا جائے گا اور ان تین معنی میں اتنی وست و جامعیت ہے کہ انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس ایک لفظ میں عام بندے سے لے کر غوث الاغیاث، قطب الاقطاب تک کے معنی کی وسعت ہے یعنی تقویٰ کا معنی ان ساری منازل کو عام اور شامل ہے۔

نصاب ولایت کے بنیادی خدوخال

لہٰذا نصاب ولایت کے جو ضروری خدوخال خالق کائنات عزوجل نے بیان کئے ہیں ان کے دو بڑے حصے ہیں،

عقیدہ

ایک کا تعلق نظریے کے ساتھ ہے، ایک آئیڈیالوجی (Ideology) ہے۔
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ...... یہ نظریے کی بات ہے۔

عمل

اور دوسرے کا تعلق عمل کے ساتھ ہے۔ اور اس کا تعلق پریکٹیکل (Practical) کے ساتھ ہے۔ وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ......اور یہ عمل کی بات ہے۔

خالق کائنات نے فرمایا کہ میرے دوست، میرے ولی، میرے خاص بندے، میرے قریبی یعنی خاص قربت رکھنے والے ہیں، جن کو میں نے اپنا قرب عطا فرمایا ہے۔ وہ عقیدہ اور عمل دونوں میدانوں کے شاہسوار ہیں۔ نہ عقیدے کے معاملے میں ان سے کمزوری ہوتی ہے اور نہ عمل کی دنیا میں ان سے سستی ہوتی ہے۔

عقیدے کے لحاظ سے ان کا عقیدہ بڑا شستہ، صاف، مضبوط اور بغیر کسی لچک کے ہوتا ہے، ان کے عقائد کا شیشہ کسی قسم کی صلحکیت سے غبار آلود نہیں ہوتا، وہ عقیدے کے معاملہ میں کسی قسم کی مصلحت سے کام نہیں لیتے، ان کا عقیدہ بڑا شفاف، واضح اور صاف ہوتا ہے۔

ولی کیلئے جو عقیدہ کی پختگی ضروری ہے اس کا خالق کائنات نے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ میں ذکر فرمایا ہے اور وَکَانُوْ ایَتَّقُوْنَ سے عقیدے کے بعد جو عمل کی ضرورت ہے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ولی اللہ عمل سے مستثنیٰ نہیں بلکہ وہ عمل کا سب سے بڑا علمبردار ہوتا ہے۔

عقیدہ اور عمل، دونوں باتیں جس وقت اس میں اعلیٰ درجہ کی موجود ہوتی ہیں تو خالق کائنات اسے ولایت کا تاج عطا فرما دیتا ہے۔

عمل کے مختلف درجات

عمل کے درجات مختلف ہیں۔ ان کو سمجھنا، ان کو بیان کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا ہے، اب کسی معنی میں کوئی نبی نہیں آسکتا لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ نبوت وہبی ہے کسب سے نہیں ملتی لیکن ولایت میں کسب کا بھی دخل ہے۔ محنت، ریاضت، عبادت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ خالق کائنات کسی کو ویسے ہی عطا فرما دے لیکن غالب طور پر اس کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو شرع کے امور کا پابند کرتا جاتا ہے، اس کے باطن میں صفائی پیدا ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا باطن تجلی اور صاف ہو جاتا ہے اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کا ولی بن جاتا ہے۔

اکثر و بیشتر ولایت کسب کا ثمرہ ہے۔ لہٰذا موجودہ دورِ الحاد میں اس کی طرف متوجہ ہونا ہمارے لئے ضروری ہے۔

ولایت ایسی چیز نہیں کہ جس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو، اگر ہم اپنی تمام تر توجہات اس کے حصول کیلئے وقف کر دیں تو کوئی بعید نہیں کہ خالق کائنات اپنے فضل سے ولایت کا مقام و مرتبہ عطا فرما دے۔

ولایت کے عظیم مقصد کے حصول کی تڑپ کے پیش نظر آپ کام کرتے جائیں بالآخر خالق کائنات اپنے قرب میں جگہ عطا فرماتے ہوئے آپ کو ولایت کی دولت سے مالا مال فرما دے۔ انشاء اللہ العزیز

تقویٰ کا آغاز

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں۔

تقویٰ کا آغاز کلمہ اسلام سے ہوتا ہے، کلمہ پڑھنے سے انسان مومن بن جاتا ہے۔ یہ بھی ایک تقویٰ ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید برہان رشید میں اس معنی میں تقویٰ کو استعمال فرمایا ہے۔

ہمارے متقدین مفسرین نے تقویٰ کا آغاز، اس کا ابتدائی درجہ بیان کیا ہے، وہ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

﴿تقویٰ کا پہلا مرحلہ﴾

امام بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

تقویٰ کا پہلا مرحلہ، تقویٰ کی پہلی کلاس یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کفر اور شرک سے بچا کر اور اللہ ورسول پر سچے دل سے ایمان لا کر جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ ہو جائے۔

کلمہ اسلام پڑھ کے جہنم کے دائمی عذاب سے بچ جانا، یہ بھی تقویٰ ہے۔ کلمہ اسلام پڑھنے والا جہنم کے دائمی عذاب سے بچ جاتا ہے کیونکہ وہ مومن ہے، مومن اگر چہ کتنا ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو، کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، کتنا ہی بدعمل کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کا عقیدہ ٹھیک ہے۔ اس لئے وہ دائمی طور پر جہنم میں نہیں رہ سکتا۔ اگر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ جہنم میں جائے گا اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد بالآخر جنت میں چلا جائے گا۔

﴿لغوی تقویٰ﴾

تقویٰ کے معنی ہے بچانا، اپنے آپ کو دائمی عذاب سے بچانا، اگر چہ وہ کچھ وقت، کچھ عرصہ عذاب میں گرفتار رہے گا لیکن دائمی طور پر عذاب میں گرفتار نہیں رہے گا کیونکہ اس نے کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنے آپ کو جہنم کے دائمی عذاب سے بچالیا ہے۔

اس لئے اسے بھی ایک قسم کا تقویٰ حاصل ہے۔

وہ گناہگار مومن جہنم میں جائے گا جس کی کسی نے سفارش نہ کی ہوگی، اس کے بارے میں سفارش قبول نہ ہوئی ہوگی یا خالق کائنات نے اس کو معاف نہ فرمایا ہوگا۔

پھر دیکھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

(پارہ۲۶، سورہ الفتح، آیت۲۶)

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں پر کلمۂ تقویٰ لازم کردیا، یہاں کلمۂ تقویٰ سے مراد کلمۂ اسلام ہے یعنی ان لوگوں نے کلمۂ اسلام پڑھ لیا اور مومن ہوگئے۔ یہاں اسلام لانے کو ہی تقویٰ کہا گیا ہے۔ تقویٰ کے اس معنی کے لحاظ سے جو مسلمان ہے، وہ متقی ہے، جو متقی ہے وہ مسلمان ہے یعنی مومن اور متقی میں نسبت مساوات کی ہے، ہر مومن اس معنی کے لحاظ سے متقی ہے اس لئے کہ اس نے کلمۂ اسلام پڑھ رکھا ہے اور اس کلمۂ اسلام کی بدولت اس نے اپنے آپ کو جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ کرلیا ہے۔ اس تقویٰ کو لغوی تقویٰ کہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیت کریمہ:

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى

(پارہ۲۶، سورۃ الفتح، آیت۲۶)

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا۔

میں تقویٰ سے مراد حقیقی تقویٰ نہیں ہے، شرعی تقویٰ مراد نہیں ہے بلکہ لغوی تقویٰ مراد ہے۔ وہ یہ ہے کہ کلمۂ اسلام پڑھ لینا، مومن ہوجانا اور کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنے آپ کو جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ کرلینا۔ اللہ کے فضل سے یہ تقویٰ ہم میں سے

ہر ایک کو حاصل ہے۔ ایمان کامل حاصل ہے، عقیدہ صالح، عقیدۂ صحیح حاصل ہے۔ اس کی بدولت ہم جہنم کے دائمی عذاب سے محفوظ رہیں گے، اگر اللہ کے فضل سے خاتمہ ایمان پر ہوا اور اسی عقیدے پر قائم رہے۔

تقویٰ کا دوسرا مرحلہ

اس کے بعد تقویٰ کا دوسرا مرحلہ ہے۔

شرعی تقویٰ

وہ تقویٰ، شرعی تقویٰ کہلاتا ہے۔ وہ تقویٰ اس تقویٰ سے مشکل ہے۔ پہلا تقویٰ آسان سا تقویٰ تھا جو ہم سب کو حاصل ہے، جس میں ہم سب کو کامیابی حاصل ہے۔

پہلا تقویٰ جس کو اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ تقویٰ بمعنی اسلام ہے، اس تقویٰ کا ذکر آمَنُوْا میں آچکا اور کَانُوْا یَتَّقُوْنَ کے اندر وہ تقویٰ شامل ہے جو اولیاء کا نصاب ہے، وہ تقویٰ محض ایمان لانے کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد یہ نیا ہے جو نصاب ولایت میں شامل ہے، جو صالح مومن کے نصاب میں شامل ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ وہ تقویٰ ہے جو انسان کو ہر اس کام سے بچائے، جس سے انسان کو گناہ ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کا معنی بچانا ہے۔

وہ پہلا جو تھا اس نے دائمی عذاب سے بچایا ہے۔

یہ دوسرا جو ہے یہ بندے کو ہر اس فعل سے بچاتا ہے جس کی وجہ سے بندے کو گناہ ہو سکتا ہے۔

اب بہت سے درجات ہیں جن کی وجہ سے انسان کو گناہ ہوتے ہیں۔ کچھ افعال کی وجہ سے بڑا گناہ ہوتا ہے اور کچھ کی وجہ سے چھوٹا گناہ ہوتا ہے۔ شرعی تقویٰ یہ ہے کہ جو کام بھی بندے کو گنہگار کرنے والا ہو، اس سے بچے۔ اس کام سے بچنے والا انسان متقی انسان کہلائے گا۔

لہٰذا اب اس لحاظ سے ایک جامع نصاب ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ فرض کی پابندی، واجب کی پابندی، سنت کی پابندی، مستحب کی پابندی، اولیٰ کی پابندی، یہ ساری پابندیاں اس متقی انسان کے نصاب کا حصہ ہیں۔

حرام سے اجتناب، مکروہ تحریمی سے اجتناب، مکروہ تنزیہی سے اجتناب، خلاف اولیٰ سے اجتناب، یہ سارا اجتناب اس متقی کے نصاب کا حصہ ہے۔

یہ کوئی ایسا فعل نہیں کرتا جس کی وجہ سے ادنیٰ سا گناہ ہونے والا ہو۔ لہٰذا فرض کو بھی ترک نہیں کرتا کیونکہ فرض ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ یہ واجب کو بھی ترک نہیں کرتا کہ واجب کے ترک کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ یہ سنت کو ترک نہیں کرتا کیونکہ سنت کے ترک کرنے کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے اور یہ اولیٰ کو بھی ترک نہیں کرتا کیونکہ اولیٰ کے ترک کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہوسکتا ہے۔ جو کام بھی آخرت میں نقصان کا سبب بننے والا ہو، یہ متقی اس کام سے باز رہتا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب اور اولیٰ کا ترک نہیں کرتا کیونکہ جب فرض کے ترک کی وجہ سے بڑا نقصان ہوسکتا ہے تو اولیٰ کے ترک کی وجہ سے ولی کا چھوٹا نقصان ہوسکتا ہے۔ لہٰذا وہ اولیٰ تک کی بھی پابندی کرتا ہے اور خلاف اولیٰ کام نہیں کرتا۔

دوسری طرف وہ حرام کے قریب بھی نہیں جاتا، مکروہ تحریمی کے قریب بھی نہیں جاتا، مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بھی نہیں کرتا کیونکہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس کو آخرت کا نقصان ہوسکتا ہے۔

آخرت کے نقصان کی چند صورتیں

آخرت کا نقصان کئی قسم کا ہے۔ اگر ایک شخص جہنم میں دائمی طور پر رہے۔ یہ بھی آخرت کا نقصان ہے، جہنم میں کچھ وقت کیلئے رہے یہ بھی آخرت کا نقصان ہے، جنت میں جائے مگر اس کو ادنیٰ درجہ کی جنت ملے یہ بھی آخرت کا نقصان ہے، جنت میں اعلیٰ مقام پائے لیکن اعلیٰ جنت نہ حاصل کر سکے یہ بھی آخرت کا نقصان ہے۔ لہٰذا متقی تو وہ ہے جو آخرت کے ہر قسم کے نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتا ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

(پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۶۳)

اس لحاظ سے متقی انسان، اللہ کے دوست، خالق کائنات کے مقرب اور پیارے بندے وہ ہیں، جنہوں نے پہلے نمبر پر ایمان قبول کیا، ایمان کے لحاظ سے ایمان کی معراج پر پہنچے، عقیدہ صحیح کیا، اس کے بعد انہوں نے پوری زندگی اس تقوے کے دائرے میں گزار دی، زندگی بھر ان کا پورا جسم متقی رہا، ان کے کان بھی متقی رہے، ان کی زبان بھی متقی رہی، ان کی آنکھیں بھی متقی رہیں، ان کے ہاتھوں نے بھی تقویٰ اختیار کیا، ان کے قدم بھی متقی رہے۔ جب کسی انسان کے پورا پیکر، پورا سراپا، نے اللہ کی حدود کی پابندی کی، خالق کائنات کے احکامات کی روشنی میں زندگی بسر کر دی تو اب اس شخص کو شرعی متقی کہا جائے گا۔

یہ تقویٰ یقیناً مشکل نصاب ہے، اس لئے کہ اس میں صرف کلمہ اسلام پڑھنے کا نام تقویٰ نہیں بلکہ خالق کائنات جل جلالہٗ کے جامع احکام جو زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق ہیں، سب کو تسلیم کرنا ہے۔ صرف نماز پڑھ لینے اور روزہ رکھ لینے کا نام ہی تقویٰ نہیں۔

وہ شخص جو پوری زندگی گزارتے وقت، زندگی کا جو بھی شعبہ اس نے اختیار کر رکھا ہے، اس شعبہ کے متعلق خالق کائنات کی جو ہدایات ہیں، ان ہدایات کے مطابق پوری کی پوری زندگی کے معاملات کو اللہ کی رضا کے مطابق جب ڈھال لیتا ہے، اپنے پورے پیکر کو خالق کائنات کے دیئے ہوئے اسلام کے رنگ میں رنگ لیتا ہے، اسلام کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، پھر وہ شخص شرعی متقی بن جاتا ہے۔

اس کے کان کو تقویٰ اختیار کرنا پڑتا ہے کیونکہ شرع نے کان کیلئے علیحدہ نصاب دیا ہے۔ اس کو نماز کے ساتھ ساتھ، روزہ کے ساتھ ساتھ، اپنے کان کو متقی بنانا پڑتا ہے کیونکہ اسلام میں کان کیلئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ اپنے کسی بھائی کی غیبت سنے، کسی بھائی کے گلہ کو سنے، وہ فحش کلامی نہیں سن سکتا، وہ کوئی گندا گانا، نغمہ نہیں سن سکتا۔ اس کا کان یک متقی انسان کا کان ہے، شریعت نے اس کا بھی نصاب مقرر کر رکھا ہے۔ لہٰذا جب بھی اس کان کے اندر قصداً کسی قسم کا میوزک، فحش کلام داخل ہوگا تو اس کان کے تقویٰ پر آنچ آجائے گی، اس کا تقویٰ کامل نہ رہے گا۔

لہٰذا قرآن نے بندہ مومن کو ولایت کیلئے جو شرعی تقویٰ عطا کیا ہے، ایک کامیاب زندگی گزارنے کیلئے دیا ہے۔ خالق کائنات کی رضا کے حصول کیلئے دیا ہے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ جب سے بالغ ہوا ہے اس وقت سے لے کر مرنے تک اس کے کان کسی آواز سے بچیں۔ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، اسے پوری زندگی اپنے کان پر پہرا بٹھانا پڑے گا۔

سیدہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت عید[illegible] ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کہیں سے گزرتے گزرتے آ[illegible] تو آپ نے اپنی دونوں انگلیاں کانوں [illegible]

دور چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام پر جا کے انگلیاں باہر نکالیں جہاں اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔

آج کے مزامیر، میوزک، فحش کلامی میں اس حد تک تجاوز ہو چکا ہے، پراگندگی آ چکی ہے کہ اس کی وجہ سے کانوں کا تقویٰ مجروح ہو چکا ہے۔ لہٰذا آج کے اس پرفتن دور میں امت مسلمہ کا ایک فرد ہونے کے ناطے، ہمیں اپنے کان کو اپنا نصاب یاد دلانا چاہئے کہ تو ایک مسلم کا کان ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً

(پارہ ۲، سورہ البقرہ، آیت ۲۰۸)

صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام اسلام نہیں بلکہ تمہیں عملی طور پر بھی مکمل اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔ صرف مسلمانوں کا سا نام رکھ لینا اور کلمہ اسلام پڑھ لینا، یہ تو کامل ایمان نہیں ہے، خالق کائنات کے نزدیک تو یہ تمہاری کامیاب زندگی نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ جب میں نے تمہیں اپنے لئے پیدا کیا ہے تو پھر تمہیں اپنا پورا پیکر میری رضا کے مطابق رکھنا پڑے گا۔ تمہارے کانوں کو وہ باتیں سننی پڑیں گی جو مجھے پسند ہیں اور جو مجھے ناپسند ہیں ان سے تمہارے کانوں کو باز رہنا پڑے گا، جب زندگی بھر باز رہیں گے تو پھر خالق کائنات اس شخص کی زندگی کو کامیاب زندگی قرار دے گا۔

آج کے اس ماحول میں ہمارے بہت سے نوجوانوں کو، اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ ہی پتہ نہیں کہ اسلام نے ہمارے کانوں پر بھی کوئی پابندی لگائی ہے، آنکھوں پر بھی پابندی لگائی، دوسرے اعضاء پر بھی پابندی لگائی ہے۔

سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر عضو کا ایک زنا ہے، ہر عضو کی ایک برائی ہے، جس سے اسے شہوت ملتی ہے، جس سے وہ عضو خوش ہوتا ہے، ہر عضو کی علیحدہ برائی ہے اور کانوں کی برائی یہ گندے گانے سننا ہے، یہ میوزک سننا ہے، یہ گانے سننا کانوں کا زنا ہے۔ لہٰذا آپ تصور کریں کہ ہمارے کان کتنی بڑی برائی میں ملوث ہیں۔ لہٰذا اپنے کان پر پہرا بٹھانے کیلئے ہمیں اس شریعت کی پابندی کرنی ہوگی، جس شریعت کے نفاذ کیلئے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف کے بازاروں میں پتھر کھائے تھے۔

ہمارا دین محض ایک نظریہ نہیں کہ عمل کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہ ہو۔ یہ دین تو نافذ ہونے کیلئے آیا ہے، ہمارے بدن کے ہر اعضاء کو اس کے مقرر کردہ ضابطہ کا پابند رہنا ہوگا۔ لہٰذا کانوں کا شرعی تقویٰ اس کا نصاب یہ ہے کہ ہمارے یہ کان ایسی کوئی بات نہ سنیں جس کے سننے سے ہمارا مولا ناراض ہوتا ہو۔ لہٰذا اس گانے باجے سننے کو، فحش مکالمات کے سننے کو ریفریشمنٹ (Refreshment) قرار نہ دیں کہ ہم سارا دن کام کر کے تھک گئے ہیں اور اب ہم ذرا تفریح کر رہے ہیں، تھوڑا سا سانس لے رہے ہیں، ایسی تفریح تفریح نہیں، جہنم کی تپش ہے۔

شریعت مطہرہ کی پابندی

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

جنت کے ارد گرد مکروہ چیزوں کی وادیاں ہیں یعنی جن سے انسان کی طبیعت کو مشکل پیش آتی ہے، مشقت آتی ہے۔ مثلاً انسانی طبیعت کو نفل پڑھنے سے مشقت پیش آتی ہے، روزہ رکھنے سے مشقت محسوس ہوتی ہے۔ شرع کی پابندی سے مشقت محسوس ہوتی ہے، شہوت پر شریعت کے قواعد کی پابندی مشکل محسوس ہوتی ہے۔

یہ آج جس کو تم تفریح قرار دے رہے ہو، اپنی تھکن دور کرنے کیلئے ایک سہارا بنا رہے ہو، اس میں کوئی خوشی نہیں، کوئی چاشنی نہیں، حقیقی الذت نہیں، اس کی طرف اٹھنے والے قدم جہنم کے شعلوں میں لے جائیں گے۔ جہنم کے اردگرد انسانی خواہشات کے باغات ہیں، انسانی شہوت کا باغیچہ ہے کہ انسان کا کان اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی لئے سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کے ہر ہر عضو کیلئے نصاب مقرر کر دیا اور فرمادیا کہ بحیثیت مومن تمہیں مکمل طور پر اسلام میں داخل ہونا پڑے گا۔

امت مسلمہ کے کان کیلئے بھی نصاب مقرر فرمادیا کہ یہ ایک مسلم کا کان ہے، کسی آوارہ گرد کا کان نہیں ہے، یہ کسی کافر کا نہیں، مومن کا کان ہے۔ اس لئے اسے کھلم کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا، مومن کے کان کو مومن کے نصاب کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو کسی ایسی آواز کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے جس کو سننے سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔

اسی طرح یہ آنکھ، بندۂ مومن کی آنکھ ہے۔ خالق کائنات نے اس آنکھ کو انسان کی مرضی پر کھلم کھلا نہیں چھوڑا، جب خود انسان اللہ کی مرضی کا پابند ہے تو اس کی آنکھ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی پابند ہے۔ بندۂ مومن نے ایمان قبول کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ سے معاہدہ کر لیا ہے کہ یا اللہ! جو تو کہے گا میں وہ ہی کروں گا، اس کے صلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔ یہ بندۂ مومن خود کو اللہ کے سپرد کر کے اللہ سے جنت لے چکا ہے۔ لہٰذا بندۂ مومن ہر لحہ یہ یاد رکھے کہ میں اپنی جان اس کے ہاتھ بیچ چکا ہوں، اپنے کان بیچ چکا ہوں، اپنی آنکھیں بیچ چکا ہوں، بدلے میں جنت عطا کی جائے گی۔

آنکھ کا صحیح استعمال

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف اعضاء کی برائی کا جامع بیان فرمایا تو آنکھوں کی برائی یہ قرار دی کہ انسان اس طرف دیکھے جس طرف دیکھنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے کیونکہ جب اس طرف دیکھے گا تو انسان کی آنکھ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر بن جائے گا۔

یہ آنکھ رحمٰن کے جلوے دیکھنے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

یہ آنکھ کعبۃ اللہ کے نظارے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

یہ آنکھ گنبد خضریٰ، سنہری جالیوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلوؤں کے نظارے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

یہ آنکھ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

یہ آنکھ والدین کے چہرے کی زیارت کر کے حج قبول کا ثواب حاصل کرنے کیلئے پیدا کی گئی ہے۔

جب اس آنکھ کا غلط استعمال ہوا تو آنکھ کی برائی اسے جہنم میں لے جانے کا سبب بن گئی۔

وہ متقی انسان جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر کلمہ اسلام پڑھ لیا ہے اور اسلام کو بحیثیت دین مان لیا ہے، اسے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ میں جس خدا کا کلمہ پڑھتا ہوں، جس پیغمبر علیہ السلام کا کلمہ پڑھتا ہوں ان کی دی ہوئی شریعت کا بھی اول سے لے کر آخر تک پابند ہوں۔ کیونکہ اسلام صرف نظریے کا نام نہیں بلکہ یہ نظریے اور عمل دونوں کا نام ہے۔

اب جب انہوں نے میری آنکھ کو پابند کیا ہے، آنکھ پر تالا لگایا ہے، آنکھ کو روکا ہے تو میں کبھی بھی اپنی آنکھ کو آوارہ نہیں چھوڑ سکتا۔ قیامت کے دن جب مجھے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے اس وقت کو یاد کرتے ہوئے مجھے آج اکیلے بیٹھے ہوئے بھی ٹی وی، ڈش، وی سی آر، سینما، کیبل کی سکرین سے اپنی آنکھوں کو گندہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ آنکھوں کو صاف رکھنا چاہئے تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلووں کا دیدار ہوسکے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کی حاضری ہو تو پھر ندامت نہ ہو، اگر آنکھیں اتنی پاک وصاف رہیں گی تو پھر اس زندگی میں بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو جائے گا۔

مسلم کے ہاتھ کی پابندیاں

یہ سارے معاملات شرعی تقویٰ کے اندر ہیں کہ ہر چیز جس سے آخرت کا نقصان ہو جائے اس سے بچنے والا انسان متقی ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے پورے پیکر کو پابند کرنا پڑے گا۔

ہاتھ کو بھی پابند کرنا پڑے گا کہ ہاتھ سے کوئی ایسا فعل نہ ہو جس فعل سے خالق کائنات ناراض ہو جاتا ہو۔

کم تولنا، کم ناپنا، یہ بڑے بڑے جرم ہیں، ان سے بھی وہ محفوظ رہتا ہے۔ جس کے ساتھ ہاتھ لگنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے حبیب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا، اس سے باز رہتا ہے۔ پوری زندگی کسی غیر محرم کے ساتھ اپنے ہاتھ کو لگنے نہیں دیتا، کسی غیر محرم سے مصافحہ نہیں کرتا۔

ان ہاتھوں کی برائی کیا ہے؟

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان ہاتھوں کی برائی کسی غیر محرم کو

چھونا ہے، مس کرنا ہے، پکڑنا ہے۔

بندۂ مومن کا ہاتھ اس طرف نہیں جا سکتا جس سے خالق کائنات اور اس کے حبیب نے روکا ہے، اسے ان حدود کا پابند رہنا ہے۔

لہٰذا ہماری تہذیب وتمدن وہ ہے جس کی کڑیاں گنبد خضریٰ سے ملی ہوئی ہیں۔ ہم، ہمارا راہ ورسم غیر مسلموں کی طرح نہیں ہوسکتا۔ ہماری حکومت کے ارباب بسط وکشاد کو یہ سمجھنا چاہئے۔

ہر دور میں کچھ لوگ ایسے آجاتے ہیں جو ملنے جلنے میں، آپس کے ان آداب میں، غیر مسلموں کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیا انہیں خبر نہیں ہے کہ اسلام میں ہاتھوں کو بھی حدود کے اندر پابند کیا گیا ہے، غیر محرم کے ساتھ مس کرنے سے روکا گیا ہے۔ اگر کوئی مرد غیر مسلم عورت یا مسلم عورت سے مصافحہ کرتا ہے تو اسے یہ جان لینا چاہئے کہ سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق قیامت کے دن ان آنکھوں میں، ان کانوں میں ابلتا ہوا گرم تیل ڈالا جائے گا، ان ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے گا، سارے بدن کو گرم لوہے کے ساتھ تاپا جائے گا، اس لئے کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے ان اصولوں کی پابندی نہیں کی جو بحیثیت مسلمان اسے کرنی چاہئے تھی۔

پورے پیکر کا نصاب

ہماری زندگی میں ہمارے پورے پیکر کا ایک نصاب ہے، سر سے لے کر پاؤں تک ہر عضو کا نصاب ہے۔ پورے بدن کے اندر جو قوت لامسہ، چھونے کی قوت موجود ہے، اس پر پابندیاں ہیں۔

لہٰذا جب پورا پیکر اللہ اور اس کے حبیب مکرم کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے گا

تو اس انسان کو پھر شرعی متقی کہا جائے گا۔

یہ نصاب کسی ایسی قوم کا نصاب نہیں جو ہمارے بعد آئے گی، اس نے آ کر اس پر عمل کرنا ہے بلکہ بحیثیت مسلمان یہ ہمارا نصاب زندگی ہے۔ یہ قابل عمل نصاب ہے، ہماری وسعت سے باہر نہیں ہے، بحیثیت مسلمان ہم نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یا اللہ! ہم تیرے دیئے ہوئے دین پر عمل کریں گے۔ اس کا عقیدہ اور عمل دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ لہٰذا بحیثیت متقی ہمارے پورے اعضاء کا جو نصاب ہے ہم اس پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاریں گے، آخرت کے ہر نقصان سے بچیں گے، تب یہ زندگی کامیاب زندگی ٹھہرے گی۔

﴿شرعی تقویٰ کا معنیٰ ومفہوم﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ نے شرعی تقویٰ کو اس معنیٰ میں یوں بھی بیان کیا:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

(پارہ ۹، سورۃ الاعراف، آیت ۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔

فرمایا کہ اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور متقی ہو جاتے، یہاں پر بھی ایمان لانے کا نام ہی تقویٰ نہیں ہے۔ میں نے جو پہلے آیت کریمہ پڑھی ہے وہاں ایمان ہی تقویٰ تھا لیکن یہاں ایمان پہلے ہے اور تقویٰ بعد میں ہے، یہ دوسرا تقویٰ شرعی تقویٰ ہے، پہلے والا لغوی تقویٰ تھا، یہ شرعی تقویٰ پہلے تقویٰ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایمان نہیں تو تقویٰ آ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اگر کوئی کافر زندگی بھر اپنے آپ کو کہیں پابند رکھے، چلے کاٹتا رہے، اسے اللہ کے قریب کا کچھ حصہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے

کہ وہاں ایمان ہی مفقود ہے۔ پہلے ایمان دار ہو، پھر ساری زندگی شرعی حدود کے مطابق گزارے تو خالق کائنات اسے اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے گا۔

﴿تقوی کا تیسرا مرحلہ﴾

آپ نے شرعی تقویٰ کا ذکر سنا اس کے بعد جو مقام آتا ہے اسے حقیقی تقویٰ کہا جاتا ہے۔

﴿حقیقی تقوی ولایت کی شناخت﴾

حقیقی تقویٰ اصل میں ولایت کی شناخت ہے، پہلے جن کا ذکر ہوا وہ ولایت کے حصول کیلئے زادِ راہ تھے، ان کے حصول کے بعد ہی حقیقی تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

یہ حقیقی تقویٰ کان کو پابند رکھنے کا نام نہیں، آنکھ پر پہرا بٹھا دینے کا نام نہیں، زبان کو پابند کرنے کا نام نہیں، یہ سب کچھ پہلے ہو چکا ہے، ایمان بھی آ گیا ہے اور یہ پیکرِ متقی بھی ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اب تیسرا مقام شروع ہوا جس کو سوچنا بھی شاید ہمارے لئے مشکل ہو، کیونکہ اب یہ دل کی بات ہے۔

کان پر پہرا بٹھانا آسان ہے، گندی، فحش، بے ہودہ آوازوں پر کان میں انگلی ڈال لینا آسان ہے، برائی کی طرح سے آنکھیں بند کر لینا آسان ہے لیکن حقیقی تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان کے دل میں ایک لحہ کیلئے غیر کا خیال نہ آئے، دل ہر وقت اللہ کے ذکر سے آباد رہے، غیر کا خیال ہی دل سے نکال دیا جائے، شیطانی وسوسے اس دل میں آ ہی نہ سکیں، دل کی سرزمین اتنی صاف ہو کہ شیطان قدم ہی نہ رکھ سکے۔ دل اتنا محفوظ ہو، روشن ہو، دل کے محلے اللہ کے ذکر سے اتنے آباد ہوں کہ ایک لحہ کیلئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں، تو پھر وہ شخص حقیقی متقی بن جائے گا جس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَٰتِهٖ

(پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

یہاں تقویٰ سے مراد حقیقی تقویٰ ہے۔

ظاہری اعضاء کی ابندی انسان پہلے کر چکا ہے، اب حقیقی تقویٰ کی دہلیز پر پہنچا ہے کہ اس نے دل کے خیالات کو لگام دے لی ہے۔

دیکھئے کانوں کو بند کرنا آسان ہے، آنکھوں کو بند کرنا آسان ہے، ہاتھوں کو روک لینا آسان ہے، قدموں کو پیچھے ہٹا لینا آسان ہے مگر ایک پاور (Power) ہے جس سے انسان دل کے خیالات کو لگام دے لے۔ حقیقی متقی، ایسی پاور (Power) کا مالک ہوتا ہے۔ وہ ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے دل کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہونے دیتا، اگر ایک لمحہ بھی غیر کا خیال آ جائے وہ سمجھتا ہے میرے دل کا تقویٰ ختم ہو جائے گا، پاش پاش ہو جائے گا، ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ وہ اس حد تک وہ اپنی توجہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف مبذول رکھتا ہے کہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ بظاہر وہ کام کر رہا ہوتا ہے، کاروبار میں مصروف ہوتا ہے، دوکان چلا رہا ہوتا ہے لیکن دل میں خالق کائنات کا خیال رہتا ہے، دل اللہ کی طرف مشغول رہتا ہے، دل خالق کائنات کے ذکر سے آباد رہتا ہے تو اس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ حقیقی متقی بنا دیتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ حقیقت میں ذکر سے مقصود، دل کی غفلت کو دور کرنا ہے۔

ایک ہے زبان سے اللہ اللہ کرنا لیکن دل متوجہ نہ ہونا، اگر ایک شخص زبان سے ہزار مرتبہ اللہ اللہ کہتا ہے مگر دل اللہ کی طرف متوجہ نہیں، دل میں بدستور غفلت موجود ہے۔ ٹھیک ہے، زبان کے اس ذکر سے اسے ثواب تو حاصل ہوگا مگر دل کا جو حقیقی مقصد تھا

وہ پورا نہیں ہوا۔

دل کا حقیقی مقصد اس وقت پورا ہوگا، دل حقیقی طور پر اس وقت بیدار ہو جائے گا جب دل کا مرکز توجہ مکمل طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہوگا، دل غیر کی طرف توجہ مبذول نہ کرے، زبان کا ذکر تو ظاہری اعضاء کے ذکر میں آئے گا۔ وہ تو ایسی عبادت ہے جو شرعی تقویٰ میں زبان کی عبادت، شرعی تقویٰ کے نصاب میں شامل ہے لیکن حقیقی تقویٰ جس کا مقام شرعی تقویٰ کے بعد آتا ہے، وہ دل کا وہ مقام ہے کہ جس میں دل کی غفلت دور ہو جائے، دل کی سستی دور ہو جائے، دل کی عدم توجہی ختم ہو جائے اور دل ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، اللہ کی یاد میں آباد رہے۔

کچھ لوگ دل کی ایسی توجہ سے عاری ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ہم دل کی نماز پڑھتے ہیں، ہم تو ایسے متقی ہیں کہ ہمیں ظاہری اعضاء کی عبادت کی ضرورت ہی نہیں۔ ایسے تقویٰ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تقویٰ کا یہ تیسرا مقام اس کو ملتا ہے جو دوسرے مقام پر پوری طرح فیضیاب ہو چکا ہو، جس طرح کلمہ اسلام پڑھنا ضروری تھا ایسی ہی متقی کیلئے ظاہری پابندی کرنا بھی ضروری ہے، یہ ظاہر اعضاء کی پابندی کرے گا تب ہی دل متقی بنے گا۔ جو دل کا متقی ہے وہ غیر کا خیال دل میں آنے نہیں دیتا۔ وہ تیسرے مقام پر پہنچا ہی تب ہے جب وہ دوسرے نمبر کی پابندی کرتا رہا ہے۔ لہٰذا اس کا کان گناہوں میں ملوث نہیں ہوگا، اس کی آنکھ بھی ملوث نہیں ہوگی، اس کا ہاتھ بھی ملوث نہیں ہوگا، یہ ساری چیزیں موجود ہیں، ساتھ دل بھی آباد ہو جائے گا۔

﴿ظاہر و باطن کا تعلق﴾

ہم کسی ایسے تصوف کے قائل نہیں ہیں جو شریعت کے مخالف ہو اور دل کی دنیا آباد کرنے کا دعویٰ کر رہا ہو۔ ظاہر اور باطن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ظاہری اعضاء کی عبادت انسان کے باطن کو روشن کرتی ہے۔ انسان کے باطن کی روشنی، انسان کے ظاہر سے نظر آتی ہے۔ اسی لئے تو سید عالم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَثُرَتْ صَلٰوتُهٗ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا باب ماجاء فی قیام اللیل حدیث نمبر ۱۳۲۳)

جو رات کو نمازیں زیادہ پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ خوبصورت نظر آتا ہے رات کی بندگی کا دل کے اندر جو اثر ہوتا ہے وہ اثر اس کے چہرے کے خدوخال پر ظاہر ہو گیا۔ یہ ظاہر و باطن کا آپس میں تعلق ہے۔ اسلام میں شریعت ظاہر کے تابع ہے۔

شریعت سے کبھی اس کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ باطن کی اصلاح ضروری ہے اور باطن کی اصلاح حقیقی تقویٰ کی صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اب دیکھیں لوگوں کی باطن کی قوت کتنی ہے؟

لوگ مسجد میں آتے ہیں، بدن ظاہری طور پر مسجد میں پہنچتا ہے لیکن دل کا خیال مسجد سے باہر چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ انسان جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل کے خیالات کو پابند کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، اللہ کے فضل سے ان کا کنٹرول ایسا ہو گا کہ بدن اگر مسجد میں ہے دل کا خیال بھی مسجد میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہی رہے گا۔ یہ چیز محالات میں سے نہیں ہے کہ اس کا دروازہ بند ہو چکا ہے، ایسی

شخصیات کا تو ہمارے سامنے ایک جہان ہے۔ اس راہ میں ہم جیسے جیسے بڑھتے جائیں گے۔ خالق کائنات نئے نئے آفاق ہمارے سامنے کھول دے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(پارہ ۲۱، سورہ العنکبوت، آیت ۶۹)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

جس نے ہمارے لئے دل کا جہاد کیا، ہم اس کو اپنی راہیں دکھادیں گے۔ خود بخود پردے اس کے آگے سے اٹھتے چلے جائیں گے، حجابات اٹھتے چلے جائیں گے، وہ اسرار ورموز کی دنیا میں خود بخود سفر کرتا چلا جائے گا۔ اس لئے کہ جب اس نے اپنی زندگی کے شب وروز اللہ کی بندگی کیلئے وقف کر دیئے تو خالق کائنات بالآخر اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اب وہ لوگ جو لغوی تقویٰ، شرعی تقویٰ، پھر حقیقی تقویٰ کے سارے مراتب اول سے آخر تک طے کرتے ہیں تو پھر وہ ولی کہلاتے ہیں۔

ہم لوگوں کو زیب نہیں دیتا کہ ہم ایسے لوگوں سے حسد کریں اور ہمیں کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کہ ہم کہیں کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کا ولی بغداد شریف میں بیٹھا ہو اور کائنات میں دستگیری کرتا رہے، اللہ کا ولی، حضرت داتا گنج بخش، لاہور میں بیٹھا ہو اور ان کی نگاہ دور دور تک کا مشاہدہ کرتی ہو۔ وہ ہمارے جیسے انسان ہی تھے، ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا ہم تو چند فٹ کے فاصلے پر بھی کسی کی مدد نہیں کر سکتے وہ بھی ہمارے جیسے انسان ہی تھے پھر انہیں یہ مقام کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مراتب اور ان کی حامل شخصیت میں فرق اسی لئے رکھا ہے۔ لہٰذا ان سے حسد کرنے سے پہلے دیکھو تو سہی تم کس درجے میں ہو، تم نے کتنا کام کیا ہے،

تم نے مشقت کتنی اٹھائی ہے، تم نے ریاضت کتنی کی ہے، تم نے مجاہدہ کتنا کیا ہے؟

وہ دن رات اللہ کی بندگی کرتے رہے اور باطن کو اس قدر صاف اور شفاف کیا کہ اللہ نے اپنے قرب میں ان کو جگہ عطا فرمائی۔ انہوں نے کورس اتنا بڑا کیا ہے کہ وہ اس مقام ومرتبہ کے حامل ٹھہرے۔ جو پرائمری پاس ہو وہ ایم اے پاس کے مرتبے پر فائز شخص سے حسد کرتا کیوں ہے؟

اولیاء اللہ کا انعام

جس نے وہ نصاب پڑھا، محنت وریاضت کی، وہ یقیناً اس انعام کا مستحق ہے، اس عہدے کا اہل ہے۔

خالق کائنات اپنے ولی کے متعلق فرماتا ہے:

وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر ۶۰۲۱)

میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

میرا بندہ، میرا ولی پابندی کرتا ہے۔ فرض تو فرض رہے، واجب تو واجب رہے، سنتیں تو سنتیں رہیں، نوافل تک کی پابندی کرتا ہے۔ وہ سردی گرمی میں میری عبادت کیلئے کمربستہ رہتا ہے۔ خواہ سردی کی یخ بستہ راتیں ہیں، خواہ گرمی کا تپش آمیز ماحول ہے، کئی سالوں سے پابندی کے ساتھ کمربستہ ہے، چھوڑتا ہی نہیں، کہتا ہے میں اپنے رب کو راضی کر کے چھوڑوں گا، جب وہ دوام اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَتّٰی اُحِبَّہٗ

یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔

اللہ کا ولی ایسا نہیں کہ ایک مہینہ تو لگاتار بندگی کرے اور دوسرے مہینے کہنے لگے کہ

مجھ سے رات کو جاگا نہیں جاتا۔ ایک مہینے تو بڑا صوفی بنا رہا اور دوسرے مہینے عاجز آ گیا، یا ایک سال تو مسلسل عبادت و ریاضت میں گزارے اور دوسرے سال کہنا شروع کر دے کہ مجھے کچھ نہیں ملا۔

اس حدیث قدسی میں ہے کہ اس نے دوام اختیار کیا، وہ اتنا پختہ عزم ہے کہ ہر موسم میں، ہر قسم کے حالات میں، ہر طرح کے ماحول میں، زندگی کے سالہا سال ایسے ہی پابندی کے ساتھ بسر کرتا جا رہا ہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

حَتّٰی اُحِبَّهٗ

یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔

﴿ولی اور غیر ولی میں فرق﴾

خالق کائنات فرماتا ہے کہ جب میں نے اس کو اپنا محبوب بنا لیا تو اب میرے محبوب اور دوسرے انسانوں میں فرق بھی ہونا چاہئے۔ ٹھیک ہے کہ یہ میرا ولی، بناوٹ کے لحاظ سے دوسرے انسانوں جیسا ہی ہے، اس کے اعضاء دوسرے انسانوں کے اعضاء جیسے ہی ہیں۔ ان کی حقیقت اور میرے محبوب کی حقیقت ایک ہی ہے لیکن اب جو میں نے اسے اپنا محبوب بنا لیا ہے تو اس میں اور دوسرے انسانوں میں جو میرے احکامات کے باغی ہیں، جو غافل ہیں، ان میں اور میرے محبوب میں فرق بھی تو ہونا چاہئے۔

خالق کائنات فرماتا ہے کہ میں نے اپنے محبوب میں اور دوسرے انسانوں میں دنیا وآخرت میں واضح فرق قائم کر دیا ہے۔ ایک فرق تو روز قیامت نظر آئے گا، جنت کے درجات کے فرق سے نظر آئے گا اور دوسرا فرق دنیا میں بھی قائم کر دیا۔

ولی کی سماعت کا مقام

کون سا فرق قائم کر دیا؟ فرمایا کہ جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو
كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِى يَسْمَعُ بِهٖ
(بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر ۶۰۲۱)

میں اس کی سماعت (کان) بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے۔

یہ میرا محبوب ہے، یہ بھی بندہ ہے اور دوسرے بھی بندے ہیں۔ یہ بھی انسان ہے اور دوسرے بھی انسان ہیں۔ فرق یہ ہے کہ میں نے اسے اپنا محبوب بنا لیا ہے، اب میں اس کے کان بن گیا ہوں، جن سے یہ سنتا ہے۔

انسان ہوتے اس نے اتنی پابندی کی ہے کہ جب بھی شہوت اس کو مجبور کرتی، کوئی فحش، بیہودہ، گندی بات اسے سنائی دیتی جس سے ہیجان پیدا ہو جاتا ہے تو یہ اس کا گلا دباتے ہوئے اپنے کانوں کو میرے احکامات کا پابند کرتا تھا، اس نے کانوں کو اتنا صاف رکھا کہ اب میری قدرت اس کے کان بن گئے ہیں۔ لہٰذا ان کانوں سے یہ سنتا ہے جن میں میری قدرت کارفرما ہے۔

یہ ولی اللہ دور دور سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور سے، کئی پردوں کے پیچھے سے اس لئے سنتا ہے کہ اب اس کے کانوں میں میری قدرت عمل کر رہی ہے۔ اب بھی اگر وہ دور دور سے نہ سن سکے تو عام انسان اور میرے محبوب میں کیا فرق ٹھہرا؟ جس کو میں نے یہ انعام عطا فرمایا اور جس کو عطا نہ فرمایا ان میں کیا فرق ہوا؟ مطلقاً ہر انسان سنتا ہے، یہ عام سننا تو کافر کو بھی حاصل ہے، عام مومن کو بھی حاصل ہے؟ گنہگار مسلمان کو بھی حاصل ہے، اگر سننا سننا برابر ہو تو انعام کس بات کا دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس کو انعام دیا کہ میں اس کے کان بن گیا اور فرق یہ ٹھہرا کہ دوسرے جو ہیں

وہ چند فٹ سے سنتے ہیں، یہ سینکڑوں ہزاروں میل دور سے سن سکتا ہے کیونکہ میں اس کے کان بن گیا۔

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ

میں اس کے کان بن گیا، جن سے وہ سنتا ہے۔

اللہ کا دوست، محبوب، ولی، اللہ کے قرب میں ہے، اسے اللہ کے انوار و تجلیات اور قدرتیں اتنی حاصل ہیں کہ کان اس کے ہیں لیکن سننے کی طاقت رب ذوالجلال کی ہے۔ اگر اب بھی یہ دور سے سن نہیں سکے گا تو یہ اعتراض ولی کے کان پر نہیں بلکہ اللہ کی قدرت پر ہو جائے گا۔

لہٰذا اس کی ایک حدیث سے معترضین کے کئی اعتراضات کے جوابات ہو گئے، ان کے کئی مسئلے حل ہو گئے۔

کراچی کے ڈاکٹر مسعود عثمانی نامی شخص نے ایک سوال نامہ شائع کیا تھا۔ اب یہ شخص مر چکا ہے، اس نے لکھا کہ تم کہتے ہو کہ اولیاء اللہ دور سے سن لیتے ہیں، غوث پاک بغداد شریف سے سن لیتے ہیں، حضرت داتا گنج بخش لاہور سے سن لیتے ہیں۔

اچھا اگر سن لیتے ہیں تو پھر کوئی انہیں پتو میں بلاتا ہے، کوئی انگلش میں بلاتا ہے، کوئی فارسی میں بلاتا ہے، کوئی عربی میں بلاتا ہے، کوئی پنجابی میں بلاتا ہے، کوئی پنجابی میں بلاتا ہے تو کیا انہیں ساری زبانیں آتی ہیں؟

پھر کہتا ہے کہ انہیں ایک وقت میں کئی کئی ہزار آدمی بلاتے ہیں، تو وہ کس کی سنتے ہیں اور کس کی نہیں سنتے؟ ترجیح کیا ہو گی؟ اس قسم کے اس کے سوالات کئے، میں نے تقریباً دس سال پہلے اس کا جواب لکھا۔ پچھلے دنوں پھر ایک قصبہ جو کالیاں میں وہی سوالات مجھ سے میرے سامنے پیش ہوئے۔ میرے یہ جواب ہے کہ ہمارے نزدیک

وہ ولی اللہ جس پر اللہ کا انعام ہوا ہے، ہم اس ولی اللہ کے وہ کان مانتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر ۶۰۲۱)

تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت (کان) بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے۔

جن کانوں میں اللہ کی قدرت کارفرما ہو ان کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ دور دراز سے سن لیں، وہ کئی زبانوں کو سمجھ لیں، خدا کی قدرت زبانیں پڑھنے کی محتاج نہیں ہے، اللہ کی قدرت دور سے سننے میں کمزور نہیں ہے۔ خالق کائنات کی قدرت ایک لحہ میں کروڑوں لوگوں کی آوازوں کو دور دراز سے سننے کیلئے کسی کی محتاج نہیں ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میری قدرت ان کے کان بن گئی تو یہاں اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اللہ کی قدرت اگر نہیں سن سکے گی تو معاذ اللہ، اللہ کی قدرت پر اعتراض لازم آئے گا جبکہ خالق کائنات ہر نقص، عیب، خامی، کمزوری، سے پاک ہے اور ولی اللہ کو یہ اللہ کی دی ہوئی قدرت ہے کہ وہ دور دراز سے سن لیتا ہے اور کئی ایک کو ایک ہی وقت میں سن لیتا ہے۔

﴿ولی کی بصارت کا مقام﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَبَصَرَهُ الَّذِیْ يُبْصِرُ بِهٖ

اور اس کی بصارت (آنکھیں) بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔

﴿ولی کے ہاتھ کی طاقت﴾

وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا

اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے۔

اللہ کا ولی جب تک اس مقام پر فائز نہیں تھا، ہم جیسا انسان تھا، جو چند فٹ سے بھی بغیر واسطے کے نہیں پکڑ سکتا تھا مگر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کا ہاتھ بن گئی تو بیٹھا وہ بغداد شریف میں ہے لیکن کائنات کے کونے کونے میں دستگیری کر سکتا ہے۔

﴿ولی کے قدم کی حیثیت﴾

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا

(بخاری شریف کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر ۶۰۲۱)

اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔

وہ ایک لمحہ میں کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے۔ وہ ایک وقت میں کئی مقامات پر ہو سکتا ہے۔

میں نے اس حدیث قدسی کو بیان کرنے سے پہلے آپ کے سامنے تین درجات اس لئے رکھے تھے کہ بات میں معقولیت ہونی چاہئے اب جو شخص پرائمری پاس نہ ہو وہ یہ مطالبہ کرے کہ مجھے ایم اے پاس والی پوسٹ (Post) کیوں نہیں دی گئی؟ مجھے وہ مقام ومرتبہ ملنا چاہئے کیونکہ وہ ہم جیسا ہی ہے۔

جواب میں آپ کہیں گے کہ یہ بیوقوف ہے، پہلے اپنی صلاحیت کو اس عہدے کے مطابق بنائے پھر یہ عہدہ طلب کرے۔

اب اللہ کا ولی جس نے تقویٰ کے تینوں مراتب عبور کئے، ایمان لانے کے بعد ظاہر شریعت پر اتنی پابندی کی کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ دل کو

آباد کیا اور اللہ کی مرضی کے مطابق دل کے خیالات تک کو لگام میں رکھا۔ اب یہ شخص مستحق ہے کہ اللہ اس پر انعام فرمائے اگر تھوڑے پڑھے لوگ ان پر اعتراضات کریں گے تو یہ معقول بات نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ انہیں یہ مقام و مرتبہ اس واسطے ملا کہ انہوں نے مسلسل خالق کائنات کے ہاں مزدوری کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ تو کسی کا معمولی سا اجر بھی ضائع نہیں فرماتا، انہوں نے تو اپنی پوری زندگی اس کے لئے وقف کردی ہے، اس کے بدلے میں خالق کائنات نے یہ اجرِ عظیم عطا فرمایا کہ ان کیلئے فرمایا، میں ان کے کان ہوں، میں ان کی آنکھیں ہوں، میں ان کے ہاتھ ہوں، میں ان کے پاؤں ہوں، میری قدرت سے وہ سب کچھ کرتے ہیں۔

پہلے یہ بھی عام انسانوں جیسے عام انسان تھے لیکن اب میں نے ان کو اپنا محبوب بنا لیا ہے۔ میرے محبوب اور غیر محبوب میں یہ فرق ہے کہ میرے محبوب دور دراز سے سنتے بھی ہیں، دور دراز سے دیکھتے بھی ہیں، دور دراز سے مدد بھی کرتے ہیں، دور دراز سے عطا بھی کرتے ہیں۔

﴿ولی کی طاقت کا انداز﴾

قرآن مجید برہانِ رشید نے بھی اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے:

جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے یہ کہا تھا:

أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (پارہ ۱۹، سورہ النمل، آیت ۳۸)

کون ہے کہ وہ اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے حضور مطیع ہو کر حاضر ہوں۔

کون ہے جو سینکڑوں میل دور سے ملکہ بلقیس کا تخت اٹھا کر میرے پاس لے آئے

تو جن نے کہا تھا:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ

(پارہ۱۹، سورہ النمل، آیت۳۹)

میں وہ تخت حضور میں حاضر کر دوں گا۔ قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بے شک اس پر قوت والا، امانت دار ہوں۔ اللہ کے ولی نے کیا کہا:

قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ

(سورہ النمل آیت۴۰)

اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ

(سورہ النمل، آیت۴۰)

میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے

قرآن مجید میں جو ولی کی کرامت بیان کی گئی ہے اس میں کیا فلسفہ ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں بیٹھا ہوا اللہ کا ولی یہ کہہ رہا ہے کہ آپ کی آنکھ جو کھلی ہے اس کے بند ہونے سے پہلے تخت یہاں موجود ہوگا۔ آپ غور کریں۔

سینکڑوں میل دور کس ہاتھ نے وہ تخت اٹھایا۔

سینکڑوں میل دور کس آنکھ نے اس محل کے اندر تخت کو دیکھ لیا۔

سینکڑوں میل دور سے کس طرح اس کو اٹھا کر حاضر خدمت کیا۔

قرآن کہہ رہا ہے کہ انسان کا ہاتھ تھا، ہاتھ تو انسان کا تھا لیکن قدرت رحمٰن کی تھی۔

یہ کسی دیوان کی بات نہیں بلکہ قرآن کی بات ہے۔

یہ سفر تو کئی دنوں اور ہفتوں کا تھا لیکن گھنٹہ بھی نہیں لگا۔

منٹ بھی نہیں لگا کہ بلکہ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت وہاں موجود تھا۔

جس ہاتھ نے اتنی دور سے تخت کو اٹھا کر حاضر خدمت کیا وہ ہاتھ تو انسان کا تھا مگر

اس انسان کا جسے اللہ نے اپنا محبوب بنالیا تھا۔

دیکھیں، نبی تو نبی ہے، نبی کے پاس جو بیٹھتا رہا ہے اس میں اتنی قوت آگئی ہے کہ بیٹھا بیٹھا دور سے پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو اٹھا کر لے آیا ہے۔

اسی طرح اللہ کا ولی دور دراز سے کسی کی مدد بھی کر سکتا ہے، کسی کی آواز کو سن بھی سکتا ہے، کسی کو دور دراز سے دیکھ بھی سکتا ہے۔

جو کچھ میں نے بیان کیا محض وقت گزارنے کیلئے بیان نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ یہ میرے اور آپ کے نصاب کا حصہ ہے کہ ہم بھی ان مراتب کو حاصل کریں۔ اگر ہم بھی مسلسل اس پر عمل پیرا ہوں گے تو وہ وقت آجائے گا کہ ہمیں اس لذت کی چاشنی محسوس ہونے لگ پڑے گی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ولایت کے اندر رکھی ہے۔

وآخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

شانِ اولیاء از مولانا روم علیہ الرحمۃ

ہر کہ خوہد ہم نشینی باخدا

او نشیند در حضور اولیاء

جو خدا کا قرب چاہتا ہے وہ اولیاء اللہ کے پاس حاضر ہو

اگر تو سنگ خارا وَ مرمر بوی

چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

اگر تو سخت پتھر یا مرمر ہے تو ولی اللہ کی نگاہ سے گوہر بن جائیگا

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء اللہ کے ساتھ ایک وقت کی صحبت سو سال کی بے ریا طاعت سے بہتر ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ولی اللہ کا قول اللہ کا قول ہے اگرچہ بظاہر بندے کے حلق سے نکالا ہے

لوحِ محفوظ است پیش اولیاء

ازچہ محفوظ اس محفوظ از خطا

لوحِ محفوظ اولیاء کے پیش نظر ہے اس لئے وہ بفضل خدا خطا سے محفوظ ہیں

باب نمبر 8

فضائل امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ العاقبۃ للمتقین الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سید الْاَنْبِیَاءِ وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَ اجْتَبٰکُمْ۔

(پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۷۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

(پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

سرکار ﷺ کی نعت سنانے سے دل الفت سے بھر جاتا ہے

مسرور ہوائیں چلتی ہیں ایمان کا علم لہراتا ہے

جب یاد میں ان کی اشکوں سے آنکھوں کے کٹورے بھرتے ہیں
جب گنبد خضریٰ کی جانب دل عاشق کا جھک جاتا ہے

وہ پیدا ہوئے تو امت کی بخشش تھی پیش نظر ان کے
سرکار ﷺ کے جشن ولادت سے پھر منکر کیوں گھبراتا ہے

ہر ایک کو موت کی وادی میں بالآخر داخل ہونا ہے
میں اس کے مقدر پہ صدقے جو طیبہ میں مر جاتا ہے

کب تیرے نگر کی گلیوں میں پلکوں پہ خاک سجاؤں گا
اس فکر مسلسل کا شعلہ آصف کو اب تڑپاتا رہے گا

اَللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالیٰ جَلَّ جَلَالُهٗ وَ عَمَّ نَوَالُهٗ وَ اَتَمَّ بُرْهَانُهٗ وَاَعْظَمَ شَانُـهٗ کی حمد وثناء اور حضور سرور کائنات، مفخر موجودات، زینت بزم کائنات، دستگیر جہاں، غمگسار زماں، سید سروراں، راحت قلوب عاشقاں، طبیب قلوب مذنباں، حبیب قلوب جانثاراں، احمد مجتبیٰ، حبیب کبریا جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد،

نہایت ہی قابل قدر سامعین حضرات!

دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شمع جلانے والو!

آنکھوں سے ان کی محبت میں اشک بہانے والو!

چشم تصور کھول کر راہ طیبہ کو تکنے والو!

اللہ عزوجل کے نیک و مقبول بندو!

آج لیلتہ القدر کی بابرکت ساعت ہے اور ہمیں اللہ کے گھر میں بیٹھ کے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ ذیشان میں دعا ہے کہ اے خالق کائنات! ہمارا یہ اپنی عالی شان بارگاہ میں بیٹھنا قبول فرما لے اور ہمیں ان لوگوں کی فہرست میں شمار فرما لے جن کو آج جہنم سے آزادی کا پروانہ ملے گا۔

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے

فضائل امت محمدیہ ﷺ

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت سے اس امت کو کیا کچھ ملا، ان میں سے ایک بڑی چیز آج کی رات یعنی قدر کی رات ہے، جو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں رکھی گئی ہے۔

آج میری گفتگو کا یہی پہلو ہے کہ اس ذرۂ خاک کو، ان امت کے افراد کو، سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت نسبت سے کیا کچھ ملا، سب کچھ تو بیان نہیں ہو سکتا، لہٰذا صرف ایک خاکہ آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ﷺ

پسندیدہ امت

میں نے قرآن مجید برہان رشید کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ

(پارہ ۱۷، سورہ الحج، آیت ۷۸)

اللہ ﷻ نے تمہیں پسند فرمایا۔

اللہ ﷻ نے تمہیں مجتبیٰ بنایا۔

رضائے مجتبیٰ والو! خالق کائنات ﷻ فرما رہا ہے:

هُوَ

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ﷻ

اِجْتَبٰكُمْ

اس نے تمہیں پسند فرمایا ہے۔

یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کو ہے یعنی جن لوگوں نے بھی نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچے دل سے کلمہ پڑھ لیا ہے، وہ سارے کے سارے اللہ تبارک وتعالیٰ کے پسندیدہ بن گئے۔

﴿امت مصطفیٰ ﷺ کی شان﴾

نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ہی محبت بھرے انداز میں فرمایا تھا:

تم امتوں میں میرا حصہ ہو اور میں نبیوں میں تمہارا حصہ ہوں۔

انداز کیسا ہے؟

اللہ ﷻ نے ہزاروں امتیں پیدا فرمائیں مگر ان میں سے تم میرا حصہ ہو۔

اور نبیوں میں سے میں تمہارا حصہ ہوں۔

نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

جب خالق کائنات نے دلوں کو پیدا فرمایا تو سارے دلوں میں جو دل اللہ تبارک و تعالیٰ کو پسند آیا وہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل تھا۔ اس کے بعد جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے پھر دلوں میں نظر کی تو جو اسے پسند آئے، انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد جن کا مقام و مرتبہ ٹھہرا،

وہ لوگ صحابہ کرام تھے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرکار ابد قرار شفیع روز شمار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنگت کیلئے پسند فرما لیا۔

یہ سنگت بغیر انتخاب کے نہیں ہوئی۔

یہ سنگت بغیر پسند کے نہیں ہوئی۔

اس امت کا فرد ہونا کوئی معمولی منصب نہیں ہے۔

اس امت کا فرد بننے کیلئے تو بڑی بڑی سفارشیں ہوتی رہیں، التجائیں ہوتی رہیں، دعائیں ہوتی رہیں، اللہ عزوجل کا شکر کرو کہ اس نے ہمیں اس امت میں شامل فرما دیا۔

روزِ ازل دلوں کا سروے کیا گیا کہ میرا جو محبوب رسول ﷺ ہے۔

اس کے امتی کون سے ہوں!

ان امتیوں کا دل کیسا ہو!

ان کے دلوں کے اندر سوز کیسا ہو!

ان کے دلوں میں چاہت، تڑپ کیسی ہو!

اللہ کی بندگی کا ذوق کیسا ہو!

میرے محبوب ﷺ کی الفت کا شوق کیسا ہو!

خالق کائنات جل جلالہ نے روز ازل سے ان دلوں پر نشان لگائے جن دلوں کو اپنے

محبوب ﷺ کی امت میں شامل کرنا تھا۔

ان کو ممتاز کر دیا گیا کہ یہ وہ عظیم لوگ ہیں جن کو عظیم محبوب ﷺ کی امت میں شامل کیا جائے گا۔

اسی لئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خواہش کی۔

سابقہ کتب سماویہ میں اس امت کی شان

ابن جریر نے اس کو روایت کیا، مستند تفاسیر کے اندر اس کا ذکر ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات (تورات کی تختیوں) کو دیکھا تو انہیں ایک مضمون ملا جس میں کچھ لوگوں کا تذکرہ تھا، کچھ لوگوں کی عظمت وشان کا بیان تھا، کچھ لوگوں کی منقبت اور مقام و مرتبہ بیان کیا گیا تھا۔ وہ اس کو پڑھتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ﷻ کی بارگاہ عالی شان میں عرض کرتے ہیں۔

یا اللہ! میں نے ان تختیوں میں دیکھا کہ ایک ایسی قوم ہے جس قوم کے بارے میں میں نے پڑھا کہ ان کو اتنا بڑا مقام و مرتبہ دیا گیا ہے کہ

وہ لوگ نبی نہیں، پیغمبر نہیں، رسول نہیں، امتی ہوں گے۔

دعاؤں کی قبولیت کا شرف

ان کا مقام و مرتبہ اور عظمت وشان یہ ہوگا کہ جب وہ اللہ ﷻ کی بارگاہ عالی شان میں عرض گزار ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی عرض کو شرف قبولیت عطا فرمائے گا۔

جب وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض گزار ہوں گے کہ یا اللہ ﷻ فلاں کو چھوڑ دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ﷻ اس کو رہائی عطا فرما دے گا، اس کو آزاد فرما دے گا۔

یا اللہ ﷻ جن لوگوں کو تو نے اتنا عظیم الشان مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

ایسے لوگوں کو میری امت میں داخل فرما دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ چاہت کی کہ ایسے عظیم الشان لوگ تو میرے امتی ہونے چاہئیں کہ جب وہ بولیں تو خدا ان کی بات کو سن لے، قبول فرمالے۔

ان کا بولنا اتنا پیارا ہو، ان کا لہجہ اتنا مقدس ہو، ان کی زبان میں اتنا سوز ہو، ان کے دل میں ایسی صداقت ہو، ان کے چہروں پر ایسا نور ہو کہ جب وہ اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائیں تو رحمت ایزدی کو جوش آجائے، جب وہ شفاعت کریں تو جہنمی جہنم سے آزاد ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بار بار ان کیلئے صدائیں کر رہے تھے لیکن اللہ ﷻ نے فرمایا

تِلْكَ اُمَّةُ اَحْمَدَ ﷺ

اے موسیٰ! یہ تمہیں نہیں ملے گی کیونکہ یہ میرے محبوب ﷺ کی امت ہے۔

۞......۞......۞......۞......۞

﴿حفظِ قرآن کا شرف﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الواح تورات میں پھر ایک مضمون نظر آتا ہے کہ ایک امت ہے۔

اَنَا جِیْلُهُمْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ

ان کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہیں۔

یعنی ایک ایسی امت ہے جو دیکھ کے پڑھنے کی محتاج نہیں ہوگی۔

ان کو حافظہ ایسا دیا گیا ہے کہ پوری کائنات میں کسی امت کو نہیں دیا گیا۔

ساری امتوں کا یہ خاصا نہیں تھا کہ وہ اپنی کتاب کو زبانی پڑھ سکیں،

صرف پیغمبر اور خاص لوگ اپنی کتابوں کو زبانی پڑھ سکتے تھے۔

ایک امت ایسی ہے کہ جس کو حافظہ ایسا دیا گیا ہے کہ اس امت کا چھوٹا سا بچہ ہوگا

لیکن ساری کی ساری کتاب اس کے سینے میں ہوگی۔

جب چاہے گا پوری کتاب زبانی سنا دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ مضمون پڑھا تو پھر شوق مچل پڑا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے۔

یا اللہ جل جلالہ اسے میری امت بنا دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا نہیں

تِلْكَ اُمَّةُ اَحْمَدَ ﷺ

یہ تو میرے محبوب احمد کریم ﷺ کی امت ہے۔

میں نے حفظ میں ان کو ممتاز کیا ہے۔

کسی امت کو ایسی قوت حافظہ نہیں دی گئی۔

ان کے ذہن ایسے ہیں جیسے کوئی لائبریری ہو اور تمام علوم کی کتب سے اوپر ہو۔

ان کے ذہن کی لائبریری میں قرآن مجید اول تا آخر محفوظ ہو جائے گا۔

میں نے اتنا حافظہ اور کسی کو نہیں دیا، اپنے محبوب ﷺ کے صدقے ان کو عطا فرمایا ہے۔

آج ہمارے ہاں دستار فضیلت کی تقریب بھی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ چھوٹے چھوٹے حفاظ ہیں جنہوں نے قاری صاحب سے مکمل قرآن پاک حفظ کر لیا ہے آج ان کے سر پر دستار فضیلت سجائی جائے گی۔

یہ اسی خصوصیت کا حصہ ہے۔

آپ نے ختم قرآن مجید کی محفل میں شرکت کی۔

پورا قرآن مجید تراویح میں پڑھا گیا۔

یہ اسی سوز کا حصہ ہے جس کو دیکھ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ عالی شان میں التجا کی تھی۔

یا اللہ جل جلالہ انہیں میری امت بنا دے۔

جواب ملا، نہیں، یہ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔

﴿نیک اعمال پہ کثرتِ ثواب کا شرف﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام الواح تورات کا مطالعہ کرنے لگے تو ایک مضمون ملا، لکھا تھا کہ ایک امت آئے گی، جب وہ نیکی کا ارادہ کرے گی اور کسی وجہ سے وہ نیکی کر نہیں پائے گی تو پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نیکی کا ثواب عطا فرما دے گا اور اگر نیکی کرے گی تو ایک ثواب نہیں، دس سے لے کر سات سو تک ثواب عطا فرمائے گا۔ اگر کر نہ سکے صرف ارادہ کرے تو بھی ایک نیکی ضرور ملے گی۔

سات سو تک ثواب کی کثرت بیان کرنا مقصود تھا، ورنہ غیر محدود نیکیاں مل جائیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ پڑھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے:

یا اللہ جل جلالہ انہیں میری امت بنا دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا، نہیں

تِلْكَ اُمَّةُ اَحْمَدَ ﷺ

یہ میرے احمد کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ یہ ساری باتیں اس لئے ہو رہی تھیں کہ روز ازل سے ہی انتخاب ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ ازل سے ہو چکا تھا کہ

کون مصطفوی ہوگا؟

کون محمدی ہوگا؟

وہ کون ہوں گے جن کے گلے میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا پٹہ ہوگا؟

وہ کون ہوں گے جو ان کی خاک پانے کیلئے تڑپتے رہیں گے؟

وہ کون ہوں گے جو چہرے کی ضیاء کیلئے آنکھیں کھول کے راتوں کو جاگتے رہیں گے؟

ان لوگوں کو کوئی عام آدمی نہیں مانگ رہا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کا جلیل القدر پیغمبر مانگ رہا تھا لیکن جواب کیا ملا؟

اے موسیٰ علیہ السلام یہ تمہارا نہیں ان کا حصہ ہے۔

❁......❁......❁......❁......❁

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا شرف

حضرت موسیٰ علیہ السلام الواح تورات کا مطالعہ کرنے لگے تو الواح کے اندر لکھا پڑھتے ہیں کہ وہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس شان سے کرے گی کہ ان کی زبان کٹتی ہے تو کٹ جائے لیکن وہ حق بات کہنے سے نہیں رکیں گے۔

وہ قوم برائی کو مٹائے گی اور اچھائی کا حکم دے گی۔

اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَهِي عَنِ الْمُنْكَرِ میں زندگی بسر کرے گی۔

ابھی اور بھی بہت سے فضائل تھے، اختصار سے عرض کر رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مزید تختیاں کھولنی بند کر دیں۔ پھر

؎ جوش جنوں کے ہاتھ سے فصل بہار میں
گل سے بھی نہ ہو سکی دامن کی احتیاط

بالآخر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے۔

یا اللہ ﷻ اگر یہ میرے امتی نہیں بن سکتے تو مجھے احمد کریم ﷺ کی امت میں بنا دے۔

یہ سرکار ابد قرار حبیب کردگار شفیع روز شمار ﷺ کا امتی ہونا کوئی چھوٹا منصب نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کے لئے التجائیں نہ ہوتیں، درخواستیں نہ ہوتیں اور اللہ ﷻ کے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، اللہ تبارک وتعالیٰ ﷻ کی بارگاہ میں اتنے شوق سے سرکار ﷺ کے امتی ہونے کی تمنا نہ کرتے۔ سرکار ﷺ کا امتی ہونا کتنا بڑا منصب ہے۔

؎ انبیاء سے عرض کروں کیوں مالکو!
کیا نبی ہے تمہارا ہمارا نبی ﷺ

یہ سرکار ﷺ کا امتی ہونا وہ مقام ہے کہ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جذبات کا اظہار یوں فرمایا:

یا اللہ ﷻ مجھے ان کی امت میں شامل فرما دے۔

(قصص الانبیاء، امام ابن کثیر، تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ص ۴۱۵ اردو، شبیر برادرز لاہور)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونا، ایسا ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور سرکار ابد قرار، حبیب کردگار، شفیع روز شمار ﷺ کی وساطت سے یہ بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ ہم کو نصیب ہوا۔

ہمارے پاس ایسے الفاظ نہیں۔

ہماری فکر کی ایسی پرواز نہیں۔

کہ ہم ایسے حقائق کو مکمل طور پر زبان سے بیان کر سکیں جس سے یہ پتہ چلے، جس سے واضح اظہار ہو کہ سرکار ﷺ کو اس امت سے کتنا پیار ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں

ایک دفعہ دوران مطالعہ مجھے ایک حدیث شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے مطالعہ کے دوران ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری رہی۔

امام طبرانی نے معجم کبیر (جلد ۳، ص ۶۲ تا ۶۴، دار احیاء التراث الاسلامی) میں اس کو روایت کیا ہے یہ بہت طویل حدیث ہے، میں اس کے چند اقتباسات آپ کے سامنے رکھوں گا، میری بات کو دھیان سے سننا۔ یہ وہ دن ہے جو صفحہ زمین پر میرے پاک محبوب علیہ السلام کا آخری دن ہے۔

عظمتِ خاندان مصطفیٰ ﷺ

دروازے پر دستک ہوئی ہے، ایک شخص کھڑا ہے، کہتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنَ الرِّسَالَةِ وَ مُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ أَدْخُلُ؟

اے اہل بیت نبوت، اے معدن رسالت میں رہنے والو! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

ایک ہے معدن سونے کی اور ایک ہے چاندی کی، وہ جو دروازے پر کھڑا ہے وہ کیا کہتا ہے؟

يَا اَهْلَبَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنَ الرِّسَالَةِ اَدْخُلُ

اے بیت نبوت اور رسالت کی معدن میں رہنے والو! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

يَا مُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ اَدْخُلُ

اے اس گھر میں رہنے والو! جہاں فرشتے باری باری اترتے ہیں۔

کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

غور کرنا، جب یہ آواز آئی تو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا جن کی بصیرت کمال کی ہے، وہ کہتی ہیں:

فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَجِيْبِي الرَّجُلَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں اے فاطمہ! جو دروازے پر کھڑا اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے، تم اس کو جواب دو۔

اخلاقِ اہلبیت اطہار علیہم الرضوان

فَقَالَتْ فَاطِمَةُ

تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولتی ہیں۔

آجَرَكَ اللّٰهُ فِيْ مَمْشَاكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ

اے میرے عظیم باپ اور اللہ عزوجل کے محبوب نبی ﷺ کے دروازے پر آنے

والے! اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ تیرے آنے میں برکتیں کرے۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَشْغُوْلٌ بِنَفْسِہٖ

آپ کو اس وقت اندر آنے کی اجازت نہیں مل سکتی کیونکہ اس وقت سرکار ابد قرار حبیب کردگار ﷺ اپنے نفس میں مشغول ہیں۔

اس وقت ان کی طبیعت پر کافی بوجھ ہے۔

یہ سن کے وہ چپ ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر کہتا ہے:

یَا اَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ وَ مَعْدِنَ الرِّسَالَۃِ وَ مُخْتَلَفَ الْمَلَائِکَۃِ اَدْخُلُ

اے اہل بیت نبوت، اے اہل معدن رسالت! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟

سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پھر فرماتی ہیں:

اے فاطمہ! ان کو جواب دو۔

تو وہ کہتی ہیں۔

آجَرَکَ اللّٰہُ فِیْ مَمْشَاکَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ، اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ مَشْغُوْلٌ بِنَفْسِہٖ

اے آنے والے، تیرا آنا مبارک ہو، مگر ہم اجازت نہیں دے سکتے کیونکہ اس وقت سرکار حبیب کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت پر کافی بوجھ ہے۔

علم غیب مصطفیٰ ﷺ

تیسری مرتبہ پھر اس نے انہی الفاظ سے اجازت مانگی تو سید عالم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یَا فَاطِمَۃُ! مَنْ بِالْبَابِ؟

فاطمہ! یہ دروازے پر کون ہے؟

يَا فَاطِمَةُ اَتَدْرِيْنَ مَنْ بِالْبَابِ؟

فاطمہ! تم جانتی نہیں ہو یہ کون ہے؟

هَذَا هَادِمُ اللَّذَّاتِ وَمُفَرِّقُ الْجَمَاعَاتِ

یہ لذتوں کو ختم کرنے والا اور جمع شدہ لوگوں کو بکھیرنے والا ہے۔

هَذَا مُرَمِّلُ الْاَزْوَاجِ

یہ عورتوں کو بیوہ کرتا ہے۔

وَمُؤْتِمُ الْاَوْلَادِ

اور اولاد کو یتیم کرتا ہے۔

هَذَا مُخَرِّبُ الدُّوْرِ وَ عَامِرُ الْقُبُوْرِ

یہ گھروں کو ویران کرتا ہے اور قبروں کو آباد کرتا ہے۔

هَذَا مَلَكُ الْمَوْتِ

یہ تو ملک الموت ہے۔

اے فاطمہ! یہ جو اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے یہ کوئی بدو نہیں، یہ تو اللہ کا فرشتہ ہے جو اندر آنے کا اذن مانگ رہا ہے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ سب گھروں میں یہ بغیر اجازت جاتا ہے لیکن بارگاہ نبوت ﷺ میں بغیر اذن کے نہیں جا سکتا۔

﴿بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں فرشتوں کی قدر﴾

اُدْخُلْ رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ

اے ملک الموت! خدا تعالیٰ جل جلالہ تجھ پر رحم فرمائے، اندر آ جا۔

حضرت ملک الموت عرض کرتے ہیں:

سرکار ﷺ کی بارگاہ وہ ہے کہ جس میں کسی کو جھڑکی نہیں ملتی، ملک الموت آیا تو سرکار ﷺ نے دعا دے کر اندر بلا لیا۔

اُدْخُلْ رَحِمَكَ اللّٰهُ یَا مَلَكَ الْمَوْتِ

جب ملک الموت اندر تشریف لائے تو سرکار ﷺ نے فرمایا

یَا مَلَكَ الْمَوْتِ جِئْتَنِیْ زَائِراً اَمْ قَابِضًا؟

اے ملک الموت! میری زیارت کیلئے آیا ہے یا قبض روح کیلئے آیا ہے۔

حضرت ملک الموت عرض کرتے ہیں:

جِئْتُكَ زَائِراً وَّ قَابِضاً

میں صرف قبض روح کیلئے نہیں آیا بلکہ زیارت کیلئے بھی آیا ہوں۔

لیکن

وَأَمَرَنِی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

اور اللہ جل جلالہ نے مجھے حکم فرمایا ہے:

أَنْ لَّا اَدْخُلَ عَلَیْكَ اِلَّا بِاِذْنِكَ وَلَا أَقْبِضَ رُوْحَكَ اِلَّا بِاِذْنِكَ

میرے محبوب ﷺ کے جسم انور سے روح قبض کرنا تو درکنار، ان کی اجازت کے بغیر ان کے گھر میں بھی داخل نہیں ہونا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بڑے بڑے بادشاہوں کی روح کھینچتا ہوں لیکن کسی سے بھی نہیں پوچھتا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے حکم فرمایا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کے گھر جانے کی بھی اجازت لینی ہے اور روح قبض کرنے کی اجازت لینی ہے۔

اگر وہ اجازت عطا فرمادیں تو اندر جانا، اگر اجازت دیں تو روح قبض کرنا، ورنہ لوٹ کے واپس میری بارگاہ میں آجانا۔

مقام محبوبیت

یہ ہے مقام محبوبیت لیکن آج کے گمراہ قسم کے لوگ اس ارفع واعلیٰ مقام کو سمجھتے نہیں اور اپنی مثل قرار دیتے ہیں۔

یہ تو وہ مقام ہے کہ جہاں ملک الموت دست بستہ اذن مانگ رہا ہے کہ میرے رب نے حکم فرمایا کہ اگر محبوب ﷺ قبض روح کا اذن فرمادیں تو ٹھیک ورنہ گستاخی نہ کرنا اور فوراً لوٹ کے میری بارگاہ میں حاضر خدمت ہو جانا۔

صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ خالق کائنات نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقاعدہ اختیار دیا تھا کہ اے محبوب ﷺ اگر ہمیشہ کی زندگی چاہو تو ہمیشہ زمین کے اوپر چلتے پھرتے رہو اور چاہو تو میرے پاس آجاؤ۔ یہ آپ ﷺ کی چاہت تھی کہ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ رَفِيْقَ الْاَعْلٰى

یا اللہ جل جلالہ میں نے صحابہ کو سب کچھ بتادیا ہے، اب میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔

یہ اختیار کسی اور کو نہیں دیا گیا۔

بعض انبیاء کو دیا گیا لیکن محدود، انہیں کہا گیا کہ جتنا عرصہ رہنا چاہو رہ لو، بالآخر تمہیں آنا پڑے گا۔

لیکن سرکار ﷺ کو خالق کائنات جل جلالہ نے اذن عام دے دیا کہ چاہو تو ہمیشہ کیلئے زمین والی زندگی اختیار کرلو اور چاہو تو میرے پاس آجاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اختیار سے اللہ ﷻ کی رفاقت کو پسند فرما لیا۔ حضرت ملک الموت علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں آیا ضرور ہوں، میرا مقصود تو آپ کی زیارت کرنا ہے اور اگر اجازت دیں تو روح قبض کرلوں لیکن یہ روح قبض کرنا آپ کے اذن سے مشروط ہے کہ اذن ہو تو ٹھیک ورنہ چلا جاؤں گا۔

امت کی بخشش تھی پیش نظر جن کے

سرکار ﷺ نے فرمایا کہ اے ملک الموت! تو خود تو آیا ہے لیکن یہ بھی بتا کہ

اَیْنَ خَلَّفْتَ حَبِیْبِیْ جِبْرِیْلَ؟

میرے پیارے جبرائیل کو کہاں چھوڑ آیا ہے؟

آج تو خود تو آ گیا ہے لیکن جو روزانہ آتا ہے اسے کہاں چھوڑ آئے ہو؟

عرض کرتے ہیں:

خَلَّفْتُهُ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا وَ الْمَلَائِكَةُ یُعَزُّوْنَهُ فِیْكَ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جو آسمان دنیا نظر آتا ہے، میں انہیں وہاں چھوڑ آیا ہوں۔

اصل میں ان کے ذمہ کچھ انتظامات تھے، وہ آپ کے استقبال کیلئے فرشتوں کی لائنیں بنوا رہے ہیں اور فرشتوں سے آپ ﷺ کی آمد کا تذکرہ فرما رہے ہے۔

فَمَا كَانَ بِاَسْرَعَ اَنْ اَتَاهُ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ

یہ بات ہو رہی تھی کہ حضرت جبرائیل امین (علیہ السلام) فوراً حاضر خدمت ہو گئے اور سرکار کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔

دیکھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ وہ اعلیٰ و ارفع بارگاہ ہے کہ

اللہ جل جلالہ کے فرشتے ادب سے آئے ہیں۔

ہنگامی طور پر نہیں آئے بلکہ سارا کچھ طے ہونے کے بعد آئے ہیں۔

استقبال روحِ مصطفیٰ ﷺ کی تیاریاں

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کیلئے بندوبست کر کے فرمایا:

ٹھیک ہے، اب میں چلتا ہوں

جب بات چیت ہونے لگی تو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

بَشِّرْنِیْ

اے جبرائیل! مجھے بشارت دو کہ اگر میں اس وقت جاتا ہوں تو میرے لئے کیا انتظامات ہیں۔

حدیث کے لفظ ہیں:

آپ مجھے بشارت دو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اپنے بارے میں کسی بشارت کا سوال کر رہے ہیں تو عرض گزار ہوئے:

اُبَشِّرُكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

اے اللہ عزوجل کے حبیب! میں یہ بشارت دیتا ہوں۔

اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ قَدْ فُتِحَتْ وَ الْمَلَائِكَةُ قَدْ قَامُوْا صُفُوْفًا صُفُوْفًا بِالتَّحِيَّةِ وَ الرَّيْحَانِ۔

میں ابھی دیکھ کے آیا ہوں کہ آسمانوں کے سارے دروازے کھل گئے ہیں اور فرشتوں نے قطاریں بنالی ہیں۔

يُحَيُّوْنَ رُوْحَكَ يَا مُحَمَّدُ

آپ کی روح کے استقبال کیلئے کھڑے ہو گئے ہیں

کہ یارسول اللہ ﷺ کے نعروں کی گونج میں آپ کا استقبال کریں۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِوَجْهِ رَبِّیْ الْحَمْدُ

میرے خدا جل جلالہ کیلئے سب تعریفیں ہیں۔

وَبَشِّرْنِیْ یَا جِبْرِیْلُ

اے جبرائیل! اور بشارت دو

عرض گزار ہوتے ہیں:

اُبَشِّرُكَ اَنَّ اَبْوَابَ الْجَنَانِ قَدْ فُتِحَتْ

اے محبوب ﷺ جنت کے سارے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔

وَاَنْهَارُهَا قَدِ اطَّرَدَتْ (اُجْرِيَتْ)

اور جنت کی ساری نہروں کو جاری کر دیا گیا ہے۔

وَاَشْجَارُ هَا قَدْ تَدَلَّتْ

اور جنت کے سارے درخت جھک کے زمین کے ساتھ لگ گئے ہیں۔

وَحُوْرُهَا قَدْ تَزَيَّنَتْ لِقُدُوْمِ رُوْحِكَ يَامُحَمَّدُ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنت کی حوروں نے آپ کی روح اقدس کے استقبال کیلئے جنت کی زیبائش کر دی ہے۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لِوَجْهِ رَبِّیْ الْحَمْدُ

میرے خدا جل جلالہ کیلئے حمد ہے۔

فرمایا: فَبَشِّرْنِیْ یَاجِبْرِیْل

اے جبرائیل اور بشارت دو

اَنْتَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ فِی الْقِیَامَۃِ

قیامت کے زہرہ گداز ہولناک دن میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو حق شفاعت دیا جائے گا اور سب سے پہلے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائیگی۔

آپ نے فرمایا:

لِوَجْهِ رَبِّی الْحَمْدُ

میرے رب جل جلالہ کیلئے حمد ہے۔

﴿بوقت وصال بھی امت کی یاد﴾

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے محسوس کیا کہ سرکار حبیب کردگار ﷺ کچھ خاص قسم کی بشارت چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ عرض گزار ہوئے:

یَا حَبِیْبِیْ عَمَّ تَسْاَلُنِیْ۔

اے میرے حبیب ﷺ آپ کون سی چیز کے بارے میں بشارت چاہتے ہیں کہ جس کا میری طرف سے جواب نہیں آیا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَسْاَلُكَ عَنْ غَمِّیْ وَ هَمِّیْ

اے جبرائیل! مجھے بڑا غم اور فکر ہے۔

اے جبرائیل جب میں چلا جاؤں گا تو

مَنْ لِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ مِنْ بَعْدِیْ؟

میرے بعد قرآن کے قاریوں کا کون ہوگا؟

مَنْ لِصُوَّمِ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ بَعْدِیْ؟

میرے بعد رمضان کے روزہ داروں کا کون ہوگا؟

مُنْ لِحَاجِّ بَیْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ مِنْ بَعْدِیْ؟

میرے بعد حاجیوں کا پرسان حال کون ہوگا؟

مَنْ لَّامَتِی الْمُصْفَاةِ مِنْ بَعْدِیْ؟

میرے بعد میری امت کے پرہیزگاروں کے سرپر کون ہوگا؟

سرکار ﷺ کی محبت سند نجات

اے جبرائیل! میرے لئے تو بہت کچھ ہے، مجھے تو ان کا غم ہے، میں تو ان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو میرے بعد ہیں، جنہیں میں چھوڑ کے جاؤں گا اور قیامت تک آئیں گے۔

حضرت جبرائیل امین آپ ﷺ کو بڑی بڑی بشارتیں دے رہے ہیں لیکن آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں پوچھتے ہیں، قیامت تک کے امتیوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ سرکار ﷺ کی محبت ہمارے لئے سند نجات ہے لیکن وہ نام نہاد امتی ہونے کے دعویدار بھی تو سوچیں جو دن رات یہ طعنے دیتے ہیں کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، دن رات ان کی بے اختیاری کے متعلق بکواس کرتے ہیں۔

معاذ اللہ، یہاں تک بکواس کرتے ہیں کہ ان کو تو اپنے بارے میں بھی علم نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اور دوسری طرف دیکھیں کہ محبوب علیہ السلام اپنے غلاموں

کے بارے میں کتنے رحیم ہیں۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام آئے بیٹھے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام بشارتیں دے رہے ہیں لیکن سرکار ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے غلاموں کے بارے میں بتاؤ، ان کا کیا بنے گا؟

امت کی بخشش کی نوید

حضرت جبرائیل علیہ السلام عرض گزار ہوتے ہیں کہ میں خلاصہ خدمت اقدس میں پیش کر دیتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَ جَلَّ یَقُوْلُ

اے محبوب علیہ السلام! تمہارے رب ﷻ نے فرمایا ہے۔

قَدْ حُرِّمَتِ الْجَنَّۃُ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاُمَمِ حَتّٰی تَدْخُلَھَا اَنْتَ وَاُمَّتُکَ یَا مُحَمَّدُ

میں نے سارے انبیاء اور ساری امتوں پر جنت کو اس وقت تک کیلئے حرام رکھا ہے جب تک کہ آپ اور آپکی امت جنت میں نہیں جائے گی۔

جاتے ہوئے امت کا اتنا غم کہ جاتے وقت فیصلہ کروا کے جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔

آگے طویل حدیث ہے مضمون کے حوالہ سے بیان کر دی ہے۔

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی محبت کا اظہار کرنے والو! یہ سرکار ﷺ کی ہم سے محبت کی انتہاء ہے اور ہماری طرف سے جو جواب ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

لہٰذا اپنے دل میں یہ پختہ عہد کرلو کہ جس سے بھی سرکار ابد قرار، حبیب کردگار، شفیع روز شمار ﷺ کی شان اقدس میں معمولی سی بے ادبی، گستاخی کی بو آئے گی تو ہم اس کے ساتھ بیٹھنا، سلام کلام پسند نہیں کریں گے اور جس کے دل میں سرکار ﷺ کی محبت کا چراغ روشن ہو وہ ہمارے سر کا تاج ہوگا۔

❁......❁......❁......❁......❁

اب دیکھیں اس امت کو سرکار ﷺ کا امتی ہونے سے کیا ارفع و اعلیٰ، بلند و بالا مقام ملا۔

مدینہ شریف کی مقدس و مطہر سرزمین ہے۔

بخاری شریف کتاب الجنائز کے باب ثناء الناس علی المیت

زمین پہ اللہ کی گواہ امت

میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے (سرکار ﷺ کے صحابہ نے) اس کی اچھی تعریف کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَجَبَتْ۔اس کیلئے واجب ہوگئی۔

پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کا برائی کے ساتھ ذکر کیا۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

وَجَبَتْ

اس کیلئے واجب ہوگئی

جب یہ لفظ سرکار علیہ السلام سے صحابہ کرام نے دونوں دفعہ سنا تو عرض گزار ہوئے۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے پہلے کیلئے وَجَبَتْ فرمایا اور دوسرے کیلئے بھی وَجَبَتْ فرمادیا۔

استفسار اس لئے تھا کہ فیصلے میں جو مخفی حکمت ہے وہ واضح ہو جائے۔

سرکار ﷺ نے اس موقع پر اپنی امت کی فضیلت کو بیان فرمایا کہ میرے صحابہ تم معمولی نہیں ہو۔

اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْضِ

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت حدیث نمبر ۱۲۷۸)

تم اس زمین پر اللہ ﷻ کے گواہ ہو۔

اے میرے صحابہ تمہاری حیثیت معمولی نہیں، تم کسی دنیادار کے گواہ نہیں بلکہ خدا ﷻ کے گواہ ہو۔

میرے خدا نے میری امت کو یہ منصب دیا ہے۔

اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْضِ

زمین تم پر اللہ کے گواہ ہو۔

اللہ ﷻ کے گواہ جس بارے میں گواہی دیں گے، فیصلہ ہو جائے گا۔

جس کے بارے میں تم نے اچھی گواہی دی تو اللہ ﷻ نے اس کے متعلق اچھا فیصلہ کر دیا اور اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

اور جس کے متعلق تم نے کہا کہ بُرا ہے اس کے متعلق ہی اللہ ﷻ نے ویسا ہی فیصلہ کر دیا کہ اس کیلئے جہنم واجب ہو گئی۔

تم زمین پر اللہ ﷻ کے گواہ بن گئے ہو، یہ کوئی معمولی منصب نہیں ہے۔

امت مصطفیٰ ﷺ کے تین منفرد منصب

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین منصب ایسے ہیں جو پہلے صرف انبیاء کو دیئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے وہ تینوں سرکار ﷺ کے غلاموں کو بھی عطا فرمادیئے۔ وہ کون سے ہیں؟

پہلا منصب

اللہ تبارک وتعالیٰ صرف اپنے پیغمبروں کو یہ فرماتا تھا۔

مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

میں نے دین کے بارے میں تم پر کوئی حرج نہیں رکھا

تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

یہ حکم صرف نبی کو ہوتا تھا لیکن جب یہ امت آئی تو فرمایا

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

(پارہ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۷۸)

اللہ نے تم کو پسند فرمالیا اور تم پر دین کے معاملے میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

وہ منصب جو پہلے انبیاء کو ملتا تھا لیکن سرکار علیہ السلام کی وساطت سے اس منصب کا ایک حصہ سرکار علیہ السلام کے امتی کو بھی مل گیا۔

اگر چہ نبی علیہ السلام کا ہم پلہ تو کوئی بھی نہیں ہوسکتا لیکن اس ایک لحاظ سے جو انبیاء کیلئے خاص تھا سرکار علیہ السلام کی وساطت سے امت کو مل گیا۔

دوسرا منصب

دوسری بات یہ ہے سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پہلے صرف زمانے کے پیغمبر کو

فرماتا تھا۔

اُدْعُوْنِیَ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔

(پارہ ۲۴، سورۃ المومن، آیت ۶۰)

مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

تو جس وقت چاہے، مجھ سے دعا کر میں تیری دعا قبول کرلوں گا۔

میں نے تجھے نبی بنایا ہے، میں نے تجھے زمین پر اپنا نائب بنایا ہے۔

دوسروں کیلئے یہ بات نہیں تم مجھ سے مانگ لیا کرو

اُدْعُوْنِیَ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔

تو مانگ میں قبول کروں گا۔

لیکن جب یہ امت آئی تو کیا حکم ہوا۔

اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۶)

اے محبوب! جب تم سے میرے بندے میرے بارے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں، پکارنے والی کی جب مجھے پکارے۔

پہلے یہ آسائش اور پیشکش صرف پیغمبروں کیلئے ہوا کرتی تھی۔

اب اللہ عزوجل نے فرمایا:

اے میرے محبوب علیہ السلام کے غلامو، میرے محبوب علیہ السلام کے قیامت تک آنے والے امتیو! میں نے وہ صفت تمہیں بھی عطا فرمادی ہے۔ لہٰذا جس وقت بھی، جس جگہ بھی، صبح ہو یا شام ہو، دن ہو یا رات، میرے محبوب کی محبت کے سایے تلے بیٹھ کے مجھ سے جب بھی مانگو گے میں تمہاری دعا کو قبول کرلوں گا۔

سرکار ﷺ کی نسبت نے کتنا عظیم بنا دیا۔ یہ سرکار ﷺ کی امت کیلئے کتنا بڑا اعزاز ہے۔

﴿تیسرا منصب﴾

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

پہلے صرف امت کا نبی امت کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں گواہ ہوتا تھا۔ اللہ کی بارگاہ میں گواہ بننا یہ پہلی امتوں میں سے کسی امت کو یہ منصب نہیں ملا۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ بلند و بالا اور اتنی عظیم الشان ہے کہ وہاں کوئی معمولی گواہ گواہی نہیں دے سکتا۔ مگر قربان جایئے حبیب پروردگار ﷺ کے امتی ہونے کا منصب ملا، تو دیکھیں قرآن کیا فرماتا ہے:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳)

تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو

تا کہ تم ساری امتوں کے لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔

اللہ عزوجل نے سرکار ﷺ کے امتی ہونے کی وجہ سے تم کو یہ منصب دیا ہے کہ جب میدان محشر میں حساب کتاب ہوگا تو تم ان کے حق میں گواہی دو گے۔

﴿قیامت کے دن امت کی گواہی﴾

بخاری شریف کتاب الانبیاء کے باب قول اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ ...... میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی امت کو لے کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں

گے تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا کیا تم نے میرے احکام پہنچا دیئے تھے؟ آپ جواب دیں گے، ہاں میرے رب، پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا، کیا تمہارے تک میرے احکام پہنچائے گئے؟ وہ جواب دیں گے کہ نہیں، بلکہ ہمارے پاس تو کوئی نبی آیا ہی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا کیا تمہاری گواہی دینے والا کوئی ہے؟ عرض کریں گے حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے پس یہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے احکام پہنچا دیئے تھے۔

اور یہی مطلب ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ

(پارہ ۲، سورۃ البقرہ، آیت ۱۴۳)

اور بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل کیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ

یہ حدیث بخاری شریف کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرہ، کے باب وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ...... میں بھی ہے۔

﴿میدان حشر میں امت کی شان﴾

یہ حدیث بخاری شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں بھی ہے۔

مشکوۃ باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِهَا کی دوسری فصل میں ہے

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ

(رواہ الترمذی صفۃ الجنۃ عن رسول اللہ باب ما جاء فی صف اہل الجنۃ حدیث نمبر ۲۴۶۹، والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اس امت کی ان میں سے (80) اسی صفیں ہوں گی اور چالیس (40) تمام امتوں کی۔

اسی (80) صفیں سرکار کے غلاموں کی ہوں گی، مصطفویوں کی ہوں گی اور باقی ساری ہزاروں امتیں جو ہیں ان کی صرف چالیس (40) صفیں ہوں گی۔

اس سے آپ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے مقام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

❁......❁......❁......❁......❁

کتب احادیث میں مختلف روایات موجود ہیں، جن میں سرکار ﷺ نے اپنی دوسرے انبیاء پر فضیلت بیان کرتے ہوئے تین، پانچ، چھ، سات...... چیزوں میں فضیلت بیان فرمائی۔

اس امت کی تین باتوں میں فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فُضِّلْنَا۔ ہم فضیلت دیئے گئے ہیں۔

جمع کا صیغہ استعمال کر کے امت کو بھی شامل فرما لیا ہے۔

فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ

(مسلم کتاب المساجد باب تحویل القبلۃ من القدس الی الکعبۃ حدیث نمبر ۸۱۱، مشکوۃ کتاب التیمم، الفصل الاول)

تین باتوں میں ہم سب پر فضیلت دیئے گئے ہیں۔

اے میری امت ان تین باتوں میں تم بھی شامل ہو

کون کون سی؟

پہلی بات:

صُفُوْفُنَا کَصُفُوْفِ الْمَلٰئِکَۃِ۔

یہ جو نماز پڑھتے ہوئے ہم صف بناتے ہیں۔ یہ صف پہلے کسی امت کو نہیں دی گئی تھی۔ ایسی صف بنانا، نماز کی ادائیگی کے وقت ایسی ترتیب سے کھڑے ہونا، یہ کسی امت کو نہیں دیا گیا تھا۔

مجھے اور میری امت کو سارے لوگوں پر فضیلت دی گئی کہ ہمیں نماز پڑھنے کا وہ طریقہ دیا گیا، جس طرح فرشتے اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں۔

دوسری بات:

جُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِداً

زمین کو میرے لئے مسجد بنایا گیا۔

پہلی امتیں عبادت خانے کے بغیر عبادت نہیں کر سکتی تھیں۔

سرکار ﷺ کی آمد سے زمین کو یہ فضیلت ملی کہ ساری کی ساری مسجد بنا دی گئی۔

پہلے عبادت خانوں کے علاوہ کہیں اور اللہ کو سجدہ کرنا روا نہیں تھا لیکن اب جہاں بھی وقت آجائے، جنگلوں میں، پہاڑوں میں، صحراؤں میں، ویرانے میں، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔

تیسری بات:

جُعِلَتْ تُرْبَتُھَا لَنَا طَھُوْراً

(مسلم کتاب المساجد باب تحویل القبلۃ من القدس الی الکعبۃ حدیث نمبر ۸۱۱ ، مشکوۃ کتاب التیمم ، الفصل الاول)

مٹی کو میرے لئے اور میری امت کیلئے طہور بنا دیا گیا۔ پہلے اگر پانی نہیں ملتا تھا تو

عاجز ہو جاتا تھا کہ وضو کیسے کروں اور نماز پڑھوں۔

لیکن میرے لئے اور میری امت کیلئے اللہ نے زمین کو طہور بنا دیا ہے۔

یہ طہور مبالغہ کا صیغہ ہے۔

ایک طاہر ہوتا ہے...... پاک کرنے والا

اور ایک طہور...... بہت زیادہ پاک کرنے والا

پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کر سکتے ہیں۔

﴿امت مصطفیٰ ﷺ پر رحمت خداوندی﴾

پہلی امتیں جیسے بنی اسرائیل ان کا کوئی آدمی کوئی قصور کرتا تھا تو صبح اس کے دروازے پر لکھا جاتا تھا کہ اس نے فلاں جرم کیا ہے اور اس کا یہ کفارہ ہے۔

اگر نجاست کپڑے پر لگتی تو کاٹنا پڑتا تھا۔

توبہ کیلئے نفس کو قتل کرنا پڑتا تھا لیکن اب سرکار ﷺ کا امتی ہونے سے یہ مقام ملا کہ چند آنسو بہانے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

سرکار ﷺ کے فرمان عالی شان میں ہے کہ:

مکھی کے سر جتنا بھی آنسو نکل کے رخسار پر گر جائے تو توبہ مل جائے گی، جہنم سے آزادی کا پروانہ مل جائے گا۔

بنی اسرائیل پر مال کا چوتھا حصہ زکوٰۃ تھی۔

لیکن سرکار ﷺ کی امت پر مال کا چالیسواں حصہ ہے۔

لیکن اب اس چالیسویں حصہ کو بھی لوگوں نے ٹیکس سمجھنا شروع کر دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوازشیں اور عطائیں اتنی ہیں کہ احاطہ بیان میں نہیں آسکتیں۔

میں نے ان کے امتی ہونے کے جو فضائل بیان کئے ہیں، یہ صرف چند ایک بیان کر سکا ہوں کیونکہ درجنوں احادیث سے مزید فضائل امت محمدیہ بیان کر سکتا ہوں۔

یہ جو میں نے ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے اگر آپ ان پر ہی غور کریں تو آپ اس احسان کو فراموش نہیں کر سکتے۔

سرکار ﷺ کا امتی ہونے پر ہم پر جو احسانات اور انعامات ہوئے ہیں ہم کسی طرح بھی ان کا بدلہ نہیں دے سکتے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

باب نمبر

9

فقہ حنفی سنت نبوی ﷺ کے آئینے میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَام عَلٰى اَفْضَلِ الْاَنْبِيَاءِ وَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى آلِه وَ صَحْبِه اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا

(پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۷)

صَدَقَ اللّٰه الْعَظِيْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ الْاَمِيْنُ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

(پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اَلصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِدِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَ عَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا سَيِّدِىْ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

مَـوْلَاىَ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِـمًـا اَبَـدًا

عَـلٰـى حَبِيْبِكَ خَيْـرِ الْـخَـلْـقِ كُـلِّهِـم

مُنَزَّةٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِىْ مَحَاسِنِه

فَـجَـوْهَـرُ الْـحُسْـنِ فِيْـهِ غَيـرَ مُـنْـقَسِـم

فقہ حنفی بالیقین قرآن کی تفسیر ہے
فقہ حنفی سنت نبوی کی تعبیر ہے

لفظ قرآں کی بتائیں کس قدر باریکیاں
فہم سنت حضرت نعمان کی تقریر ہے

ہیں بخاری اور مسلم، ابن ماجہ، ترمذی
ہر محدث بالعمل تقلید کی تصویر ہے

سید ہجویر حنفی، خواجہ اجمیر بھی
ملک اپنا اس لئے احناف کی جاگیر ہے

سنیو! اٹھو بنائیں ملک کو حنفی سب
وقت کا یہ فیصلہ ہے، قوم کی تقدیر ہے

سنیو! روشن کرو ہر سمت ہی سنی چراغ
نور سنت ہی اندھیری قبر کی تنویر ہے

اے رضا کے وارثو بڑھتے چلو چڑھتے چلو
ہے یہی فکر رضا، یہ جذبۂ تعمیر ہے

ڈیوٹی کو پورا کر کے دنیا سے گئے ہیں، کسی نے اپنے منصب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، لیکن جس قدر انسان کو ضرورت تھی، اسی قدر ان کو دیا گیا، اور انہوں نے انسانوں تک اس کو پہنچا دیا۔ جب شعور پختہ ہوتے ہوئے انسان اپنی طبعی سوچ کے لحاظ سے نہایت ہی اونچے مقام پر پہنچ گیا تو خالق کائنات جل جلالہٗ نے سب سے جامع نصاب، سارے رسولوں کے قائد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرما دیا۔

آپ کیلئے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

(پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۳)

آپ سے پہلے کسی کیلئے بھی یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

﴿شان سید المرسلین ﷺ﴾

اور نہ ہی کسی پیغمبر علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ

(مؤطا امام مالک، مسند احمد، مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب الرفق والحیاء وحسن الخلق، تیسری فصل)

میں اخلاق حسنہ کو مکمل کرنے کیلئے مبعوث فرمایا گیا ہوں۔

مجھے بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ میں تمام کمالات کو مکمل کر کے جاؤں۔ جو منصب اور ڈیوٹی تھی وہ ان انبیاء کرام نے پوری کی، جتنا انسان کو چاہئے تھا اتنا ان انبیاء اور رسولوں کو دیا گیا لیکن قیامت تک کے حالات کا ایک نصاب اور سارے مسائل کا حل یہ ان کے ذمہ کی بات ہی نہیں تھی، لہٰذا کسی نے تکمیل کا اعلان نہیں کیا۔

قیامت تک کے مسائل کا حل

رسول اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم نبوت کا تاج پہن کے جلوہ گر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اب میں کوئی سبق پیچھے نہیں رہنے دوں گا،
کوئی باب بھی ادھورا نہیں رہے گا،
خواہ نظام زندگی ہو یا نظام بندگی ہو،
عقائد ہوں یا اعمال ہوں،
معاملات ہوں یا مجاہدات ہوں،
دنیا کی زندگی کا نور ہو یا قبر کی روشنی ہو،
مخلوقات کے ساتھ تعلق کی بات ہو
یا خالق کے ساتھ ربط محبت کی بات ہو،

جو بھی قیامت تک انسان کو چاہئے ہے، میں ہر چیز بیان کرنے کیلئے آیا ہوں، اور ہر چیز مکمل کر کے دنیا سے جاؤں گا۔ مجھ سے پہلے شفقتیں کرنے والے شفقتیں کرتے رہے، لیکن پھر بھی انہیں یہ سہارا میسر تھا کہ جو ہم سے رہ گیا وہ بعد والے مکمل کرلیں گے۔

چونکہ میرے بعد کوئی بھی نبی نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہوگا، میں آخری نبی ہوں، ساری شفقتیں میں نے ہی کرنی ہیں،

لہٰذا رسول اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جامع قرآن کی جامع تشریحات اپنی سنت کی شکل میں اپنی امت کو عطا فرمادیں۔

باغ رسالت کا مہکتا پھول

فاضل بریلوی مجدد دین وملت، بحر علم وحکمت، امام عزیمت، حضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ اس تمام مفہوم کو ایک ہی شعر میں بیان کرتے ہیں:

؎ نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں کوئی غنچہ باغ رسالت کا

پہلے صحن چمن میں پھول کھلتے رہے، مگر گنجائش باقی رہی، جو کھلا اس نے مسکرا کے انہیں کی خبر دی، اور اس کی خوشبو نے انہیں کا اعلان کیا، صحن چمن بھرا نہیں ہے اگرچہ سینکڑوں رسول آئے ہیں، ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں پھر بھی صحن چمن میں گنجائش تھی، اس کو انتظار تھا اور جس وقت میرے اور آپ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن چمن میں جلوہ گر ہوئے ہیں تو ایسی جامعیت کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں، اب پھر کسی کے کھلنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اس قدر جامع نصاب، انسانیت کو دیا ہے، اتنے جامع اسباق انسانیت کو پڑھا دیئے ہیں اور ایسا جامع مواد قیامت تک کیلئے بندوں کو دے دیا ہے کہ کبھی بھی قیامت تک وہ راستہ جو اللہ کی طرف جانے والا ہے، اس پہ اندھیرے نہیں چھائیں گے، ایسی چمک اپنی امت کو عطا کر دی ہے کہ جس کی وجہ سے قیامت تک راہیں روشن رہیں گی۔

اب رسول اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترنے والا قرآن اور اس کا سنت کی شکل میں بیان، اس میں سب کچھ موجود ہے، ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔

صبح نو کی روشنی اسی میں ہے اور مستقبل کے ہر مسئلے کا حل اسی میں ہے لیکن

؎ ہر سینہ نشیمن نہیں جبرئیل امین کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کی صیاد

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

مسائل کے حل میں مشکلات کا سامنا

ہر بندہ قرآن مجید سے اپنے مسئلے کا محل وقوع دیکھ ہی نہیں سکتا کہ جو مجھے ضرورت ہے، قرآن اس کو کن لفظوں سے بیان کر رہا ہے جو میرا مسئلہ ہے قرآن مجید اس کو کس انداز میں بیان کر رہا ہے۔ ہم عجمی تو عجمی رہے، جب دوسری صدی ہجری کے اوساط تک اسلام آگے دیگر آفاق کی طرف بڑھ رہا تھا، خود عربوں کی زبان میں دیگر زبانوں کی اتنی آمیزش ہو چکی تھی، ان کیلئے بھی مفاہیم کو سمجھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا، جو نئے لوگ تھے اور دیگر قوموں سے تعلق رکھتے تھے ان کیلئے تو مزید مشکلات تھیں۔

اصول دین کو وضع کرنے کی ضرورت

یہ ایسا مرحلہ سامنے آ گیا، امت میں اس ضرورت کو محسوس کیا جانے لگا کہ اب اس کے اصولوں کو مدون کر دیا جائے۔ قرآن مجید کے اصول سمجھنے کی جو صلاحیت اب ہے یہ بعد والوں کو حاصل نہیں ہوگی، لہٰذا اب اس صلاحیت اور استعداد کو استعمال کرتے ہوئے ایک سوغات بعد والوں کیلئے تیار کر دی جائے،

ایسے اصول وضع کر دیئے جائیں، ایسی جزئیات بنا دی جائیں، بعد والے جو صدیوں دور سے منبع رسالت کو دیکھیں گے اور جو صدیوں دور سے ان کو یہ چمک نظر آئے گی، نہ ان کی اتنی استعداد ہوگی، نہ اتنا قرب حاصل ہوگا، جن لوگوں نے قریب سے اس گھاٹ سے پانی پیا ہے اور اس فکری پراگاہ سے ان کو اور ان افکار کو تازگی ملی ہے، ان کو چاہیئے کہ یہ آج کی اس دولت کو، اس سرمائے کو یوں مدون کر

دین کہ جس کی تازگی اور روشنی قیامت تک موجود ہے، وہ قرآن وسنت سے اخذ کردہ اصول کا جو کام شروع ہوا اور مکمل ہوا اور آج پوری ملت کے پاس، جو سب سے بڑا ذخیرہ ان اصولوں کا موجود ہے، اسے فقہ حنفی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس وقت تک ابھی کوئی کتاب بھی اس انداز میں نہیں لکھی گئی تھی کہ جس کو ابواب فقہی پر مرتب کیا گیا ہو کہ یہ کتاب الصلوٰۃ ہے، یہ کتاب الزکوٰۃ ہے، یہ روزے کے مسائل ہیں، یہ نماز کے مسائل ہیں، یہ زکوٰۃ کے مسائل ہیں، نہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مؤطا اس وقت تک تصنیف کی تھی اور نہ ہی دیگر کسی قسم کی کتاب تھی۔

تدوین فقہ میں اولین کردار

امام موفق بن احمد مکی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اَبُوْ حَنِیْفَۃَ اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ ھٰذِہِ الشَّرِیْعَۃِ

(مناقب الامام اعظم ۲/۱۳۶ اسلامی کتب خانہ کوئٹہ، تبیض الصحیفۃ ص ۳۶)

جس بندے نے سب سے پہلے قرآن وسنت کے علم کو ابواب میں مدون کر کے قیامت تک کے لوگوں کیلئے سہولت پیدا کی ہے انہیں تاریخ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہا جاتا ہے۔ جو ضرورت تھی اس کو محسوس کر لیا،

علماء کے ذریعے علم کا اٹھنا

کیونکہ رسول اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَّنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَ لٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ

(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الاول)

فرمایا علم یوں نہیں اٹھے گا کہ رات کو عالم سوئے، دن کو اٹھے تو سینے سے علم سلب کر لیا گیا ہو، اور وہ جاہل ہو چکا ہو۔

فرمایا: علم یوں نہیں ختم ہوگا بلکہ علم، علم والوں کے اٹھنے سے ختم ہو جائے گا۔

ان کے وصال سے، دنیا سے چلے جانے سے علم ختم ہوتا جائے گا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو علم کے پہاڑ اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتے دیکھے اور جو علم کی بہاریں خزاں رسیدہ ہوتی دیکھیں، آپ نے یہ خطرہ محسوس کر لیا۔ اگر آج علم شریعت کو مدون نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ بہت بڑا حادثہ ہو جائے، سانحہ ہو جائے، لہٰذا آپ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سب سے پہلے کمر ہمت باندھ لی اور علم شریعت کو سب سے پہلے مدون فرما دیا۔ جس وقت آپ نے یہ کام شروع کیا، آپ کی تقلید میں سارے فقہاء نے کام کیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے ترتیب یہاں سے حاصل کی۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی مؤطا کی ترتیب یہاں سے ان کو ملی، حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فقہ کی تدوین میں یہاں سے روشنی حاصل کی، گویا کہ جس شخص نے سب سے پہلے امت کو کتاب لکھنے کا طریقہ بتایا ہو اور دین کی تدوین کے گر بتائے ہوں اور جو اماموں کیلئے بھی (School of Thought) کی حیثیت رکھتے ہوں، اکیلے ہی انجمن کا مقام رکھتے ہوں، انہیں پوری امت کے اندر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے،

﴿صحابہ کرام علیہم الرضوان کو تدوین فقہ کی ضرورت کیوں نہ تھی؟﴾

اور یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جو کام نہیں کیا تھا،

یہ کر کے ان سے آگے بڑھ گئے ہیں۔نہیں، ایسی بات نہیں، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جو عظمت ہے وہ بعد والوں کو کیسے میسر آ سکتی ہے۔اصل میں بات یہ ہے کہ اس وقت اس کام کی ضرورت نہیں تھی، ایسا نہیں ہے کہ ضرورت تھی اور ان سے غفلت ہوئی، معاذ اللہ۔

نہیں، نہیں بات یہ ہے کہ امام موفق نے اس بات کو بھی چھیڑا ہے۔

کہتے ہیں:

كَانَتْ قُلُوْبُهُمْ صَنَادِيْقَ عُلُوْمِهِمْ

صحابہ کرام علیہم الرضوان کو کتابوں کی ضرورت ہی نہیں تھی، ان کے دل ہی علموں کے صندوق تھے۔انہوں نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سے پڑھ لیا تھا، ہمیں ہزار کتابوں سے بھی، کروڑوں کتابوں سے بھی وہ میسر نہیں آتا، لہٰذا اس وقت ضرورت ہی نہیں تھی، اب وقت آ گیا ہے، دوسری صدی ہجری کے اوساط کے اندر کہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور خالق کائنات نے اس مرد حق کو بھی پیدا کر دیا ہے، جو اس ضرورت کو پورا کرنے والے ہیں۔

فقہ حنفی قرآن وسنت کا نور

لہٰذا جب ضرورت سامنے آئی تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت کو آسان پیرائے میں پیش کر کے فقہ حنفی کی دولت امت کو عطا فرما دی ہے۔

فقہ حنفی کا تعلق قرآن وسنت سے وہی ہے جو خوشبو کا تعلق پھول سے ہوتا ہے اور جو بارش کا تعلق بادل سے ہوتا ہے۔اس میں جو کچھ ہے وہ قرآن وسنت سے ہی آیا ہے،

اپنی طرف سے کوئی اضافی چیز نہیں رکھی گئی۔ اصل میں قرآن وسنت میں فہم اور قرآن و سنت کے اندر جو تدبر خالق کائنات نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا تھا، آپ نے اس ذہن کو استعمال کرتے ہوئے، قرآن وسنت کے اندر غور کیا ہے اور امت کیلئے پانچ لاکھ مسائل مستنبط و مستخرج کر کے بیان کر دیئے ہیں۔

﴿قرآن وسنت کے علم کا نزول﴾

اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے، جو میں نے آیت کریمہ پڑھی ہے۔

خالق کائنات فرماتا ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا

(پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۷)

اللہ نے آسمان سے پانی کا نزول کیا تو وادیاں اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں۔

آسمان سے پانی اترا اور وہ پانی جب زمین تک پہنچا تو جتنی بڑی وادی تھی، اتنا پانی زیادہ تھا، جتنا بڑا سمندر تھا، اتنا پانی زیادہ تھا، اپنی اپنی گنجائش کے مطابق ہر ایک نے پانی حاصل کر لیا۔

مفسر بارگاہ رسول علیہ السلام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو لفظ (ماء) ہے جس کا معنی پانی ہے۔ اس پانی سے مراد وہ پانی نہیں جو بادلوں سے بارش برستی ہے اور زمین پر پہنچتا ہے، کہنے لگے اس پانی سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

(سورۃ الرعد، آیت ۱۷)

اللہ نے آسمان سے قرآن وسنت کے علم کو اتارا ہے۔

رسول اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر سے یہ بارش برسی ہے اور آگے اس کی زمین، امت کے سینے ہیں۔ جیسے ظاہری بارش کیلئے زمین ہے اور وہ پانی وہاں پہنچتا ہے تو پھر ندی نالے اس سے بہہ جاتے ہیں، ایسے ہی دلوں کی زمین اس بارش کیلئے زمین کی حیثیت رکھتی ہے، جس کا جتنا بڑا ظرف ہے، بارگاہ نبوت سے جتنی مناسبت ہے، اسلام کے ساتھ جتنا خلوص ہے، جتنا اللہ نے اس کو خداداد قوتیں عطا کر رکھی ہیں، اسی طرح ہی، اسی جہت اور اسی معیار کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے کو اس پانی کا حوض بنا دیتا ہے۔ یہ پانی سینوں تک پہنچا۔

علم مصطفیٰ ﷺ موسلا دھار بارش کی طرح

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمادیا:

مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِهٖ مِنَ الْھُدٰی وَ الْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام، بالکتاب والسنۃ، الفصل الاول ص ۲۸ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

مجھے میرے رب نے جو ہدایت دی ہے اور جو علم دیا ہے اس کی مثال بارش کی طرح ہے اور بارش بھی عام سی نہیں، حالانکہ بارش میں خود ایک کثرت پائی جاتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ قطرہ نہیں یہ تو پوری بارش ہے، اور یہاں فرمایا (غیث الکثیر) بارش بھی وہ جو موسلا دھار برسنے والی ہو۔

فرمایا: میرا علم قطرہ نہیں، میرا علم تو بارش ہے اور بارش کیسی؟ جو موسلا دھار برسنے والی ہو۔

اَصَابَ عَرْضاً

ایسی بارش بھی نہیں جو معلق ہی رہے اور زمین تک نہ پہنچے، بلکہ میرا فیض سینوں تک پہنچا ہے۔

فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَاَءَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ۔

فرمایا کہ میری بارش پوری کائنات میں برسی ہے اور میں نے اس پر کسی کا کوئی تسلط نہیں رکھا، میں نے اس کو عام کر دیا ہے، یہ شرق و غرب، شمال و جنوب میں برسنے والی بارش ہے۔

عربی پر بھی برسی ہے، عجمی پر بھی برسی ہے،

گورے کے پاس بھی گئی ہے، کالے پر بھی برسی ہے،

یہ فقیر کی کٹیا پر بھی برسی ہے، بادشاہ کے کاشانے پر بھی برسی ہے،

اس پر کسی کا کوئی تسلط نہیں ہے۔ اگر توجہ نہ کرے تو ہو سکتا ہے، حاکم وقت کا بیٹا جاہل رہ جائے، توجہ کرے تو کسی کٹیا سے کوئی وقت کا غزالی نکل آئے۔ ہم نے اس بارش کو عام کر دیا ہے۔ آگے سینے، ان کی اپنی اپنی صلاحیت ہے، اپنی اپنی استعداد ہے۔

سب سے پہلے نمبر کا سینہ جو زرخیز اور میَرَّ ازمین کی حیثیت رکھتا ہے۔

فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ

ایک طائفہ زمین کا طیبہ ہوتا ہے۔

کون سا؟ فرمایا:

قَبِلَتِ الْمَآءَ

وہ جو پانی جذب کرتا ہے، اس کو آگے نہیں جانے دیتا۔

میَرَّ ازمین ہے، ریتلی زمین ہے، وہ زمین پانی کو جذب کر لیتی ہے، اور یہاں سے مراد سینہ ہے۔

فرمایا کہ وہ ایسا ہے کہ پانی کو جس طرح زمین جذب کرتی ہے ایسے ہی وہ قرآن و سنت کے علم کو جذب کر لیتا ہے۔

کیا ہوتا ہے؟ فرمایا:

فَاَنۡبَتَتِ الۡکَلَاۡءَ وَالۡعُشۡبَ الۡکَثِیۡرَ۔

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ تمثیل ہے کہ مثال دے کے ایسے سمجھایا، غیر محسوس چیز کو یوں محسوس بنا کے پیش کر دیا۔

یہ فقاہت اور اس کے سارے تقاضے، ان کو سمجھنے کیلئے آسمان سے اتری ہوئی بارش کو دیکھ لو اور میرا زمین کو دیکھ لو، اس زمین نے جب پانی جذب کیا تو کیا ہوا؟

فَاَنۡبَتَتِ الۡکَلَاۡءَ وَالۡعُشۡبَ الۡکَثِیۡرَ

زمین نے پانی جذب کیا، اس کے بعد اسے واپس لوٹایا، اس سے سبزہ اگا، باغات آگے، باغات میں پھل پھول آئے اور سبزہ اور بہار اس پانی ہی کی وجہ سے آئے، وہ جو آسمان سے اترا تھا اب زمین نے اللہ کی قدرتوں سے اس میں تغیر و تبدل کیا۔ جب زمین پانی جذب کر رہی تھی اس کا ذائقہ ایک ہی تھا، اس وقت اس کی ماہیت ایک ہی تھی، اس وقت اس کا نام ایک ہی تھا، لیکن وہی پانی جب واپس لوٹا تو کیا تھا؟

وہی انگور میں تھا، کھجور میں تھا،

خربوز میں تھا، تربوز میں تھا،

ہر ترکاری میں تھا، ہر جڑی بوٹی میں تھا۔

پانی اترا تھا تو ایک طرح کا تھا، اب واپس آیا ہے تو لاکھوں اقسام کا بن گیا ہے، اب کون کہے گا یہ پانی اور ہے، آسمان سے اترا ہوا نہیں۔ نہیں، پانی وہی ہے، کردار اس زمین کا ہے، جو اللہ نے اس کو عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا اسی پانی کو اس نے مالٹے کی صورت میں، آم کی صورت پیش کر دیا۔ جیسے اس ظاہری زمین نے پانی کو جذب کر کے اسے لاکھوں روپ دیئے ہیں، ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل کی زمین نے

قرآن وسنت کے پانی کو جذب کر کے اس کو لاکھوں مسائل کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔
جیسے وہ پانی، کوئی انکار نہیں کر سکے گا کہ کہیں اور سے آیا ہے، وہی آسمان سے اترنے والا ہے، آگے اس کی صورتیں بدل گئیں، کیونکہ ضرورتیں بدل گئیں۔
کسی کو کسی Taste کی ضرورت ہے، کسی کو کسی غذائیت کی ضرورت ہے، کسی کا کوئی مرض ہے تو کسی جڑی بوٹی کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہ ساری ضرورتیں مختلف ہیں اور زمین نے سب کو پورا کرنا ہے، لہٰذا پانی گیا تھا تو ایک طرح کا تھا، واپس لوٹا ہے تو ساری ضرورتیں پوری کر رہا ہے، ہر قسم کے مرض کا علاج بھی اس میں موجود ہے، ہر قسم کے وٹامنز اور غذائیت بھی موجود ہے، ہر قسم کا Taste بھی اس میں موجود ہے، جیسے ظاہری پانی کے لحاظ سے زمین نے اسی آسمانی پانی کو یہ شکلیں عطا کر دی ہیں، ایسے ہی قرآن وسنت کے پانی کو مجتہد کے سینے نے یہ روپ عطا فرمائے ہیں۔
جیسے اس پانی کا اصل وہی آسمانی پانی ہے ایسے فقہ کی اصل وہی قرآن و سنت ہے۔
اب دیکھئے یہ تعلق ہے فقاہت کا قرآن وسنت کے ساتھ، اور فقہ کا قرآن و سنت کے ساتھ، یہ کوئی علیحدہ چیز نہیں، یہ تو اسی کی تشریح ہے اسی کی توضیح ہے، اور یہ کام ایسی شخصیت کا ہی تھا کہ جس کے ذہن کو اللہ نے سارے علوم کا آشیانہ بنا رکھا تھا، وہاں پر ہر قسم کے علوم موجود تھے، اتنی تیز ذہانت تھی، ایسا طریقہ استدلال تھا اور ایسی تیز نگاہ تھی،

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کی وسعت

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، کوفہ کی جامع مسجد میں حضرت

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی وضو کر رہے ہیں۔ ساتھ والے بندے کو جب وضو کرتے دیکھا تو اس کو جھڑکی دی کہ تم نے فلاں گناہ کیا ہے، یہ وضو کے پانی سے مجھے نظر آ رہا ہے۔ دیکھو قیامت تک کا یہ (Advance Wisdom) اور قیامت تک یہ (Advance Science) جو ہے، کوئی ایسا آلہ نہیں ایجاد کر سکی جو پانی سے گناہوں کی شناخت کرے، جو پانی سے گناہوں کو دیکھ لے، جو پانی کے اندر سے گناہ کے وجود کو استدراک کرے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی نگاہ کتنی تیز ہے۔ جو آنکھ پانی سے گناہ دیکھ سکتی ہے وہ جب لفظ قرآن کو دیکھتی ہے، ہم وہ پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں ایک لفظ ہی نظر آتا ہے۔

﴿حدیث پاک سے مسائل کا استنباط﴾

جس وقت اسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی پڑھتے ہیں انہیں وہیں سے ہزاروں مسائل نظر آجاتے ہیں۔

قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ فِيْ مَجْلِسِ الْاَعْمَشِ فَجَاءَ رجُلٌ فَسَأَلَهُ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَلَمْ يُجِبْهُ فِيْهَا وَ نَظَرَ فَاِذًا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فَقَالَ يَا نُعْمَانُ قُلْ فِيْهَا قَالَ اَلْقَوْلُ فِيْهَا كَذَا۔

قَالَ مِنْ اَيْنَ؟

قَالَ مِنْ حَدِيْثٍ كَذَا اَنْتَ حَدَّثْتَنَاهُ

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں میں امام اعمش رحمہ اللہ تعالی کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آ گیا اس نے امام اعمش رحمہ اللہ تعالی سے

ایک مسئلہ دریافت کیا۔امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے جواب نہ دیا، دیکھا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نظر آئے تو امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

نعمان آپ اس مسئلے کا جواب دیں۔

امام صاحب نے بتایا یہ جواب ہے۔

امام اعمش نے کہا، کہاں سے دیا ہے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا، فلاں حدیث سے جو آپ نے ہمیں پڑھائی

(عقود الجواہر المنیفہ فی ادلہ مذہب الامام ابی حنیفہ ص ۱۰، جز اول، مصنف السید محمد مرتضیٰ حسینی)

امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے:

حَسْبُكَ مَا حَدَّثْتُكَ بِهٖ فِيْ مِئَةِ يَوْمٍ تُحَدِّثُنِيْ بِهٖ فِيْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ مَا عَلِمْتُ اَنَّكَ تَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ يَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمْ الْاَطِبَّاءُ وَ نَحْنُ الصَّيَادِلَةُ وَ اَنْتَ اَيُّهَا الرَّجُلُ اَخَذْتَ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ

(الخیرات الحسان، ص ۱۴۴)

آپ بس کر دیں میں نے جو تجھے سو دن میں پڑھایا ہے آپ نے وہ مجھے تھوڑے سے وقت میں سنا دیا ہے، مجھے پتہ نہیں تھا کہ آپ ان احادیث میں گہری سوچ بچار بھی کرتے ہیں۔اے فقیہ لوگو! تم طبیب ہو اور ہم (محدث) پنساری ہیں اور اے عظیم انسان (امام ابوحنیفہ) تم پنساری بھی ہو اور ماہر طبیب بھی۔

جیسے پنساری کے پاس جڑی بوٹی ہر قسم کی ہے مگر اس کو یہ خبر نہیں ہے کہ کس کو کس کے ساتھ ملائیں تو کون سی معجون بنتی ہے اور وہ کس مرض کیلئے کام کرتی ہے۔نہ مرض کی شناخت ہے، نہ نسخے کا پتہ ہے، نہ طریقہ استعمال اس کو آتا ہے، وہ صرف جڑی بوٹیاں سنبھال کے رکھتا ہے باقی سارے کام طبیب حاذق کرتا ہے۔

فرمایا: ہم نے زندگی گزاردی ہے، صرف یہ حدیث بیان کرتے ہوئے اور جواب اب تک ہمیں نہیں آیا، ہم نے صرف پنساری والا کام کیا ہے، ابوحنیفہ! تمہارا دل تو جذب کرنے والا دل ہے، یہ جانتا ہے کہ نسخہ بنتا کیسے ہے اور کس مریض کیلئے ہے اور طریقہ استعمال کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اے فقیہہ لوگو! تمہیں ماہر طبیب کا مرتبہ عطا کیا اور فرمایا:

اَنْتَ اَيُّهَا الرَّجُلُ اَخَذْتَ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے میرے شاگرد! میں تم سے کہتا ہوں تم صرف طبیب ہی نہیں ہو، تمہارے پاس سٹور (Store) بھی موجود ہے، محدث بھی ہو، فقیہہ بھی ہو، تمہارے پاس دونوں جہتیں موجود ہیں۔ لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا دل ایک ایسی زمین ہے کہ جو اساتذہ پڑھانے والے، روایت کرنے والے، جنہیں سالہا سال گزر گئے ہیں، الفاظ حدیث پڑھاتے ہوئے ان کی نظروں میں ان احادیث سے وہ مفہوم سامنے نہیں آیا جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند دن وہاں پڑھا ہے اور انہیں سے مسائل کو حل کر کے پیش فرما دیا ہے۔

فقہ حنفی قرآن وسنت کی تشریح

یہاں یہ فنی حیثیت جاننا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی، جو قرآن وسنت کی تشریح ہے، قرآن وسنت کے ہوتے ہوئے اس کو ماننا، اس کی حیثیت کیا ہے؟ آج لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ جب قرآن مجید میں سب کچھ ہے، سنت میں سب کچھ ہے، تو پھر فقہ کی ضرورت کیا ہے؟ میں نے اس سلسلہ میں ایک پوری لسٹ تیار

کی، ان لوگوں کے اقوال کہ ہمارے لئے قرآن وسنت کافی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، قرآن وسنت میں سب کچھ ہے مگر اس سب کچھ کو سمجھنے کیلئے کسی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی ضرورت ہے، ورنہ سب کچھ کا پتہ نہیں چلے گا۔ یہ لوگ اپنی زبان سے یہ بات تو کرتے ہیں مگر جب ان کی خانہ تلاشی لی جائے تو ان کے جتنے فتاوی ہیں خواہ وہ ستاریہ ہو، ثنایہ ہو، نذیریہ ہو، اس قسم کے فتاویٰ میں پچاسی فیصد سے زائد مسائل میں دلیل نہ قرآن سے دی ہے، نہ سنت سے دی ہے، اگر دلیل ملی ہے تو فقہ حنفی کے خرمن سے ملی ہے۔

اگر کھانے کو ملا ہے تو اس فقہ کے دستر خوان سے ملا ہے۔ پوری کائنات میں صحابہ وتابعین کے بعد جہاں کہیں بھی اسلام عملی شکل میں نافذ ہوا ہے، اسی فقہ نے اسے مواد عطا کیا ہے، اور جہاں کہیں کسی نے بھی نئے مسائل کا حل چاہا ہے تو اسی فقہ نے جواب دیا ہے۔

یہ لوگ ادھر یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہر بات قرآن وسنت سے بیان کرتے ہیں، جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ نیچے دکانیں ہوں تو ان کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ پھر نہ قرآن سے آیت ملتی ہے نہ حدیث سے کوئی حدیث ملتی ہے۔

اگر ملتا ہے تو یہ کہتے ہیں، درمختار میں یہ ہے، فتاویٰ شامی میں یہ ہے، تاتارخانیہ میں یہ ہے۔ اس وقت سارے نام اچھے لگتے ہیں۔ ایک دو باتیں نہیں ایسے درجنوں مسائل ہیں جن کو لکھتے وقت باقاعدہ ان کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور عملاً اس بات کو ثابت کیا ہے کہ واقعی فقہ حنفی وہ سوغات ہے کہ جس کے بغیر کوئی بندہ قیامت تک نہیں رہ سکتا، اگر چاہے گا کہ اس کو اسلام کی روشنی حاصل ہو تو اس کو قرآن وسنت کی روشنی اسی فقہ کے دامن سے میسر آئے گی۔

صرف اتنی تبدیلی جب آئی کہ جب کنوئیں میں گندا گیند گر جائے تو اس کنوئیں کو پاک کیسے کیا جائے گا، اب بھی رستہ بھول گیا، کوئی حدیث اس طرح کی نہیں مل رہی، وہ مرغی، بلی اور چوہے والی احادیث جن میں ان کا ذکر تھا کہ اتنے ڈول نکالو، اس طرح صاف کرو۔ اب یہ صورتحال تو تھوڑی سی مختلف ہوئی ہے، یہاں بھی کوئی حدیث پیش نہیں کر سکے، اگر پیش کیا ہے تو فقہ حنفی کی نصوص کو پیش کیا ہے۔

تدوین فقہ کی شرعی حیثیت

لہٰذا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوامت کیلئے کام کیا، اس کی شرعی طور پر حیثیت یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی ہے جس کو آسان پیرائے میں آپ نے پیش کر دیا، اگر چہ آج اسے سمجھنا بھی ہم جیسوں کیلئے مشکل ہوتا جا رہا ہے، لیکن اگر ہمیں ماخذ تلاش کرنا پڑتا اور اصل اصول وضع کرنے پڑتے تو کتنی مشکل ہو جاتی۔

حضرت امام ابو اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنایا اور اسے آگے پہنچایا، اصل میں اس کی اجازت خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور قیاس

جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کی طرف جا رہے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

كَيْفَ تَقْضِىْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَآءٌ

(ترمذی جلد ا، ص ۱۵۹، ابوداؤد وکتاب الاقضیہ جلد ۲ ص ۱۴۹، دارمی، مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء باب العمل فی القضاء والخوف منہ الفصل الاول)

جب تمہارے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا گیا تو کس طرح فیصلہ کرو گے۔

تو کہنے لگے

اَقْضِیْ بِکِتٰبِ اللّٰہِ

اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ

اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ؟

اگر اس مسئلے کا حل تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ

یہ نہیں ہے کہ کتاب اللہ میں موجود ہی نہیں

تمہیں نہ ملے تو پھر؟

تو کہنے لگے

فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں نہ پاؤ؟

تو پھر کیا کرو گے؟

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ دو ہی تو چیزیں ہیں، قرآن ہے یا سنت ہے۔ اگر دونوں سے بھی میں نہ پا سکا تو میں خاموش رہوں گا۔ کیونکہ اس سے آگے بولنا جائز نہیں ہے۔ انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا:

بلکہ کہنے لگے اگر مجھے سنت سے بھی نہ ملا تو کیا کروں گا؟

اَجْتَهِدُ بِرَأْيِیْ

میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

رائے میری ہوگی اور روشنی قرآن وسنت کی ہوگی۔

پانی وہی آسمان سے اترنے والا ہوگا مگر زمین میرے دل کی ہوگی۔ ضرورت پڑی تو میں اس کا حل اپنی رائے سے اجتہاد کر کے پیش کروں گا اور لوگوں کو مسئلہ پیش کردوں گا۔ میں چپ نہیں رہوں گا، میں لوگوں کیلئے اس مسئلہ کا حل پیش کروں گا مگر اپنی رائے سے کروں گا، جو قرآن وسنت کے زیر سایہ رہے گی۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب سنا ہے تو یہ نہیں فرمایا کہ اے معاذ تم کون ہوتے ہو؟، قرآن وسنت کے بعد تمہاری رائے کی اتھارٹی کیا ہے؟ اس کا تو کوئی گریڈ بنتا ہی نہیں، تم غیر نبی ہو، تم اپنی رائے کو کہاں سے لے آئے ہو؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا

اتنے خوش ہوئے اور فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و سلم

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے شخص (گورنر) کو یہ توفیق دی کہ جس سے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گیا ہے۔

اگر یمن والوں کیلئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے فیصلے ماننا جائز ہی نہیں تھا تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت کیوں دے دی؟

جب اجازت دی ہے تو اس لئے ان کے فیصلوں کو تسلیم کریں، بلکہ یہ لکھ کے بھیجا کہ یمن والو! جو یہ فیصلہ کریں گے تمہارے لیے ماننا لازم ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تقلید شخصی کا ان کو حکم دے دیا۔

فرمایا: یہ جو فیصلہ کریں گے تم اس کو مانو گے۔

فیصلے کا اختیار بھی دے دیا اور ماننے کیلئے حکم بھی دے دیا۔ جس نوعیت سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قرآن وسنت کے پانی کو جذب کر کے آگے پھول پیش کرنے کی اجازت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے چکے تھے اسی طریقہ پر چلتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن وسنت کے پانی کو جذب کر کے فقہ حنفی کی سوغات کو تیار فرمایا ہے۔

﴿دوبئی میں ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کا مناظرہ﴾

یہاں اختصار ملحوظ خاطر ہے لیکن یہ بات یاد رکھیں، دوبئی میں اس بات پہ میری بحث ہو رہی تھی۔

غیر مقلد:

غیر مقلد کہنے لگا کہ یہ جو تم نے حدیث پیش کی ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مدینہ شریف میں موجود تھے اور اس وقت آپ نے یہ حکم دے دیا کہ آپ یمن چلے جاو اور اس طرح ان کو مسئلہ بتانا۔ ہمارا تمہارا جو اختلاف اس وقت ہے وہ اس بارے میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا، اس کے بعد بھی کیا کسی کیلئے یہ جائز ہے، کسی حدیث سے یہ ثابت ہوتا

ہے کہ کوئی مسئلہ قرآن وسنت کی روشنی سے اخذ کرے اور بندوں کیلئے وہ ماننا لازم ہو جائے اور اس کی کوئی شرعی طور پر حیثیت ہو؟

جلالی صاحب:

تو میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اگر چہ اس کیلئے باقاعدہ حدیث شریف ہے لیکن یہ جو تم بات کر رہے ہو تو اس سے خود اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

تم جو بات کر رہے ہو اس سے تم نے اپنے مؤقف کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔
جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظاہری حیات میں موجود تھے اور ابھی قرآن مجید مکمل نہیں ہوا تھا، نزول قرآن جاری تھا، اس وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو محبوب علیہ السلام یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اے معاذ بن جبل! فیصلوں میں جلدی نہ کرنا، ابھی تو میں بھی موجود ہوں، قرآن بھی نازل ہو رہا ہے اگر تمہیں قرآن مجید جو اترا ہوا ہے اور جو تمہیں آتا ہے اس سے مسئلے کا حل نہ ملے تو مجھے پیغام بھیجنا اور مجھ سے پوچھنا اور جو سنت تم جانتے ہو اگر اس سے تمہیں مسئلے کا حل نہ ملے تو پھر آگے کچھ نہ کہنا، مجھ سے پوچھنا:

یہ مجتہد کی تشریح اور اس کی تقلید ایسی حقیقت ہے کہ ابھی وحی کا نزول ہو رہا تھا پھر بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی اجازت دے رکھی تھی، جب وحی کا دروازہ بند ہو گیا اب تو بطریق اولیٰ اس کی اجازت موجود رہے گی۔

اس وقت یہ اعتراض بنتا تھا کہ یہ کہا جاتا کہ ابھی تو سارا قرآن اترا ہی نہیں ہے اور تم اپنی طرف سے نہ کہنا، بقیہ قرآن کا انتظار کر لینا، جو تمہارے بعد اترے گا وہ پوچھ لینا لیکن مجتہد کا دل کی اس زمین سے پانی کو جذب کر کے آگے پیش کرنا ہے، یہ تو نزول

وحی کے دوران بھی سلسلہ جاری رہا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب علیہ السلام نے یمن والوں کو اس وقت بھی مقلد شخصی بنا دیا۔ فرمایا کہ معاذ بن جبل کے دل کی زمین، قرآن و سنت کو جذب کر کے تمہیں جو پھل پیش کرے گی، یمن والو! تمہارے لیے وہ کھانا لازم ہو جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اپنی ظاہری حیات میں اس بات کی اجازت دے کر اس بات کو واضح فرما دیا کہ اب جب وحی کے نزول کا وقت موجود ہے پھر بھی یہ بات جائز ہے، جب دروازہ بند ہو جائے گا پھر تو بطریق اولیٰ جائز ہو جائے گی۔

مسائل کے حل کا طریقہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ سے

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

طبرانی نے معجم اوسط میں لکھا ہے:

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ نَزَلَ بِنَا اَمْرٌ لَيْسَ فِيْهِ اَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ فَمَاذَا تَاْمُرُنَا

(مجمع الزوائد/ ۱۸ اعلی بن ابی بکر الہیثمی دار الکتاب بیروت کنز العمال ۲/ ۳۱ اعلی متقی مکتبۃ التراث العلمی)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہمیں کوئی ایسا مسئلہ نیا پیش ہو جائے کہ جس کے بارے میں کوئی واضح امر بھی قرآن وسنت میں نہ ہو اور کوئی واضح نہی بھی نہ ہو، یعنی اس کام کے کرنے کا نہ حکم ہو اور نہ ہی نہ کرنے کا حکم ہو۔

فَمَاذَا تَاْمُرُنَا ؟

تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، اس وقت ہم کیا کریں؟

اگر ایسی صورت حال پیش ہو جائے تو ہم کیا کریں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب پوچھا تو یہ واضح طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کی خبر پوچھی، تو میرے محبوب علیہ السلام نے کہا:

شَاوِرِ الْفُقَهَاءَ وَ الْعَابِدِيْنَ

امت کو بتا دینا کہ قیامت تک جب ایسا مسئلہ پیش ہو گا تو اس وقت فقہاء کے دروازے پر چلے جانا، ان سے مشورہ کرنا، ان سے پوچھنا، عابدین سے رائے لینا، وہ جو کہیں گے وہ بھی میری مرضی ہو گی، جو بتائیں گے اس کو ماننا لازم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس دل کی سرزمین نے جو کچھ جذب کر کے پیش کیا ہے اس کو ماننے کا حکم بھی شریعت میں باقاعدہ طور پر موجود ہے۔

فقہ حنفی ایک بہترین سوغات

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کردار ادا کیا اور اتنے بہترین طریقے سے سوغات تیار کی کہ قیامت تک کوئی دوسری ایسی سوغات نہیں بن سکے گی بلکہ تمام شریعتوں میں، تمام پہلی امتوں میں کوئی ایسا لٹریچر میسر نہیں آئے گا کہ جس طرح کا لٹریچر فقہ حنفی کی شکل میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔

کسی امت کے پاس نہ تو سند رجال کے لحاظ سے ایسی کوئی خصوصیت ہے اور نہ اصول فقہ کے لحاظ سے، یہ اس امت کا خاصہ ہے کہ خالق کائنات نے اتنے کھلے سینے دیئے ہیں کہ قرآن وسنت کو سمجھ کے سینکڑوں نہیں ہزاروں کی شکل میں آگے مسائل کو کتابوں میں آباد فرما دیا ہے۔

شورائی طریقے سے فقہ کی تدوین

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن وسنت سے فقہ حنفی کی یہ سوغات تیار کی، اگرچہ خود کوئی کمی نہیں تھی لیکن پھر بھی شورائی طریقہ سے اس کو مدون کیا، اور یہ بھی اس فقہ کی خصوصیت ہے۔ فقہ مالکی ایک شخص کی فقہ ہے، فقہ حنبلی بھی ایک شخص کی فقہ ہے، فقہ شافعی بھی ایک شخص کی فقہ ہے، لیکن فقہ حنفی اس شوریٰ نے بنائی ہے،

مسند خوارزمی میں ہے۔

اِنَّ الْاِمَامَ اجْتَمَعَ مَعَهٗ اَلْفٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَجَلُّهُمْ وَ اَفْضَلُهُمْ

(جامع المسانید (مسند خوارزمی) (۱/۳۳) المکتبۃ الاسلامیہ فیصل آباد)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ سوغات تیار کر رہے تھے تو آپ تنہا نہیں تھے، آپ کے ساتھ ایک ہزار فقہاء موجود تھے، اتنا بڑا (Research Board) ریسرچ بورڈ تھا، کتنی زیادہ کوشش تھی، اور وہ ایک ہزار فقہاء کیسے ہیں؟

اَرْبَعُوْنَ مِنْهُمْ قَدْ بَلَغُوْا حَدَّ الْاِجْتِهَادِ

ان ہزار میں سے چالیس تو باقاعدہ مجتہد بھی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شوریٰ دیکھو، فقہاء ہزار ہیں اور ان میں سے چالیس مجتہد ہیں۔ اس طرح شورائی طریقہ سے جب فقہ کو مدون کیا، یہ اکیلا ذہن ہی کافی تھا لیکن پھر بھی سب کو ساتھ بٹھایا، ان میں سے ہر ایک وہ تھا کہ جس کو انگلیوں پر گنا جاتا تھا اور زمانے کا مقتدیٰ تھا، ان کو ساتھ بٹھا کے پہلے نمبر پر یہ تقریر کی کہ مجھے دنیا نے جہنم پر پل بنادیا ہے اور مجھ سے گزر کے وہ تو پار ہو جائیں گے، اگر کوئی کمی رہ گئی

تو مجھ سے پوچھا جائے گا۔تم میں سے ہر ایک کو میری طرف سے اجازت ہے، جب مسئلہ رکھا جائے گا، جسے جو حدیث آتی ہو وہ بیان کرے، جو قرآن مجید کی آیت اس کے متعلق ہو وہ بیان کرے، جو کچھ آتا ہو پیش کرے، فیصلہ بعد میں ہوگا کہ ثابت کیا ہوتا ہے؟

فَكَانَ اِذَا وَقَعَتْ وَاقِعَةٌ شَاوَرَهُمْ وَ نَاظَرَهُمْ وَ حَاوَرَهُمْ

(المناقب للموفق ۲/۱۳۳)

جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی ان ہزار کو بلا لیتے، ان سے مناظرہ بھی ہوتا، مشاورت بھی ہوتی، مکالمہ بھی ہوتا، یہاں تک کہ بعض مسائل پر مہینہ بحث ہوتی۔مہینہ بحث کے بعد جس وقت مسئلہ کا حل ان کے سامنے آ جاتا تو فرماتے۔

يَا اَبَا يُوْسُفَ اُكْتُبْ فِيْ بَابِ فُلَانٍ

اے ابو یوسف اس کو فلاں باب میں لکھ دو۔

کتنی محنت کی ہے، کتنا جگر پگھلا ہے، کس حد تک اس میں مشقت و مجاہدہ کیا ہے، ایک محلے کا امام بات کرتا ہے، لوگ اس کی تو مان لیتے ہیں، اس کے مقلد بن جاتے ہیں اور جس نے اپنا جگر پگھلا کے امت کے شبستان میں یہ چراغ روشن کیا تھا۔

؎ کتنی پلکوں سے نمی مانگ کے لائی ہو گی
پیاس تب پھول نے شبنم کی بجھائی ہو گی

کتنی کوشش اور مجاہدہ کے بعد آپ نے یہ فقہ تیار کی، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے

قیامت تک کے لئے عروج عطا فرمایا ہے۔

جس وقت آپ نے بڑی کوشش سے فقہ کی تدوین کا یہ کام کیا، یہ زمین قرآن و سنت کے پانی کو جذب کر رہی ہے اور پھر اس کو پیش کرنے والی ہے۔

تدوین فقہ میں کمال احتیاط

حضرت وکیع جو تبع تابعین میں سے ہیں، تاریخ بغداد میں ہے، ان کے پاس کسی نے کہہ دیا:

اَخْطَأَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ

(تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ص ۲۴۷)

ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے۔

تو حضرت وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ فرمانے لگے:

كَيْفَ يَقْدِرُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يُخْطِئُ

ابوحنیفہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں؟

وَمَعَهٗ مِثْلُ اَبِيْ يُوْسُفَ وَ زُفَرَ فِيْ قِيَاسِهِمَا وَ مِثْلُ يَحْيٰى بْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ وَ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ وَحَبَّانٍ وَ مُنْدَلٍ فِيْ حِفْظِهِمُ الْحَدِيْثَ وَالْقَاسِمِ بْنِ مَعْنٍ فِيْ مَعْرِفَتِهٖ بِاللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ وَ دَاوٗدَ الطَّائِيْ وَ فُضَيْلِ بْنِ عَيَّاضٍ فِيْ زُهْدِهِمَا وَوَرْعِهِمَا مَنْ كَانَ هٰؤُلَاءِ جُلَسَاءُ هُمْ لَمْ يَكَدْ اَنْ يُّخْطِئَ لِاَنَّهٗ اِنْ اَخْطَاَرَدُّوْهُ

فرمایا: لوگو! زبان اپنی روک کے رکھو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کیسے غلطی کر سکتے ہیں حالانکہ جن کے ساتھ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ جیسے

تیز قیاس والے امام بیٹھے ہوں، اور حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ، حضرت حفص بن غیاث اور حضرت حبان اور مندل جیسے حافظ الحدیث بھی بیٹھے ہوں، اور حضرت قاسم بن معن جیسے لغت، صرف اور نحو کے امام بیٹھے ہو اور حضرت داؤد طائی اور حضرت فضیل بن عیاض جیسے عظیم صوفی بیٹھے ہوں۔

جن کی شوریٰ کے اندر اتنے بڑے چاند موجود ہیں وہ آفتاب اندھیرے میں کیسے رہ سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی غلطی ہوتی تو یہ ضرور بولتے، ان میں سے کوئی بھی چپ رہنے والا نہیں تھا۔

اگر سب نے تصدیق کر دی ہے تو لوگو! ماننا پڑے گا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے جو لکھا ہے وہ سچ لکھا ہے۔

ہر قسم کے پہرے موجود تھے، زمین بھی زرخیز ہے اور اس پر پھر جڑی بوٹیوں کو دور کرنے کیلئے مسلسل نگاہ نبوت کی ایک آبیاری بھی موجود ہے، تقویٰ کے سائبان کے نیچے بیٹھے ہیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاندنی ہے، پرہیزگاری اور سوز صداقت کی ہوائیں چل رہی ہیں، فقاہت کی روشنی ہے اور یہ اجتہاد ہو رہا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی نے اتنی پرہیز کے ساتھ، اتنی احتیاط کے ساتھ، اس سوغات کو تیار کیا کہ جس میں ہر قسم کا خلوص ہے، عدالت ہے، علمی وجاہت ہے، ہر فن کا جو اس زمانے میں امام تھا کہ جن کے آگے شاگردوں کے شاگرد بھی امام قرار پائے، نحوی اور صرفی، اور لغت کے ماہرین، حدیث اور فقہ اور تفسیر کے ماہرین، سارے وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

﴿مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ﴾

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ساتھ لے کر یہ فقہ کی تدوین کی ہے تاکہ قرآن وسنت کی سب سے بہترین تشریح امت کے سامنے پیش کی جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جیسی شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(اقبال)

ایسی شخصیت کہ جن کے فکری درخت پہ کھلنے والے پھول کو پاکستان کہا جاتا ہے۔ وہ مجدد جن کے افکار اور کردار کا تحفہ یہ مملکت خداداد ہے۔ ان کے دیگر نظریات بھی ہمارے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرمانے لگے:

﴿فقہ حنفی کی نورانیت دریائے عظیم کی طرح﴾

بلا تعصب وتکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی تمام مذاہب حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر میں جو کچھ سامنے نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی پیرو ہے اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فرع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

(مکتوبات دفتر دوم، حصہ ہفتم، مکتوب ۵۵)

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سنت کی پیروی میں سب سے آگے

اور فرمانے لگے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس فقہ کا سنت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ تو فرمانے لگے:

امام اعظم اور تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است۔

(مکتوب دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سنت کی پیروی میں باقی سب آئمہ سے آگے ہیں۔

یہ دیکھنا ہے کہ سنت کا احترام سب سے زیادہ کس جگہ ہے؟ اور سنت کی ترجیح، سنت کو مقدم کرنا، اپنے سوچ اور قیاس پر سب سے زیادہ کس نے سنت کا سب سے زیادہ احترام کیا ہے؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے کہ اس فہرست میں بھی پہلا نام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اور اس پر باقاعدہ دلائل بھی دیئے۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو جعفر منصور کا مکالمہ

ایک طرف تو وہ پوری بحث تھی، جب ابو جعفر منصور نے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پتہ چل رہا ہے کہ تم نیا دین بنا رہے ہو۔ آپ نے فرمایا میں فقہ کی تدوین کر رہا ہوں۔ اس نے پوچھا اصول کیا ہے؟

اپنے رائے سے سب کچھ کر رہے ہو؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں

تاریخ بغداد میں ہے:

اِنَّمَا اَعْمَلُ اَوَّلاً بِكِتَابِ اللّٰهِ

جب مسئلہ سامنے آتا ہے تو سب سے پہلے میں کتاب اللہ سے اس کا حل دیکھتا ہوں۔

ثُمَّ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اگر کتاب اللہ سے واضح طور پر نہ ملے تو پھر سنت میں سے واضح اس کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہاں سے بھی نہ ملے تو پھر بھی میں قیاس کو اجازت نہیں دیتا۔

ثُمَّ بِاَقْضِيَّةِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ

پھر میں ان صحابہ کے فیصلے پڑھتا ہوں۔

اگر ان سے نہ ملے، چاروں خلفاء راشدین کے فیصلوں سے بھی نہ ملے

ثُمَّ بِاَقْضِيَةِ بَقِيَّةِ اَصْحَابِهٖ

پھر میں باقی صحابہ کے فیصلے پڑھتا ہوں۔

پھر جب صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہاں بھی اس مسئلے کا حل مجھے لکھا ہوا واضح نظر نہ آئے، اس وقت وہ مسئلہ نہ پیش ہوا ہو،

ثُمَّ اَقِيْسُ

پھر قرآن وسنت کی چھتری کے نیچے بیٹھ کر اپنے قیاس کو اجازت دے دیتا ہوں۔

میں نے حدیث تو حدیث رہی، میں نے تو کبھی قول صحابی سے بھی اپنی بات کو آگے نہیں جانے دیا۔ سب سے پہلے کتاب ہے، پھر سنت ہے، پھر خلفائے راشدین کے فیصلے ہیں، پھر بقیہ صحابہ علیہم الرضوان کے فیصلے ہیں، پھر اس کے بعد میرا قیاس ہے۔

فرمایا: میں نے قیاس کو چھٹی نہیں دی، بلکہ میں نے اس کو پابند کر رکھا ہے، یہاں تک کہ قول صحابی کو بھی اپنی قیاس پر برتری دینے والا ہوں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کے اس علم اور پانی کو جذب کر کے اسے جو مختلف پھولوں اور پھلوں میں پیش کیا، اس سلسلے میں قانون دیکھ لیجئے، احتیاط دیکھ لیجئے، یہ محض پروپیگنڈا ہے کہ فقہ حنفی کا سنت سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ فقہ حنفی کے اس لحاظ سے بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

پیش قدم است
سب سے آگے ہے

﴿ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم﴾

اسی لئے ابن قیم، ابن جوزیہ نے یہ بات ''اعلام الموقعین'' کے اندر لکھی ہے۔ باقاعدہ ایک فصل بنائی کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصحاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث صحیح تو صحیح رہی، حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھا جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں دلیل پیش کی کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کیسے پیش قدم ہیں۔ فرمانے لگے سب محدثین نے حدیث مرسل کو چھوڑا ہے۔ حدیث مرسل، جہاں بات جا کے تابعی پہ ختم ہو گی اور آگے صحابی کا ذکر نہیں ہے، سب نے اس کو متروک کر دیا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ہے تو حدیث ہی، اگرچہ مرسل سہی، اس کو بھی قیاس سے مقدم رکھا جائے گا۔ اگر کسی مسئلے میں ایک طرف حدیث مرسل ہو، دوسری طرف قیاس ہو تو

﴿امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حدیث مرسل کی اہمیت﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیاس کو چھوڑ دیا ہے اور حدیث مرسل پر عمل کیا ہے اور تمام محدثین میں سے جنہوں نے حدیث مرسل کو اتنی (Value) دی ہے، انہیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا علم حدیث سے پیار

اور دوسری طرف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا جو علم حدیث کے ساتھ پیار ہے اور ان کے ہاں جو مرتبہ ہے اس کی وضاحت کیلئے تو دفتر چاہئیں، لیکن مختصراً یہ بات ذہن میں رکھیے کہ صحیح بخاری شریف جس کو سب کتب پر تقدیم حاصل ہے اس میں صرف بائیس حدیثیں ثلاثی ہیں کہ جن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صرف تین شیخ ہیں، تین واسطے ہیں، ان کو امام بخاری کے اعلیٰ شیوخ کہا جاتا ہے۔

عام ابو النبیل، مکی بن ابراہیم، یہ جو شیوخ ہیں، یہ اعلیٰ شیوخ ہیں کہ انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو تابعین کی حدیثیں بتائی ہیں، درمیان میں صرف تین واسطے ہیں۔

ایک یہ استاذ، پھر تابعی، اور پھر صحابی

بخاری شریف میں یہ صرف بائیس حدیثیں ہیں۔

بخاری میں بائیس ثلاثیات حنفی محدثین سے مروی

اور ان بائیس میں سے بیس حدیثیں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن اساتذہ نے پڑھی ہیں، وہ سارے اساتذہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد تھے۔ کل بائیس ثلاثی ہیں، ان بائیس میں سے بیس جن اساتذہ سے پڑھی ہیں، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم بن نبیل، محمد بن عبد اللہ حنفی، اس طرح کی بائیس میں سے بیس حدیثیں جن شیوخ سے پڑھی ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قدموں میں بیٹھ کے علم حاصل کیا تھا۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کو طعنہ دینے والوں کی مثال

اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے کہ وہ لوگ جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو طعنہ دیتے ہیں کہ انہیں حدیثیں کم آتی ہیں یا فقہ حنفی کا حدیث سے تعلق کمزور ہے ان کے متعلق فرمانے لگے۔

ناقصے چند، احادیث چند را یاد گرفتہ اند

(مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

کہ چند ناقص لوگوں نے چند حدیثیں یاد کر لی ہیں۔

اور کیا کہتے ہیں کہ

احکام شریعت را مختصر دراں ساختہ اند

(مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۵۵)

سارا دین انہیں حدیثوں میں بند ہے جو ہمیں آتی ہیں۔

باقی دین کہیں نہیں، انہیں حدیثوں میں ہے۔

فرمانے لگے: ان کی مثال کیا ہے۔

چوں آں کرمے کہ در سنگ نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است

فرمایا یہ کنوئیں کے مینڈک، یہ مثال بھی ان کیلئے بڑی ہے، کنواں پھر بھی کھلا ہوتا ہے اور اس کے مینڈک کو چلنے پھرنے کیلئے کچھ جگہ مل ہی جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت کہ جن پر تنگی ذہن یا اس قسم کے اور جملے بھی نہیں بولے جا سکیں گے، جن کو اللہ نے وہ روشنی عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے برصغیر میں توحید کی اذان پڑھی تو آج تک نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔

وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے چند ناقص لوگوں نے چند ناقص حدیثیں یاد کرلی ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو طعنے دیتے پھر رہے ہیں،

فرمایا:

چوں آں کرمے کہ در سنگ نہاں است

یہ اس کیڑے کی طرح ہیں جو کسی پتھر میں بند ہو

زمین و آسمان او ہماں است

وہ جو اس چھوٹے سے پتھر کے اندر کیڑا بند ہے، سمجھتا ہے کہ یہی زمین ہے اور یہی آسمان ہے، اس کو پتہ نہیں کہ اس پتھر سے باہر کتنی کائنات ہے، کتنی کھلی زمین ہے، کتنا کھلا آسمان ہے، ان کو خبر ہی نہیں ہے۔

فرمایا: ایسے ہی یہ غیر مقلدین کا طبقہ جن کا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ قول ہے انہیں صرف سترہ حدیثیں آتی تھیں۔

فرمایا وہ جن کی مسانید کو روایت کرنے والوں کی تعداد پانچ سو ہے اور جن کے شیوخ پانچ ہزار ہیں، انہیں صرف سترہ حدیثیں آتی ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا پانچ ہزار سے ایک ایک بھی حاصل نہیں کی؟ یہ سب غلط فہمی کا حصہ ہے، اور یہ کیڑا جو پتھر میں بند ہے اسی کو زمین سمجھ رہا ہے، اسی کو آسمان سمجھ رہا ہے، اگر اس پتھر سے باہر نکل آئے تو اسے پتہ چلے کہ پوری کائنات کیسی بس رہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو جس طرح مدون کیا اور حدیث سے جس طرح اسے اخذ کیا اس کی مثالیں اگر ذکر کروں تو بات بڑی لمبی ہو جائے گی، ایک مثال میں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی درایت حدیث میں کمال مہارت

حدیث کی روایت اور چیز ہے اور درایت اور چیز ہے۔

جیسے ابھی میں نے آپ کے سامنے وہ حوالہ امام اعمش کا رکھا بلکہ "عقود الجواہر" میں تو یہ بھی لکھا ہے۔

عَنْ اَبِیْ یُوْسُفَ سَاَلَنِی الْاَعْمَشُ عَنْ مَسْئَلَةٍ وَاَنَا وَهُوَ لَاغَیْرَ۔ فَاَجَبْتُه، فَقَالَ لِیْ ...... فَقُلْتُ بِالْحَدِیْثِ الَّذِیْ حَدَّثْتَنِیْ اَنْتَ ثُمَّ حَدَّثْتُه، فَقَالَ لِیْ یَا یَعْقُوْبَ اِنِّیْ لَاَ حْفَظُ هَذَا الْحَدِیْثَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّجْتَمِعَ اَبَوَاكَ مَاعَرَفْتُ تَاوِیْلًا اِلَّا الْاٰنَ

(عقود الجواہر المنیفہ جز اول ص ۱۰)

امام ابو یوسف سے روایت ہے مجھ سے امام اعمش نے ایک مسئلہ کے بارے میں سوال کیا۔ اس وقت صرف میں اور وہ بیٹھے تھے اور کوئی نہیں تھا میں نے اس مسئلے کا جواب دیا۔ امام اعمش نے مجھے کہا: اے یعقوب! آپ نے یہ جواب کس حدیث سے دیا۔ میں نے کہا: اس حدیث سے جو آپ نے مجھے پڑھائی پھر میں نے وہ حدیث بھی بیان کر دی تو امام اعمش نے مجھے کہا: اے یعقوب! مجھے یہ حدیث اس وقت سے یاد ہے جب تیرے والدین کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی لیکن اس صحیح مفہوم کا مجھے اب آپ سے پتہ چلا ہے۔

اس موقعہ پر یہ فرمایا

یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة

یہ حدیث شریف کے اندر روایت ہے۔

﴿فقہ حنفی احادیث کا خلاصہ﴾

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس درایت کو سامنے رکھتے ہوئے احادیث کو یوں منطبق کیا ہے کہ ساری احادیث پر بھی عمل ہو جائے اور لوگوں کیلئے بہترین مثال اور وضاحت بھی سامنے آ جائے۔

ایک حدیث شریف بڑی معروف ہے۔

پہلی حدیث:

﴿پانی پلید نہیں ہوتا﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمَآءِ لَا یَنْجُسُ

پانی پلید نہیں ہوتا۔

اب اس کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ پانی ایسی چیز ہی نہیں کہ جو پلید ہو کیونکہ واضح فرما دیا ہے کہ پانی پلید نہیں ہوتا۔

اور پھر محل وقوع بھی ایسا ہے کہ ایک کنوئیں کے بارے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے تشویش کا اظہار کیا کہ اس کنوئیں میں گندگی ڈالی جاتی ہے تو اب اس کا پانی پئیں یا نہ پئیں؟ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمَآءِ لَا یَنْجُسُ

(المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۱۵۵۱)

بے شک پانی پلید نہیں ہوتا

اب اس سے ظاہری مطلب تو یہ سامنے آیا کہ پانی کا کنواں اگر چہ گندگی سے بھرا

ہوا ہو پھر بھی اس کا پانی پلید ہوتا ہی نہیں۔لہٰذا پانی پاک ہوگا اور کچھ لوگوں نے اس کو اپنا مسلک بھی بنا لیا اور اسی ظاہر پر چلنے لگے۔

﴿حدیث کا حقیقی مفہوم﴾

لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوچ کتنی اونچی سوچ ہے۔آپ نے حدیث شریف کا انکار بھی نہیں کیا اور سارے تقاضے بھی پورے فرما دیئے۔

فرمایا اس کا مطلب یہ نہ سمجھو کہ پانی ایسی شئے ہے کہ گندہ کرنے سے بھی گندہ نہیں ہوتا، پلید کرنے سے بھی پلید نہیں ہوتا، خواہ اس میں مردار گر جائے پھر بھی پلید نہیں ہوتا، خواہ اس میں لوگ پاخانہ کرتے رہیں پھر بھی پلید نہیں ہوتا۔

فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ وہ کنواں تھا، اس میں اتفاقاً کچھ گندے کپڑے گر گئے یا کوئی گندگی گر گئی جب وہ گندگی صحابہ نے باہر نکال دی تو اب بھی ان کے ذہن میں تشویش تھی کہ جو پانی گندہ ہوا وہ اگر نکال بھی لیا جائے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کنوئیں کی دیواروں سے لگ جائے گا اور کچھ نیچے تر مٹی میں بھی جذب ہو جائے گا، اب نیچے سے جو نیا پانی نکلے گا اس میں بھی یہ گندگی شامل ہو جائے گی۔

لہٰذا صحابہ کرام علیہم الرضوان کا سوال یہ نہیں کہ گندگی پانی کے اندر پڑی ہوئی ہو، کتا مرا ہوا ہو، اس کے بارے میں پوچھ رہے ہوں، یہ پاک ہے یا پلید ہے، ہرگز ان کی ذہانت اور دین کی جو سمجھ ہے اس سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ ایسے پانی کے بارے میں پوچھنے کی حاجت ہو کہ پاک ہے یا پلید ہے؟

جس کو آج کا ان پڑھ آدمی بھی سمجھتا ہو کہ پلید ہے، ہرگز سوال اس کیلئے نہیں تھا، سوال یہ تھا کہ جب گندگی باہر نکال دی گئی ہے، نیا پانی نیچے سے پھوٹتا ہے اور پھر کچھ

دائیں بائیں سے دیواروں والا بھی لگ جائے تو نیا پانی آیا ہے وہ پاک ہے یا پلید ہے؟
رسول اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی کے بارے میں جو
کہ جاری بھی ہے اور اس کا کوئی وصف رنگ، بو، ذائقہ تبدیل بھی نہیں ہے۔ اس کے
بارے میں فرمایا کہ یہ پانی پلید نہیں ہے، جو پانی نیا آ رہا ہے یہ پانی پاک ہوگا۔ اس
میں کسی قسم کا کوئی شک یا وہم نہیں کرنا چاہیئے۔

دونوں صورتوں میں تطبیق

اب اس صورتحال میں اور جو پہلی صورتحال ہے، ان دونوں میں فرق کتنا
ہے؟ پہلی ظاہری حدیث ہے کہ پانی پلید نہیں ہوتا، لہٰذا گندگی جتنی بھی ہو پلید
نہیں ہوگا۔ امام صاحب نے فرمایا یہ دیکھو کہ سوال کا پس منظر کیا ہے؟ اور الماء
سے خاص پانی مراد ہے کہ چشمہ جاری ہے، کنواں جاری ہے، آگے کھیتوں کو
سیراب کرتا ہے اور پانی نیا آ رہا ہے، پلید تو نکال دیا گیا، جو نیا آ رہا ہے اس کے
بارے میں محل سوال تھا کہ صحابہ پوچھتے ہیں کہ اب کچھ نہ کچھ پہلے کا حصہ بھی
لگ جائے گا تو کنواں چونکہ ایسا ہوتا ہی نہیں کہ اس کو الٹا کر کے انڈیلا جائے
اور سارا پانی باہر نکل جائے

شرعی قاعدہ اور ضابطہ

اس لئے کہ
اَلضُّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ
حاجت ناجائز چیزوں کو جائز کر دیتی ہے
اصل میں یہ صورت حال تھی

جو کم رہ جائے گا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نیا نکلنے والا پانی سارا پاک ہوگا۔

اب یہ کیسے ثابت ہوگا تو اس کی وضاحت یہ ہے۔

دوسری حدیث:

﴿پانی میں بول کرنا منع﴾

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند کے ساتھ حدیث مقابلے میں پیش کر دی۔ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے کہ

لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

(متفق علیہ، مشکوۃ باب احکام المیاہ، الفصل الاول)

تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے پھر اسی میں غسل نہ کرے

ایک اور حدیث میں ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ

(مسلم، مشکوۃ، باب احکام المیاہ الفصل الاول)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو پانی ٹھہرا ہوا ہو، اس میں پیشاب نہ کرو۔

اس لئے کہ پھر کوئی گزرے گا تو وضو کرے گا تو اس کا وضو کیسے ہوگا؟ پانی پلید ہوگا تو کوئی پتے گا نہیں۔ اب یہاں سے پتہ چل رہا ہے کہ پانی ایسا نہیں کہ جو پلید ہی نہ ہو، لہذا پانی جو ٹھہرا ہوا ہے، اس میں پیشاب نہ کرو، اگرچہ اس کا کوئی وصف نہ بھی بدلا پھر بھی پلید ہو جائے گا۔

تیسری حدیث:

کتے کے برتن میں منہ ڈالنے سے برتن پلید

لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں پانی کے اندر بول کرنے سے منع فرما دیا اور ساتھ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن سیرین روایت کرتے ہیں کہ جب ایک برتن کے اندر کتے نے منہ ڈالا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

پانی انڈیل کے برتن کو بھی صاف کرو

بلی نے منہ ڈالا تو فرمایا برتن کو بھی صاف کرو۔

اگر یہ ہو کہ

اَلْمَآءَ لَا یَنْجُسُ

(مسند امام احمد مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ حدیث نمبر ۲۹۵۴)

کہ پانی پلید ہی نہیں ہوتا

برتن کو تو منہ ہی نہیں لگا، کتے کا منہ تو پانی کو لگا تھا، پہلے پانی پلید ہوا ہے پھر برتن پلید ہوا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثیں واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ پانی پلید ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ پس منظر بیان کرنا پڑے گا جس سے پہلی حدیثیں بھی سچی مانیں گے اور دوسری بھی سچی مانیں گے، آپس میں کوئی تضاد نہیں ہوگا اور اس طرح یہ فقہ حنفی کی ترجیح ہے کہ اس نے سارے آثار کو ایک ہی جہت میں رکھ کے سب پر عمل کر دیا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے اس کی تشریح کیلئے نئی جہت سے ایک حدیث اور پیش کی۔ فرمایا جیسے یہ ہے

اِنَّ الْمَآءَ لَا يَنْجُسُ

ایسے ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لَا يَنْجُسُ

کہ زمین پلید نہیں ہوتی۔

یہ حدیث صحیح ہے، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر اگر گوبر کا ڈھیر بھی ہو پھر بھی پلید نہیں ہوگی، زمین پر کسی نے پاخانہ کیا ہو پھر بھی پلید نہیں ہوگی۔ اس میں تو کسی کا یہ مذہب نہیں، پانی والے مسلک والوں کو اس حدیث سے دعوت فکر دی گئی کہ ہو بہو وہی لفظ ہیں۔

اِنَّ الْمَآءَ لَا يَنْجُسُ

زمین پلید نہیں ہوتی

تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ بھی ہو جائے زمین پلید نہیں ہوگی۔

یا یہ مطلب ہے کہ زمین ایسی چیز نہیں کہ نجاست اٹھالی جائے پھر بھی پلید ہی ہو اور پاک نہ ہو ایسا نہیں بلکہ فرمایا میرے صحابہ جب نجاست زمین سے ہٹ جائے گی، سورج کی کرنیں پڑیں گی، زمین پاک ہو جائے گی۔ یہ مطلب تھا کہ زمین کی پلیدی برقرار نہیں رہتی، کہ جو پلید ہوگی تو قیامت تک پلید ہوگئی ہے۔ فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ وہ پھر پاک ہو جائے گی جب نجاست کو دور کر لیا جائے گا۔

جیسے اس حدیث شریف میں کوئی بھی وہ ظاہر معنی مراد نہیں لیتا، یہ مراد لیا جاتا ہے کہ نجاست ہٹا لینے کے بعد پلیدی برقرار نہیں رہتی، پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی۔

اِنَّ الْمَآءَ لَا يَنْجُسُ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمار ہے تھے۔

جب نجاست پانی سے دور کر دی گئی اور نیا پانی نکل رہا ہے تو یہ پلید نہیں ہوگا اس لئے کہ نجاست کو دور کر دیا گیا ہے۔

ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی پیش کر دیا:

اِنَّ الْمُوْمِنَ لَا یَنْجُسُ

(صحیح بخاری کتاب الغسل باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق حدیث نمبر ۲۷۶)

مومن پلید نہیں ہوتا

اس سے بھی با قاعدہ استدلال کیا اور اس پر دلائل پیش کئے۔ تو یہ طریقہ ہے کہ ساری احادیث سامنے رکھا۔

فقہ حنفی کے پیروکار زیادہ

پھر انہیں سے فقہ حنفی کا یہ کونپل نکلا جو کہ ایسا درخت بنا جس نے ساری دنیا پہ اپنا سایہ کیا۔

ابن خلدون کا فیصلہ

ابن خلدون نے آج سے چھ صدیاں قبل یہ کہا تھا:

پوری کائنات پر فقہ حنفی کے ماننے والے زیادہ ہیں۔

امیر خسرو کا فیصلہ

حضرت امیر خسرو نے آج سے سات سو سال قبل گواہی دی تھی۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی کا فیصلہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی نے آج سے چار سو سال قبل گواہی دی تھی

ڈاکٹر صبحی محمصانی نے موجودہ صورت حال کے اندر یہ کہا ہے کہ پوری دنیا میں جتنے مسلمان ہیں ان میں سے دو تہائی فقہ حنفی کو ماننے والے ہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی کا فیصلہ

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اَلْحَنْفِيَّةُ ثُلُثَا الْمُؤْمِنِيْنَ

(مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲، ص ۴۴)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کو ماننے والے کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں۔

لہٰذا یہ وہ درخت جس نے پوری کائنات پہ سایہ کیا اور ہر ایک کو پھل عطا کیا۔

اس میں اگر ایسی صورتحال ہوتی کہ قرآن وسنت سے اس کا تعلق نہ ہوتا تو اس کی جڑیں فوراً آندھیاں اکھاڑ لیتیں۔ آج تک سینۂ زمین کے اندر اس کی جڑیں پکی ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں مدینہ شریف سے پانی مل رہا ہے اور وہاں سے یہ تقویت آئی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کا فیصلہ

اس لئے فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

عَرَّفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ فِي الْمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ طَرِيْقَةً اَنِيْقَةً هِيَ اَوْفَقُ بِالسُّنَّةِ الْمَعْرُوْفَةِ

(فیوض الحرمین ص ۱۳۶)

مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بتایا ہے کہ سارے طریقوں میں سے جو طریقہ سب سے میری سنت کے قریب ہے اسے فقہ حنفی کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں یہ تعلیم مجھے رسول پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے کہ یہ سب سے قریب ترین وضاحت ہے جو قرآن و مجید اور میری سنت کے لوگوں کے سامنے کر دی گئی ہے۔

یہ قرآن و سنت کے ساتھ فقہ حنفی کا تعلق ہے اور یہ اس موضوع کی ایک تمہید سمجھیں۔ اس کے اتنے دلائل ہیں، اتنی گہرائی ہے، اس موضوع کے اندر اتنی چاشنی ہے کہ انسان جتنا بھی اس طرف متوجہ ہوتا ہے، نئے نئے آفاق کھلتے ہیں اور نئی نئی رونقیں اور بہاریں سامنے آتی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا تھا کہ

اَلنَّاسُ عَيَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ

(میزان شعرانی جلد ۱، ص ۶۹، الخیرات الحسان ص ۱۰۳)

مناقب للموفق جلد ۲، ص ۳۱، فتح المنان جلد ۱، ص ۱۱)

سارے لوگ فقہ میں ان کے دست نگر ہیں محتاج ہیں۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ کچھ کھا کے ان کے نعرے بھی لگاتے ہیں اور کچھ چوری چھپے کھاتے ہیں اور سامنے ان پر تنقید کرتے ہیں۔ بہر حال ہر ایک کے پاس آج اسلام کے احکام کا مواد ہے۔

سب سے جامع تو اسی فقہ کی شکل میں ہے جس کو یہ قبولیت نامہ ان مقدس نفوس کی وجہ سے ملی ہے اور بالخصوص حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی فقاہت، آپ کی درایت اور آپ کا تقویٰ، یہ دونوں چیزیں اس میں موجود رہیں اور اس انداز میں دونوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو فوقیت دی۔ جس میدان کے اندر بھی، جس جہت کو بھی دیکھا گیا، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے پیش قدم نظر آئے۔

جائز ہے تو پھر مجھ سے کس بات کی دلیل مانگتے ہو۔علت تو یہی تھی کہ پانی چاندی کے اوپر سے گزر کے آرہا ہے اور اس کی وجہ سے مکروہ ہوتا تھا۔ اگر پانی انگوٹھی سے گزر کے آجائے تو مکروہ نہیں ہوتا تو نیچے والے نقش ونگار سے گزر کر آجائے تو پھر بھی مکروہ نہیں ہوگا۔

فقاہت کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری ایسی کمال درجہ کی ہے کہ اگر مسئلہ لکھتے لکھتے، بحث کرتے کرتے، کوئی بات اٹک گئی ہے تو فوراً اٹھ کے نفل پڑھتے ہیں۔

فرمایا شاید الجھن کسی معصیت کی وجہ سے آ گئی ہو، مسئلہ حل ہوگیا ہے۔

اب یہاں سے کس اونچے مقام کی خبر مل رہی ہے۔ یہ نہیں کہ معاذ اللہ ان کے کوئی گناہ تھے کہ جس کی وجہ سے کوئی الجھن بن گئی ہو، بات اصل میں یہ ہے کہ ایک شیشہ ہوتا ہے عینک کا اور ایک شیشہ ہوتا ہے دروازے کا۔

دروازے پر بڑے بڑے داغ بھی ہوں تو گزارہ ہوتا ہے، عینک پر چھوٹا سا داغ لگ جائے تو پھر بھی شیشہ دھندلا ہو جاتا ہے۔ ہم جیسوں کے ہزاروں بڑے بڑے گناہ ہوتے ہیں مگر ہماری سوچ جس طرح کی ہے اس کو محسوس ہی نہیں ہوتا کہ اس وجہ سے مسئلہ اٹک گیا ہے کہ شیشہ فلاں معصیت کی وجہ سے دھندلا ہو رہا ہے اور وہاں تو معصیت نہیں تھی۔

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

(تفسیر ابن کثیر سورۃ ص زیر آیت ۲۱)

یہ معاملہ تھا کہ شاید کوئی خلاف اولیٰ کام نہ ہوگیا ہو۔

تقویٰ کا معیار اتنا اونچا تھا کہ معمولی سی خلاف اولیٰ بات بھی حجاب بن جاتی تھی، چونکہ وہ حضوری والے تھے لہٰذا فوراً نفل پڑھتے ہیں، اور پھر بندۂ مومن کے دل کی حالت یہ ہے کہ یہ آسمانوں تک دیکھتا ہے۔

ایک مسئلہ اور امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا کمال استدلال

تبیین الحقائق میں یہ بات لکھی ہے کہ جب بغداد شریف میں بہت بڑی فقہی مجلس جاری تھی تو یہ مسئلہ پیش ہوا کہ کیا وہ گلاس کہ جس پر چاندی کے پیوند لگے ہوئے ہوں، چاندی کے نقش و نگار ہوں، کیا اس سے پانی پینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ سب فقہاء نے کہا کہ اس سے پانی پینا ناجائز ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی آپ کے عروج کا زمانہ نہیں تھا۔

سب آپ کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ خاموش ہیں،

آپ کے نزدیک اس کا حکم کیا ہے؟

تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا،

میرے نزدیک نہ مطلقاً مکروہ ہے اور نہ ہی مطلقاً غیر مکروہ، بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز ہے۔ پوچھا گیا وہ کیا صورتیں ہیں؟

فرمایا اگر وہ جگہ جہاں منہ رکھ کے گلاس سے پانی پینا ہے، اس جگہ چاندی لگی ہوئی ہے تو پھر ناجائز ہے۔ اگر نیچے نقش و نگار ہوں، اس جگہ چاندی نہ ہو، گلاس کسی اور چیز کا بنا ہوا ہے، چاندی کے نقش و نگار ہیں لیکن وہ منہ رکھنے کی جگہ نہیں ہے، نیچے کسی جگہ موجود ہے، اس سے کوئی کراہت پانی پینے میں نہیں ہے۔

فقہاء نے پوچھا: دلیل اس کی کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: مجھے یہ تو بتاؤ کہ اگر کسی بندے نے چاندی کی انگوٹھی پہن رکھی ہو اور وہ چلو بھر کے پانی پئے تو پانی پینا اس صورت میں جائز ہے یا ناجائز ہے؟

سب نے کہا کہ جائز ہے، اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندے کے دل پر اگر شیطان کی طرف سے پردہ نہ آجائے تو بندہ آسمانوں کی طرف ملکوت میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ نگاہ جاتی ہے تو کوئی چیز رکاوٹ ہی نہیں بنتی۔ جس وقت الجھن ہوتی ہے، نفل پڑھتے ہیں، وہ الجھن دور ہو جاتی ہے، اس طرح براہ راست ماخذ سے نور لے کر اپنی فقہ حنفی کے گلدستے کو سجا رہے ہیں۔

اس واسطے ہمیں اس بات پہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں یہ سوغات بخشی اور یہ پکی پکائی روٹی ہمیں میسر ہو گئی۔

اب یہ تھوڑی سی کوشش اس کے کھانے کی ہے۔ اگر چہ اس کوشش میں بھی ہم کوتاہی کر رہے ہیں اور ہمارے اندر یہ صلاحیت پیدا نہیں ہو رہی کہ ہم اپنے ان عظیم اماموں کا لکھا ہوا سمجھ سکیں، جنہوں نے جگر پگھلا کے لکھا تھا، آج اس کے سمجھنے کا مسئلہ بن گیا ہے۔

کتابوں کو دیمک چاٹ رہی ہیں اور آج ان کتابوں کو سمجھنے کیلئے کوئی تیار ہی نہیں ہو رہا۔ اس طرح فکری زمینیں بانجھ ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمیں اس بات کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کہ ہم پڑھنے نکلیں تو اتنا پڑھیں کہ جس سے ہمیں ان عظیم اماموں کی بولی سمجھ آجائے اور ان کی کتابوں سے ہماری دوستی بن جائے۔ ہم ان کتابوں کو دیکھیں تو وہ ہمیں پہچان لیں، ہمارا ان سے تعارف ہو جائے۔

آج ان آئمہ کی زبانیں خاموش ہیں، یہ کب بولیں گے، جس وقت آپ کا بیٹا مستند فقیہہ بن جائے گا، اس کی زبان سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بولنا شروع کر دیں گے، جس وقت وہ محدث، مفسر بن جائے گا تو غزالی و بخاری اس کی زبان سے بولنا شروع کر دیں گے۔

لمحہ فکریہ

اس واسطے ہمیں باقاعدہ اس سلسلے میں سوچنا چاہیئے اور اپنی اولاد کو، اپنے آپ کو اس سلسلہ میں وقف کر دینا چاہیئے۔ ایک طائفہ، ایک طبقہ، ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے کہ جو اس فن کے سپیشلسٹ (Specialist) ہوں، پوری طرح ان کو مہارت ہو، جب وہ اپنے اسلاف کا لکھا ہوا جو انہوں نے بڑی محنت اور کوشش سے تیار کیا تھا، ہم اس کو پڑھیں، اس کی سمجھ آ جائے تو جو پکی پکائی میٹھی کھیر ہے ہمیں اس کو چکھنے کی لذت، ذائقہ آ جائے گا، ہماری زبانوں میں ایسے Taste Buds موجود ہوں جو ان کے ذائقے کو محسوس کر سکیں۔

اہل حق اہلسنت و جماعت سے یہ رب کائنات کا وعدہ ہے کہ حق والے غالب رہیں گے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب سیلاب آتا ہے تو اوپر جھاگ ہے، نیچے پانی ہے، نظر جھاگ ہی آتا ہے، پانی نظر نہیں آتا، لیکن بالآخر جھاگ اڑ جاتا ہے اور پانی ہی باقی رہ جاتا ہے۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ

(پارہ ۱۳، سورۃ الرعد، آیت ۱۷)

قرآن کہتا ہے کہ جھاگ اڑ جائے گا اور جو لوگوں کیلئے نفع ہے، جو مفید چیز ہے، وہی باقی رہ جائے گی۔

لہٰذا ہر قسم کا جھاگ ختم ہوگا

خواہ وہ امریکہ کی شیطانیت کا جھاگ ہو

یا وہ اسرائیل کی نحوست کا جھاگ ہو،

وہ یہود و ہنود کے مکروہ حملوں کا جھاگ ہو

یا وہ اسلام کے اندر رہنے والے دوست نما دشمنوں کا جھاگ ہو
وہ بھیڑ نما بھیڑیوں کا جھاگ ہو،
یہ سارے جھاگ بالآخر ختم ہو جائیں گے
اور جو زمین کیلئے مفید ہے وہی حقیقت باقی رہ جائے گی

؎ آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
پھر ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆☆☆☆☆

باب نمبر

10

ہم اہلسنت وجماعت کیوں ہیں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام عَلٰی اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۶)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ الْاَمِیْنُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o

(پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَ عَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِم

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہ واعظم شانہٗ واتم برہانہ، کی حمد وثناء اور حضور پرنور شافع یوم النشور دستگیر جہاں غمگسار زماں سید سروراں احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیۂ درود وسلام عرض کرنے کے بعد

آج کی ہماری گفتگو کا موضوع ہے

''ہم اہلسنت وجماعت کیوں ہیں؟''

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے حق والوں کو یہ مقدس لقب عطا ہوا۔ قیامت کے اس ہولناک منظر میں جب لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، سورج کی تپش سے برا حال ہوگا، اس وقت کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ اگرچہ دنیا میں ان کا رنگ کتنا ہی سفید کیوں نہ ہو مگر ان کے عقیدے کی گندگی ان کے چہروں سے عیاں ہوگی۔

﴿قیامت کے دن اہلسنت کے چہرے روشن﴾

جو لوگ اصول وفروغ کے لحاظ سے اس دنیا میں اہلسنت وجماعت کے ساتھ رہیں گے، ان کے عقیدہ سے انحراف نہیں کریں گے، ان کے متعلق نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے چہرے قیامت کے دن جگمگا رہے ہوں گے، روشن ومنور ہوں گے اور ان کے چہروں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں گی۔

دنیا میں اہلسنت وجماعت کا رنگ خواہ گورا ہو یا کالا، محشر کے میدان میں عقائد حقہ کی چمک، حق کی چمک، دین کا حقیقی وارث ہونے کی وجہ سے جو ان کو عطا کی جائے گی، اس کی وجہ سے وہ سب لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔

یہ چمک دمک کیوں عطا کی جائے گی؟ اس لئے کہ انہوں نے دنیا میں ابتلاء کا دور...... آزمائش کا دور...... مخالفین کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کے خلاف ثابت قدمی کا دور...... اس طرح گزارا کہ

اپنی اس بیش بہا متاع ''عقیدہ'' کو سنبھالے رکھا، ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے عقیدہ کو

بدلا نہیں تو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے چہروں کو منور وتاباں اور نورانی بنا دے گا، نا صرف روز قیامت ان کے چہرے منور وتاباں ہوں گے بلکہ حق کی تازگی دنیا میں بھی ان کے چہروں پر موجود ہوتی ہے۔

﴿اہلسنت وجماعت ہی نجات والے﴾

(دلائل کی روشنی میں) ﴿پہلی دلیل﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ اَهْلِ الْبِدْعِ وَ الضَّلَالَةِ

(تفسیر در منثور، جلد۱، جز دوم ص ۶۳، واللفظ لہ، تفسیر مظہری جلد دوم، ص ۱۱۹، تفسیر قرطبی جلد ۲، حصہ ۴، ص ۱۶۷، تفسیر ابن کثیر جلد۱، ص ۵۸۴، تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۷۱، تفسیر خازن، جلد۱، ص ۳۶۹)

یعنی قیامت کے دن اہلسنت وجماعت کے چہرے روشن ومنور ہوں گے اور ان کے مقابلے میں اہل بدعت، اہل ضلالت کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔

﴿دوسری دلیل﴾ ﴿اس امت کے تہتر فرقے﴾

نبی اکرم نور مجسم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کی جماعت میں تشریف فرما تھے، آپ نے ارشاد فرمایا:

تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ماسوائے ایک کے وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔

اس حدیث شریف میں لفظ امت ہے۔

امت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔امت اجابت ۲۔امت دعوت

امت دعوت...... امت دعوت عام ہے اس میں وہ سب شامل ہیں، جن کو نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ خواہ انہوں نے قبول کیا یا نہ کیا۔ یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو، مشرک، کافر سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت دعوت میں شامل ہیں۔

امت اجابت...... امت اجابت میں وہ ہیں جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام، دین کی دعوت کو سنا اور سن کر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا، اسلام قبول کر لیا، مسلمان ہو گئے، دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کلمہ شریف پڑھ لیا۔

ان کے بارے میں جن پر مومن کا اطلاق ہو جائے گا، ان کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری یہ امت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان کلمہ گو تہتر (73) فرقوں میں سے جنّتی صرف ایک ہے باقی بہتر (72) جہنمی ہے، ان بہتر (72) میں سے کوئی بھی نجات پانے والا نہیں۔

ترمذی شریف کے علاوہ احادیث کی بیسیوں کتب میں یہ حدیث شریف موجود ہے۔

یہ تہتر (73) فرقے امت دعوت کے نہیں کیونکہ امت دعوت کے تو پہلے ہی سے سینکڑوں فرقے موجود تھے۔ یہودیوں کے فرقے ہیں، عیسائیوں کے فرقے ہیں، بت پرستوں، آتش پرستوں کے فرقے ہیں۔

﴿ تیسری دلیل ﴾

﴿فرمان رسول ﷺ (نجات والے کون؟)﴾

لیکن نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فرقوں کے متعلق ارشاد نہیں فرما رہے بلکہ اپنی امت اجابت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اس طرح تہتر (73) فرقوں میں یہ امت اجابت بٹ جائے گی لیکن ان میں سے ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب جہنمی ہوں گے۔

قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آپ سے پوچھا گیا وہ "ملت واحدۃ" جس کے بارے میں آپ نے جنتی ہونے کا ارشاد فرمایا وہ کون سی ہے؟

۞ تو ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَاۤ اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي

جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

یعنی وہ اس راستے پر ہوں گے جو میرا اور میرے صحابہ کا راستہ ہے۔

۞ دوسری روایت جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں فرمایا:

وَهِيَ الْجَمَاعَةُ (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ جلد ۲، ص ۲۷۵)

وہ جماعت ہوگی۔

وہ فرقہ نہیں ہوگا۔

تہتر (73) میں سے جو راہ حق پر ہے، وہ جنتی ہے۔

الْجَمَاعَةُ

ہے، محض فرقہ نہیں ہے۔

وہ جمہور کا مذہب ہے۔
وہ زمانے کے اکثر لوگوں کا مذہب ہے۔

﴿چوتھی دلیل﴾

﴿جماعت پر اللہ تعالی کا ہاتھ﴾

اور دوسری حدیث سے اس کی تائید اس طرح فرمائی:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔
خالق کائنات کا دست قدرت جو اس کی شان کے لائق ہے، جماعت پر ہے۔
اللہ کی تائید جماعت کو حاصل ہے۔
اے میرے صحابہ! جب فتنوں کا دور آ جائے، ہر طرف فتنے ہی فتنے ہوں تو اس وقت جو جماعت کا مذہب ہو اس کی اتباع تم پر لازم ہے۔

﴿پانچویں دلیل﴾

ایک اور انداز دیکھیں کہ جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، جسے علامہ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں روایت کیا ہے۔

وَاَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً، اَلنَّاجِيَةُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ وَ الْبَاقُوْنَ هَلْكٰى

(الملل والنحل جلد ۱، ص ۱۳ طبع بیروت)

حضور نبی اکرم، شفیع معظم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت (اجابت) تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے،

ان میں سے صرف ایک ناجیہ ہوگا۔

نجات پانے والا فرقہ صرف ایک ہوگا۔

قِيْلَ وَ مَنِ النَّاجِيَةُ

حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ نجات پانے والے کون لوگ ہیں؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

ان میں سے جو نجات پانے والے ہیں وہ "اہلسنت و جماعت" ہیں۔

جو سنت والے ہیں، جماعت والے ہیں۔

نجات پانے والا طبقہ، نجات پانے والی جماعت کون ہے؟

"اہلسنت و جماعت"

جن کو عرف عام میں "سُنّی" کہا جاتا ہے۔

﴿چھٹی دلیل﴾

مشہور محدث، فقیہہ، زاہد حضرت علامہ ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین" میں نقل کیا۔ آپ لکھتے ہیں: کہ جب صحابہ کرام نے ان لوگوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ (تنبیہ الغافلین ص ۲۰۱)

وہ "اہلسنت و جماعت" ہیں۔

امام حاکم مستدرک میں اسی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ

(المستدرک للحاکم جلد ۱، ص ۱۲۸)

یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

یہاں تک کہ ہمارے اسلاف کی بیسیوں کتب کے اندر اس لفظ کی واضح طور پر شناخت کی گئی۔

﴿ساتویں دلیل﴾

حضرت امام علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمۃ الباری (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱، ص ۲۰۴) میں فرماتے ہیں:

فَتِلْكَ اثْنَانِ وَ سَبْعُوْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ وَالْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ هُمْ اَهْلِ السُّنَّةِ

پس یہ بہتر فرقے ہیں، کل کے کل دوزخ میں جائیں گے اور نجات پانے والا فرقہ اہلسنت ہے۔

اور مذکورہ بالا حدیث پاک کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

فَلَاشَكَّ وَلَارَيْبَ اَنَّهُمْ هُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱، ص ۲۴۸)

تو اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ جنتی گروہ ''اہلسنت وجماعت'' ہی ہے۔

﴿آٹھویں دلیل﴾

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم حدیث پر سرزمین ہند کو ناز ہے وہ (اشعۃ اللمعات جلد ۱، ص ۱۴۰) میں فرماتے ہیں:

فرقه ناجيه اهل سنت و جماعت اند

ان تہتر (73) فرقوں میں ناجیہ (نجات پانے والی) جماعت ''اہلسنت و جماعت'' ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی (حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ) جنہوں نے سرزمین ہند میں اکبر بادشاہ کے دین الٰہی اور ہندوؤں کی سازشوں کے خلاف جہاد کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کے جھنڈے سربلند کئے، وہ ارشاد فرماتے ہیں:

طَرِیْقَةُ النَّجَاةِ مُتَابَعَةُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ كَثَّرَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِی الْاَقْوَالِ وَ الْاَفْعَالِ وَ فِی الْاُصُوْلِ وَ الْفُرُوْعِ

(دفتر اول، مکتوب نمبر ٦٩)

''نجات کا راستہ اہلسنت و جماعت (اللہ سبحانہ انہیں زیادہ کرے) کے اقوال، افعال، اصول اور فروع میں اتباع پر ہے''۔

نجات کا مدار جس مسلک پر ہے وہ ''اہلسنت و جماعت'' کا مسلک ہے۔

اہلسنت کی اتباع تم پر

اقوال میں بھی لازم ہے۔

افعال میں بھی لازم ہے۔

اصول میں بھی لازم ہے

فروع میں بھی لازم ہے۔

یہاں تک کہ فرماتے ہیں:

اِنَّهُمُ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ (دفتر اول، مکتوب نمبر ٦٩)

یاد رکھنا جن کے بارے میں نجات کا اعلان کیا گیا ہے وہ اہلسنت و جماعت ہی ہیں۔

وَمَا سِوَاهُمْ مِنَ الْفِرَقِ فَهُمْ فِیْ مَعْرَضِ الزَّوَالِ وَ شَرَفِ الْهَلَاكِ

(دفتر اول، مکتوب نمبر ٦٩)

ان کے علاوہ جتنے بھی فرقے ہیں وہ مقام زوال پر ہیں اور ہلاکت کے کنارے

پر کھڑے ہیں۔ آگے فرمایا:

عَلِمَهٗ الْيَوْمَ اَحَدٌ اَوْلَمْ يَعْلَمْ اَمَّا فِي الْغَدِ فَيَعْلَمُهٗ كُلُّ اَحَدٍ

آج کوئی اس بات کو جانتا ہے یا نہیں لیکن کل ضرور جان جائیں گے۔

کہ "اہلسنت و جماعت" مدار نجات ہے۔

اہلسنت و جماعت مدار یقین ہے۔

اہلسنت و جماعت مدار ایمان ہے۔

اہلسنت ہی حق والے ہیں۔

اہلسنت ہی نجات والے ہیں۔

وَلَا يَنْفَعُ

لیکن کل جب وہ مانیں گے تو ان کا یہ ماننا ان کو کام نہیں آئے گا، ان کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

قیامت کے دن تو ہر چیز واضح ہو کر سامنے آجائے گی، ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ اللہ کی بارگاہ میں جب حاضر ہوگا تو اس وقت اگر یہ کہے کہ میں ایمان لے آتا ہوں تو اس وقت یہ ایمان لانا، تسلیم کرنا فائدہ نہیں دے گا۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں وقت سے پہلے ہی لوگوں کو بتا رہا ہوں، خبردار کر رہا ہوں کہ اگر نجات چاہتے ہو تو "اہلسنت و جماعت" کے ساتھ پختگی سے منسلک ہو جاؤ، ورنہ کل کو تو سب مان جائیں گے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

اهلسنت و جماعت كه فرقه ناجيه اند و نجات بے اتباع ايں بزرگواراں متصور نيست و اگر سر مو مخالف است خطر

در خطر است۔ (دفتر اول مکتوب ۵۹)

نجات پانے والی جماعت، اہلسنت جماعت ہے، ان کے اکابرین، علماء کرام کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، اگر ان سے بال برابر بھی مخالف کی تب بھی خطرہ ہی خطرہ ہے۔

آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فرض نخستین بر عقلاء تصحیح عقائد است بموجب آرائے صائبہ اہلسنت و جماعت شکر اللہ سعیہم کہ فرقہ ناجیہ اند۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

عقل مندوں پر اولین فرض یہ ہے کہ وہ اہلسنت و جماعت کی درست آراء کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ یہ نجات پانے والا گروہ ہے۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عقائدِ اہلسنت پہ وصال کی دعا

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اہلسنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنے اور اسی گروہ میں حشر ہونے کی دعا ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰی مُعْتَقَدَاتِ اَھْلِ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ اَمِتْنَا فِیْ زُمْرَتِھِمْ وَاحْشُرْنَا مَعَھُمْ (دفتر دوم، مکتوبات ۶۷)

یا اللہ عزوجل! ہمیں اہلسنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھنا

یا اللہ عزوجل! ہمیں اہلسنت و جماعت کے گروہ میں وفات دینا

اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر کرنا۔

نویں دلیل

یہاں تک کہ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ اور عقیدہ واسطیہ میں اقرار کیا ہے کہ نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کے بارے میں نجات کا اعلان

فرمایا ہے، وہ جماعت اہلسنت وجماعت ہے۔

اَلْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ بِاَنَّهَا اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد سوم، ص ۳۴۵)

یعنی نجات پانے والی جماعت "اہلسنت وجماعت" ہے۔

اور عقیدہ واسطیہ میں لکھتا ہے:

اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَنَّ اُمَّتَهٗ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّ سَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً وَ هِيَ الْجَمَاعَةُ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خبر دی ہے کہ [illegible] امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ (دوزخ سے نجات پانے والا گروہ) جماعت (اہلسنت) ہے۔ (العقیدہ الواسطیہ ص ۲۶، طبع لاہور)

دسویں دلیل

اور حضور غوث اعظم شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب "غنیۃ الطالبین" میں ہے:

وَاَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ فَهِيَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

(الغنیۃ الطالبین اول ص ۸۵)

اور جو فرقہ نجات پانے والا ہے وہ "اہلسنت وجماعت" ہے۔

اب اہلسنت وجماعت کے اندر جو لفظ سنت استعمال ہوا ہے اس میں بڑی معنویت ہے۔

اس میں بڑی قابل غور باتیں ہیں۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اہلسنت کہا گیا، اہل قرآن نہیں حالانکہ قرآن تو سنت سے پہلے ہے اور اہلسنت کہا گیا، اہل فرض نہیں حالانکہ فرض تو سنت سے ضروری ہے۔

لہٰذا ہمارا نام بن جاتا.....اہل قرآن و جماعت

لہٰذا ہمارا نام بن جاتا.....اہل فرض و جماعت

لیکن یہ نام نہ رکھے گئے

یہ ٹھیک ہے کہ جس وقت تقابل ہو رہا ہو کہ

فلاں اہل تورات ہے۔

فلاں اہل انجیل ہے۔

اس وقت مقابلے میں ہم کہیں گے کہ

ہم اہل قرآن ہیں

لیکن مسلمانوں کے اندر جو ایک فرقہ ''اہل قرآن'' پیدا ہو گیا ہے، جنہوں نے حدیث شریف کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں، کسی سنت کی ضرورت نہیں، وہ معجزات کے انکاری ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اور بھی بہت سی گمراہیاں گھڑ لیں اور آج تک اس گمراہی کی وادی میں بھٹک رہے ہیں، ان کا نجات والی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجات کا جو عنوان ٹھہرایا

اور آپکے صحابہ کرام، تابعین عظام، اس امت کے راست فکر لوگ، راست فکر محدثین، مفکرین اور اسکالرز حضرات نے جس کو نجات کا عنوان سمجھا، وہ عنوان ''اہلسنت وجماعت'' ہے نہ کہ اہل قرآن و جماعت اور نہ ہی اہل فرض و جماعت ہے۔

قرآن مجید میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

(پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۸۹)

مگر اس کو واضح سنت نے کیا ہے اور حدیث شریف نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا دعویٰ

(ہر سوال کا جواب قرآن سے)

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے "کتاب الام" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جو بھی مسئلہ مجھ سے پوچھو گے، میں اس کا جواب قرآن مجید، فرقان حمید سے پیش کروں گا۔

کسی نے پوچھا کہ حالت احرام میں اگر کوئی بھڑ کو مار دے تو قرآن مجید فرقان حمید میں اس کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں میں اس کا جواب قرآن مجید فرقان حمید سے پیش کرتا ہوں۔ قرآن مجید فرقان حمید میں حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

(پارہ ۲۸، سورۃ الحشر، آیت ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں، باز رہو اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

تم پر میری سنت بھی لازم ہے اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع بھی لازم ہے۔

اور خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ

نے اس پر "دم" لاگو نہ ہونے کا فرمایا تھا، لہٰذا میں کہتا ہوں کہ اگر چہ یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے لیکن ان کی زبان کو سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان نے تائید بخشی ہے اور سرکار ابد قرار کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی تاکید قرآن مجید فرقان حمید میں کی گئی ہے۔ اس طرح میں یہ جو مسئلہ بیان کر رہا ہوں وہ قرآن مجید کی آیت سے ہی کر رہا ہوں۔

یہی انداز ہمارے دوسرے صحابہ کرام کا رہا۔

یہی انداز ہمارے اسلاف اہلسنت و جماعت کا رہا۔

لہٰذا واضح ہوا کہ قرآن مجید فرقان حمید کی شرح کا نام سنت ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید کی اولین تفسیر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

لہٰذا اگر قرآن مجید فرقان حمید پر ہی اکتفا ہوتا تو

اہل قرآن کہا جاتا اور اہلسنت نہ کہا جاتا۔

جس طرح اب گمراہ لوگ کہتے ہیں اسی طرح پہلے بھی ایسے لوگ ہوئے جو کہتے رہے کہ قرآن ہی کافی ہے، سنت کی ضرورت ہی نہیں۔

حالانکہ قرآن مجید میں نہ تو نماز کے اوقات کی تفصیل ہے اور نہ ہی رکعات نماز کی تفصیل ہے۔ اگر چہ اشارات موجود ہیں لیکن واضح بیان نہیں۔

سنتوں میں جو روشنی ملتی ہے اس کا منبع، اس کی اصل قرآن ہی ہے۔

قرآن متن ہے اور سنت میں جو کچھ آرہا ہے وہ اس کی شرح ہے۔

سنت میں سب کچھ آرہا ہے۔

جو سنت کو مانے گا وہ قرآن مجید کو بطریق اولیٰ مانے گا۔

جو سنت کا متبع ہے وہ قرآن مجید کا بطریق اولیٰ متبع ہے۔

جو سنت کا عامل ہے وہ قرآن مجید کا بطریق اولیٰ عامل ہے۔

یہ قرآن مجید فرقانِ حمید کا نور ہی ہے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جلوہ گر ہے۔ مگر سنت قرآن مجید کی شرح ہونے کے لحاظ سے یہ شرح، سنت اور متن یعنی قرآن مجید کی تعلیمات کو بھی شامل ہے۔

حقیقی متن قرآن مجید ہے اور تفاسیر کے لحاظ سے جو ذخیرہ جمع ہوا، وہ حدیث شریف کا ہے۔ لہٰذا تفاصیل پر مشتمل سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنایا گیا۔

فرمایا کہ وہ نجات پانے والے کون ہیں؟

اَہْلُ السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ

اہلسنت و جماعت کون ہیں؟

وہ جو قرآن مجید فرقان حمید کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے بیان کی ہوئی تفصیل کو بھی نہ چھوڑے۔

جب وہ اس تفصیل کو نہیں چھوڑیں گے تو متن کو تو بطریق اولیٰ نہیں چھوڑیں گے۔

دوسرے عنوانات میں احتمال تھا کہ متن کی پابندی کروالی جاتی اور متن کے نیچے اس کی شرح کو غیر ضروری سمجھ کے چھوڑ دیا جاتا لیکن اہلسنت و جماعت کا عنوان اتنا جامعیت کا حامل ہے کہ اس نے اس احتمال کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا۔

یہ اہلسنت و جماعت اتنے محبّ ہیں، اتنے دیوانے ہیں کہ یہ تو وحی متلو تو متلو رہی غیر متلو (جس کی تلاوت کی جائے)، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نکلنے والے الفاظ جس کو سنت کہا جاتا ہے، اس کو بھی بڑا ضروری سمجھتے ہیں۔

﴿ہم اہل فرض کیوں نہیں؟﴾

اب آپ پر واضح ہوگا کہ اہل فرض و جماعت کیوں نہیں کہا گیا۔

جو فرض ہیں وہ واجب نہیں

جو واجب ہیں وہ سنت نہیں

لیکن سنت، واجب کو بھی شامل ہے اور فرض کو بھی شامل ہے۔

سنت کی تعریف:

سنت کی تعریف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللمعات" میں کی ہے اور سارے محدثین اور اصولیین کے نزدیک یہ تعریف صحیح ہے کہ

اَلطَّرِيْقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ فِي الدِّيْنِ ۔ (لمعات ۱/۲۳۳)

سنت دستور کو کہتے ہیں۔

سنت دین میں وہ رائج العمل دستور ہے جو سرکار نے اپنی امت کیلئے چھوڑا۔

یعنی تم نے ہر وہ کام کرنا ہے جو سنت ہے۔

یعنی دین میں چلنے کا طریقہ سنت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب آیت ۳۸)

اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے۔

تم سے جو پہلے لوگ گزر چکے ہیں ان کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت، تو اس میں سنت کا لفظ استعمال کیا گیا، فرض کا نہیں۔

لہٰذا سنت فرض کو بھی شامل ہے۔

جب امتیں بگڑ جاتیں تو ان بگڑی ہوئی امتوں کو درست کرنے کا دستور

اللہ کا دستور..... اللہ کا طریقہ...... اللہ کی سنت

اس دستور کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سنت سے تعبیر فرمایا ہے۔

سنت کی تعریف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالسُّنَّةِ الطَّرِيْقَةُ الْمَسْلُوْكَةُ فِي الدِّيْنِ وَ شَرَائِعُ الْاِسْلَامِ وَلَوْ كَانَتْ فَرْضًا اَوْ وَاجِبًا۔ (لمعات ۱/۲۳۳)

یعنی دین کے طریقہ کو سنت کہا جاتا ہے خواہ وہ فرض ہو یا واجب

لہٰذا سنت میں فرض وواجب بھی شامل ہے۔

فرض وواجب سنت کو شامل نہیں۔

اس سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ عموم کے لحاظ سے جب ہمیں اہلسنت کہا گیا تو کتنا جامع عنوان بنا۔

اہلسنت وجماعت...... یہ وہ جماعت ہے جو سرکار کی ہر ادا کی پابندی کرتی ہے۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کو فرض قرار دیا ان کی پابندی کرتی ہے

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن کو واجب قرار دیا ان کی پابندی کرتی ہے

اور سرکار کی ہر ہر ادا کی دل وجان سے پابندی کرتی ہے۔

حضرت شیخ کے فرمان سے واضح ہے کہ سنت دین کی راہ کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ کام اپنی حیثیت میں فرض ہے یا واجب اور اس کو سنت اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک طریقہ ہے جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کیلئے پسند فرمایا۔

ہم نماز پڑھ رہے ہیں تو نماز کا ایک طریقہ ہے۔

ہم روزہ رکھ رہے ہیں تو روزہ رکھنے کا ایک طریقہ ہے۔

ہم جہاد کر رہے ہیں تو جہاد کا ایک طریقہ ہے۔

جس طریقے کو سرکار نے اپنی امت کیلئے پسند فرمایا وہ سنت ہے۔

اگرچہ وہ طریقہ اپنی حیثیت میں فرض ہے یا واجب ہے،

لیکن دین کی راہ ہونے کے لحاظ سے اس پر سنت کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔
لہٰذا ہمیں کیا جامع عنوان عنایت فرمایا گیا!
''اہلسنت و جماعت''
وہ جماعت جو فرض، واجب، یہاں تک کہ سنت کو بھی ادا کرتی ہے۔
لہٰذا یہ جامع لقب جو نجات پانے والی جماعت کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منتخب فرمایا، اس پر اللہ کے فضل و کرم سے قائم ہے اور اس کی تمام خوبیوں اور صفات کی حامل ہے۔

﴿ہم اہلحدیث کیوں نہیں؟﴾

❁ اب دوسرے پہلو سے دیکھیں کہ ہمیں اہلسنت فرمایا، اہلحدیث نہیں فرمایا۔
مسلمان عامل سنت تو ہو سکتا ہے، عامل حدیث نہیں ہو سکتا۔
کیوں؟
اس لئے کہ سنت وہ طریقہ ہے جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کیلئے پسند فرمایا اور حدیث میں تو کئی احتمال ہیں۔
❁ حدیث تو وہ بھی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں ایک وقت میں نو (۹) ازواج کے ہونے کا ذکر ہے۔
❁ حدیث تو وہ بھی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے تہجد فرض ہونے کا ذکر ہے۔
❁ حدیث تو وہ بھی ہے جس میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صوم وصال کا ذکر ہے۔

- احادیث میں پہلی امتوں کے احکام کا بھی ذکر ہے۔
- احادیث میں تو ان باتوں کا ذکر ہے جو ابتداء اسلام میں تھیں لیکن بعد میں منسوخ قرار دے دی گئیں۔
- احادیث میں تو ان باتوں کا بھی ذکر ہے جو سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہیں۔
- احادیث میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو سرکار نے کسی کے ساتھ خاص فرمائیں

المختصر بندہ کامل طور پر عامل حدیث تو بن ہی نہیں سکتا۔

کچھ احادیث پر عمل کر کے تو بندہ فاسق بھی ہو سکتا ہے۔

لیکن سنت وہ ہے جو سرکار نے اپنی امت کیلئے عمل کا راستہ بتایا ہے۔

سنت وہ ہے جو سرکار نے دین میں چلنے کی راہ بتائی ہے۔

لوگوں کو چلنے کیلئے، دین پر عمل پیرا ہونے کیلئے جو دستور عنایت فرمایا ہے وہ سنت ہے۔

- وہ بڑا خوش قسمت ہے جو عامل سنت ہے۔ کیسے؟

بخاری شریف (کتاب الطب باب الدواء بابوال الابل) میں حدیث ہے۔

سرکار نے کچھ لوگوں کو اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا فرمایا۔

اب یہ حدیث شریف ہے مگر ہم سے اس عمل کا تقاضا نہیں کرتی کہ ہم بول پئیں۔ یہ حدیث ہے، سنت اور چیز ہے۔ حدیث میں منسوخ بھی آ جائے گا۔

- حدیث میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔

بخاری شریف کتاب النکاح میں ایک وقت میں آپ کی نو (۹) ازواج مطہرات کا ذکر ہے۔

- حدیث میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو سرکار نے کسی کیلئے خاص کیں۔

بخاری شریف (کتاب الصوم باب اِذَا جَامَعَ فِیْ رَمَضَانَ وَ لَمْ یَکُنْ لَہٗ شَیْءٌ فَتُصَدِّقَ عَلَیْہِ

فَلْيَكْفِرُو) میں حدیث شریف موجود ہے کہ ایک صحابی کے رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے جماع کرنے پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پاس سے کھجوریں دے کر فرمارہے ہیں کہ یہ تم خود کھالو اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو اس سے تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

❁ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی اکیلی گواہی کو دو کے برابر قرار دیتے ہیں۔

یہ حدیث تو ہے مگر سنت نہیں ہے۔

حدیث اور چیز ہے، سنت اور چیز ہے۔

اب کوئی فرقہ اپنے فرقے کا، اپنے مسلک کا عملی نام، اہلحدیث رکھ لے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ بندہ عامل بالسنۃ تو ہو سکتا ہے، عامل بالحدیث ہو ہی نہیں سکتا۔ کبھی بھی، کسی بھی دور میں، مسلمانوں کے کسی طبقہ نے فرقے کے طور پر، مسلک کے طور پر اپنا نام اہلحدیث نہیں رکھا، کتابوں میں جو لفظ اہلحدیث ملتا ہے تو وہ اہلسنت کے ایک ڈیپارٹمنٹ (Department) کا نام ہے۔

﴿اہلسنت کے مختلف شعبے﴾

اہلسنت ایک سکول آف تھاٹ (School of Thought) ہے جس کے بہت سے شعبے ہیں، ڈیپارٹمنٹس ہیں جیسے اہل صرف، اہل نحو، اہل تجوید، اہل فقہ، اہلحدیث وغیرہ وغیرہ۔

یہ اہلسنت کے شعبوں کی علماء کے لحاظ سے تقسیم ہے۔

جو صرف میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اہل صرف کہا جاتا ہے۔

جو نحو میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اہل نحو کہا جاتا ہے۔

جو تفسیر میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اہل تفسیر کہا جاتا ہے۔

جو فقہ میں مہارت رکھتے ہیں ان کو اہل فقہ کہا جاتا ہے، ان کا کام احادیث میں غور وخوض کر کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔

اور وہ جن کا کام صبح، شام حدیث پڑھنا، پڑھانا ہے ان کو اہلحدیث کہا جاتا ہے۔

یعنی یہ علماء کی جماعتوں کے عملی نام ہیں، علماء کے شعبوں کے نام ہیں۔

کبھی بھی، کسی بھی دور میں

مسلک کے لحاظ سے..... فرقے کے لحاظ سے..... عمل کے لحاظ سے

اہلحدیث کسی نے نہیں کہلوایا۔

کوئی جاہل مطلق ہو اور اہلحدیث کہلوائے، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

شعبے جدا جدا ہیں تو ڈگریاں بھی جدا جدا ہیں، ان شعبوں میں تخصص جدا جدا ہے، کچھ کا کام دن رات، صرف ونحو کی خدمت کرنا ہے۔

کچھ کا کام دن رات، تفسیر کی خدمت سرانجام دینا ہے۔

کچھ کا کام دن رات، حدیث کی خدمت سرانجام دینا ہے۔

کچھ کو اصحاب حدیث، اہلحدیث کہا جاتا ہے۔

کچھ کو اہل فقہ کہتے ہیں۔

اہلحدیث اسے کہا جاتا ہے جو زندگی کا ایک حصہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے میں گزارتا ہے۔ حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے لحاظ سے، خدمت حدیث کرنے کے لحاظ سے، ان کو اہلحدیث کا لقب ملا۔

اب وہ جو احادیث کی مختلف قسموں کے نام بھی نہ جانتا ہو۔ حدیث کا متن تک نہ پڑھ سکتا ہو، جسے چند احادیث کی سندیں تک یاد نہ ہوں اور وہ جو سارا دن دکان، ریڑھی وغیرہ پر بیٹھا رہے اور کاروباری باتیں کرتا رہے وہ بھی اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوائے؟

یادرکھیں اہلحدیث کوئی عوامی (یعنی علماء کے علاوہ عامۃ الناس کا) نام نہیں ہے۔
یادرکھیں عوامی نام اہلسنت ہے۔
یادرکھیں نجات پانے والی جماعت کا نام اہلسنت ہے۔
اصحاب حدیث، ماہرین تفسیر، اہل فقہ اور دوسرے تمام شعبوں اوران کے ماہرین کی جماعت کا نام اہلسنت و جماعت ہے۔
یہ میرا پکا و پختہ دعویٰ ہے کہ اہلحدیث عملی نام ہے، یہ کسی کا عوامی، مسلکی نام کسی دور میں نہیں رہا، عوام میں کسی کو اہلحدیث نہیں کہا گیا، ان کو کہا گیا جو حدیث کی خدمت کرنے والے تھے اور مسلکاً اہلسنت تھے۔
یہ ہمارے اہلسنت اسلاف سے کتنی بڑی زیادتی ہے کہ جس کو چند احادیث بھی یادنہیں، جس کو چند احادیث کی سندیں بھی یادنہیں، جس کو احادیث کی قسمیں اور نام بھی معلوم نہیں، ان کو اہلحدیث کہا جارہا ہے۔
یادرکھیں، ہمارا اہل حق کا نام، اہل جنت جماعت کا نام، ہمارا عمومی نام، ہماری پہچان اہلسنت ہے۔ اہلسنت نام عمل کرنے کے لحاظ سے دیا گیا۔
عمل کرنے کے لحاظ سے جو چیز دی گئی وہ سنت ہے، حدیث نہیں ہے۔
حدیث کو پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، جاننے کا حکم دیا گیا ہے کہ علماء کے علم میں وہ بھی ہو، اور سنت وہ ہے جس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔
سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تو فرمایا ہے کہ:

فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص ۲۹ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جس نے میری سنت سے روگردانی (اعراض کیا) وہ مجھ سے نہیں۔

سنت پہ عمل کا حکم

تو رسول اللہ ﷺ نے سنت کا فرمایا ہے حدیث کا نہیں کیونکہ حدیث تو بول چینے والی بھی ہے لیکن ہم اس سے اعراض کرتے ہیں

کیونکہ یہ ان کا حصہ تھا ہمارا حصہ نہیں۔ سرکار نے ان کیلئے فرمایا تھا:

ایسے ہی فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ

تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے

سنت پہ عمل کرنے کا اجر و ثواب

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحْيىٰ سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جس نے میری ایسی سنت کو زندہ کیا جس پر میرے بعد عمل چھوڑ دیا گیا ہو۔

فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا (مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا اور اس عمل کرنے والے کے اجر میں اللہ تعالیٰ کمی نہیں کرے گا۔

اگر چہ وہ کروڑ آدمی ہیں، ان کروڑ میں سے ہر ایک کو جتنا اجر مل رہا ہے ان سب کے برابر یعنی مجموعی طور پر کروڑ کے برابر ثواب اس کو بھی مل رہا ہے۔ اس لئے کہ اس کی قربانی بڑی ہے، اس نے سنت کو زندہ کیا ہے۔

حدیث کو زندہ کرنے والے کے بارے میں نہیں بلکہ عمل کے لحاظ سے سنت کو

زندہ کرنے والے کے بارے میں ہے۔

حدیث اگرچہ منسوخ ہو چکی ہو ہم اس کو پڑھنا عبادت سمجھتے ہیں۔

کیونکہ وہ الفاظ جو سرکار کی زبان سے نکلے، ان کو یاد کرنا، ان کو پڑھنا، ان کو سمجھنا، ان کی تقدیس اور احترام کرنا، یہ ہم پر ضروری ہے مگر عمل کیلئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سبق ہم کو دیا وہ سنت ہے۔ اسی لئے سرکار نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِی کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جس نے میری سنت کو دوست رکھا، اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے میرے ساتھ دوستی کی وہ جنت میں ہوگا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فِسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جس نے میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے پکڑا اس کیلئے سو شہیدوں کے برابر اجر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

تَرَكْتُ فِیْكُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِهٖ (مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۱ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں پر عامل رہو گے گمراہ نہ ہو گے، وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔

یہ اہلسنت و جماعت کے ساتھ ڈیڑھ اینٹ کی اہلحدیث جماعت کھڑی کرنا، پوری تاریخ اسلام کے ساتھ زیادتی ہے کیونکہ پوری تاریخ اسلام میں عمل کے لحاظ سے کہیں بھی اہلحدیث فرقے کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اسلامی فرقوں میں نجات والے کون ہیں؟

"اہلسنت و جماعت"

سنت والے اور جماعت والے

کون سی جماعت؟

صحابہ کرام کی جماعت

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا (پارہ ۱، سورۃ البقرہ، آیت ۱۳)

اور جب ان سے کہا جائے، ایمان لاؤ

کس طرح؟

كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ

جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں۔

جس طرح وہ لوگ ایمان لائے جو سرکار کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔

صحابہ کرام کو معیار حق بنایا گیا ہے۔

یہ اہلسنت ہیں اور یہ ایسے سنت والے ہیں کہ ان کے درمیان صحابہ کی جماعت کا وسیلہ بھی ہے، جن کے ایمان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے معیار بنایا ہے، یہ انہیں کے ایمان پر ہیں، یہ انہیں کی سنت پر ہیں، یہ انہیں کے طریقہ پر ہیں۔

سوادِ اعظم کی اتباع کامیابی کی ضمانت

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامَ مِنْ عُنُقِهٖ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۱ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جو جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَ الْعَامَّةِ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۱ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

جماعت اور مجمع کے ساتھ رہو

ایک اور حدیث میں ہے:

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۱ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

سواد اعظم (بڑی جماعت) کی پیروی کرو اور بے شک جس نے سواد اعظم کو چھوڑا وہ تنہا ہی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ دوسری فصل ص ۳۰ سعید ایچ ایم کمپنی کراچی)

اللہ کا دست قدرت جماعت پر ہوتا ہے، اور جو جماعت سے جدا ہو گیا وہ تنہا ہی آگ میں ڈالا جائے گا۔

تاریخ اسلام میں پیدا ہونے والے فتنے

نو مولود فرقہ اہلحدیث کو پہچانیں۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام بیس رکعات تراویح ادا کرتے رہے۔ تقریباً چودہ سو سال کی تاریخ میں کسی مسجد میں آٹھ رکعات تراویح ادا نہ کی گئیں۔ اب جماعت کے طریقہ کو چھوڑ کر ان نام نہاد اہلحدیث حضرات نے نیا طریقہ ایجاد کیا۔

ابن تیمیہ کے وجود نامسعود کے ظہور سے پہلے نور تک تمام امت مسلمہ، ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتی رہی، اب انہوں نے جماعت کے طریقہ کو چھوڑ کر اپنا

طریقہ جاری کیا۔

خلفاء راشدین میں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان ثانی کا اہتمام فرمایا اور تمام عالم اسلام میں یہ طریقہ جاری وساری رہا۔ اب جماعت کے طریقہ کے خلاف طریقہ جاری کیا جارہا ہے۔

تمام اہل اسلام خوارج کو گمراہ، بے دین قرار دیتے رہے، اب خوارج کے عقائد کو حق ثابت کیا جاتا ہے۔

تمام اہل اسلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اب دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اللہ چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کردے۔ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ خود آخری نبی ہونا بیان فرما کے اور محمد (ﷺ) پیدا کرے گا (معاذ اللہ)

کیا اللہ جھوٹ بولتا ہے؟

لیکن اب دعویٰ کیا جارہا ہے کہ اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔

اسی طرح کی سینکڑوں مثالیں اور مسئلے موجود ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنتی گروہ جس کو قرار دیا ہے وہ ہم ہیں ''اہلسنت وجماعت''

نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہوا دین اسلام کا وہ طریقہ ہے جو

اقوال وافعال کے لحاظ سے — عبادت ومعاملات کے لحاظ سے

عقائد واعمال کے لحاظ سے — اصول وفروع کے لحاظ سے

سارے کا سارا سنت ہے

اور اس کو صحابہ کی روایت سے سرٹیفکیٹ بھی حاصل ہے۔

ہم اہلسنت وجماعت ہیں کیونکہ صحابہ کرام کی جماعت نے نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو طریقہ آگے روایت کیا ہے ہم اسی طریقہ پر قائم رہنے والے ہیں۔

سُنّی کہلوانا کیوں ضروری؟

اب اس مقام پر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں بلکہ ہمارے اپنے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا مسلمان کہلوانا کافی نہیں ہے؟

یہ ہمارا سنی کہلوانا کیوں ضروری ہے؟

سمپل مسلم (Simple Muslim) ہونا کافی ہے پھر ہمیں یہ سنی کہلوانے کی کیا ضرورت ہے؟

میری بات کان لگا کر غور سے سننا

ایک تو ہے اقوام عالم کے مقابلے میں اپنے آپ کو بطور مسلم پیش کرنا۔

تو کافروں، یہودیوں، عیسائیوں کے مقابلے میں جب ہم اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں تو بطور مسلمان ہی پیش کرتے ہیں، وہاں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اہلسنت و جماعت ہیں۔

مسلمانوں میں متعدد فرقوں کا ظہور

دوسرے نمبر پر مسلمان فرقوں میں اپنے آپ کو اہلسنت و جماعت پیش کرنے کی جو وجوہات ہیں۔ وہ میں نے اوپر بھی بیان کی ہیں۔ ان کی مختصر تفصیل تاریخی حوالہ سے پیش کرتا ہوں۔

فرقہ مجسمہ اور اسکا عقیدہ

❁ مسلمانوں میں جب تفرقہ بازی شروع ہوئی تو کچھ لوگ تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسم من الاجسام ہے۔ یہ فرقہ مجسمہ کہلایا۔

یہ فرقہ جسم من الاجسام کا عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اجسام میں سے ایک جسم ہے اور وہ عرش کے اوپر بیٹھا ہوا ہے، جس طرح کہ آج کے بھی کئی بے لگام لوگ اس طرح کی باتیں کر جاتے ہیں اور استواء علی العرش کو پیش کرتے ہیں۔

یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرش پر استواء فرمایا ہے۔

یہ تو متشابہات میں سے ہے، یہ استواء تو اس کی شان کے لائق ہے، ہمیں تو معلوم نہیں کہ یہ کس طرح کا استواء ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عرش پر بیٹھ گیا۔

عرش تو محدود ہے اور جو محدود میں ہو تو وہ بھی محدود ہی ہوتا ہے اور جو محدود ہو اس کا جسم ہوتا ہے اور جس کا جسم ہو اس کی شکل ہوتی ہے، جس کی شکل ہو وہ فانی ہوتا ہے جو فانی ہو وہ حادث ہوتا ہے جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہوتا۔

میری شارجہ میں اسی موضوع پر بحث ہوئی تھی اور میں نے پوری طرح آیات سے ان لوگوں کو جواب دیا تھا۔

یہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ پہلے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرتے تھے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عرش پر بیٹھتا ہے تو عرش چڑچڑاتا ہے۔ اللہ نے عرش پر قرار پکڑا ہوا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پارہ ۸، سورہ الاعراف، ایت ۵۴)

اللہ نے عرش پر استواء فرمایا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

ہم کوئی ایسا معنیٰ نہیں کریں گے جس سے اللہ کا جسم ہونا لازم آئے

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جہت نہیں، اس کی کوئی شکل نہیں اس کا کوئی جسم نہیں، کیونکہ یہ ساری چیزیں حادث کی ہوتی ہیں۔ اللہ ازلی، ابدی غیر فانی ہے، اس پر کبھی فنا نہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کے اندر ایک فرقہ پیدا ہوا جنہوں نے کہا

اللہ جسم من الاجسام ہے۔

ان کو تشبیہ کہا گیا۔

فرقہ معطلہ اور اسکا عقیدہ

ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا جسے معطلہ کہتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ معطل ہو چکا ہے۔ (معاذ اللہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتدائی طور پر چند چیزیں پیدا فرمائیں اس کے بعد وہ فارغ بیٹھا ہے۔ اس نے اوروں کے ذمہ کام لگا دیئے ہیں۔

یہ پرانے فلسفیوں کے مذہب سے نکلا ہوا مذہب تھا۔

پرانے حکماء کا نظریہ تھا کہ اللہ نے پہلے عقل اول کو پیدا کیا۔

عقل اول نے فلک اول اور عقل ثانی کو پیدا کیا۔

عقل ثانی نے فلک ثانی اور عقل ثالث کو پیدا کیا۔

اس طرح پیدا کرتے کرتے نو افلاک اور دسویں عقل پیدا ہو گئی۔

باقی ساری مخلوق کو اس دسویں عقل نے پیدا کیا ہے۔

باقی ساری چیزیں آگے عقل پیدا کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ دسویں عقل، عقل عاشر تک پیدا ہو گئی ہے اور پوری کائنات کا نظام وہ عقل عاشر چلا رہی ہے۔ آگے کسی کے چلانے کی ضرورت نہیں، اللہ تو معطل ہو چکا ہے، بالکل فارغ بیٹھا ہے یہ کون لوگ تھے؟

یہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والے لوگ تھے۔

اہلسنت وجماعت نے تشبیہ کا بھی رد فرمایا اور معطلہ کا بھی رد فرمایا۔ وہ اپنے عقائد پر جو صحابہ کی جماعت سے انہیں ملے تھے انہیں پر قائم ودائم رہے۔

فرقہ جبریہ اور اسکا عقیدہ

ایک فرقہ جبریہ کا پیدا ہوا، جو کہنے لگے کہ انسان مجبور ہے، پتھر کی طرح ہے، اس کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

کیونکہ اسے کسی کام کے کرنے کی طاقت ہے، نہ اختیار ہے، یہ مجبور محض ہے، یہ جب کر ہی کچھ نہیں سکتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے سزا کس بات کی دے گا؟

فرقہ قدریہ اور اسکا عقیدہ

جبریہ کے مقابلے میں ایک دوسرا فرقہ پیدا ہو گیا جو قدریہ کہلوایا۔ انہوں نے کہا کہ انسان مجبور محض نہیں بلکہ قادر مطلق ہے، یہ اپنے افعال کا خالق خود ہے، یہ خود سے اپنے افعال کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

اہلسنت وجماعت نہ جبریہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ قدریہ کا۔

اب ان چار فرقوں کے عقائد آپ کے سامنے ہیں۔

۱۔ جو معاذ اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کو فارغ کہتے وہ بھی کلمہ گو ہیں۔

۲۔ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا جسم مانتے ہیں وہ بھی کلمہ گو ہیں۔

۳۔ جو انسان کو مجبور محض کہتے ہیں وہ بھی کلمہ گو ہیں۔

۴۔ جو کہتے ہیں کہ انسان قادر مطلق ہے وہ بھی کلمہ گو ہیں۔

فرقہ مرجیہ اور اسکا عقیدہ

ایک فرقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لینے کا نام ہے۔ پھر نہ نماز کی ضرورت ہے اور نہ روزے کی، نہ حج کی ضرورت ہے اور نہ زکوٰۃ کی، پوری زندگی کوئی عمل، کوئی کام کرنا ضروری نہیں، یہ فرقہ مرجیہ ہے، یہ بھی کلمہ گو ہے۔

فرقہ معتزلہ اور اسکا عقیدہ

❁ ان کے مقابلے میں جب دوسری طرف شدت آئی تو معتزلہ کا فرقہ بنا۔
انہوں نے کہا کہ عمل ایمان کی جزو ہے۔
❁ دونوں طرف غلو تھا اور اہلسنت و جماعت ان کے درمیان درمیان تھے۔
اگر صرف یہ کہا جائے کہ ایمان صرف یہ ہے کہ کلمہ پڑھ لیا جائے، اب کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں تو یہ زیادتی ہے کیونکہ
قرآن کس لئے نازل ہوا ہے؟
بار بار عمل کی دعوت کس لئے دی گئی ہے؟
اگر صرف کلمہ پڑھنا ہی ضروری ہے تو حدیث شریف کس لئے ہے؟
دوسری طرف جو معتزلہ کا مذہب تھا کہ عمل ایمان کی جزو ہے، وہ بھی غلط تھا کیونکہ کئی ایماندار ایسے پائے گئے جن کیلئے عمل پایا ہی نہیں گیا۔
عمل ایمان کی جزو نہیں ہے اسی لئے ہمارے نزدیک وہ شخص جو نماز نہیں پڑھے گا، ایک نماز چھوڑنے سے فاسق ہوگا مگر معتزلہ کے نزدیک مومن ہی نہیں رہے گا کیونکہ جزو جب فوت ہو جائے، کل فوت ہو جاتا ہے اور عمل ایمان کی جزو ہے۔
لہٰذا ان کے نزدیک جب کسی کی کوئی بھی نماز رہ گئی، کوئی بھی روزہ رہ گیا، وہ شخص فوراً دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ جب جزو فوت ہو جاتی ہے تو جزو کے ختم ہونے سے کل خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

سنی ہونا حق کی علامت

اب دیکھیں! یہ کلمہ گو مسلمانوں اور اسلام کے اندر سے ایسی سوچیں پیدا ہو گئیں ان کے درمیان بڑا بُعد ہے، بڑی دوری ہے، ایک مشرق کے کنارے کھڑا ہے تو دوسرا مغرب کے کنارے کھڑا ہے۔
ان میں سے ہر ایک مسلم ہونے کا دعویدار تھا

ان میں سے ہر ایک کلمہ گو ہونے کا دعویدار تھا

ان حالات میں ہم اہلسنت و جماعت خود کو ان کی گالیوں سے اپنے آپ کو بری کس طرح قرار دے سکتے تھے کہ

ہم وہ نہیں جو کہتے ہیں کہ خدا کا جسم ہے

ہم وہ نہیں جو کہتے ہیں کہ خدا معطل ہے

ہم وہ نہیں جو کہے کہ انسان مجبور محض ہے۔

ہم وہ نہیں جو کہے کہ انسان قادر مطلق ہے

ہم وہ نہیں جو کہے کہ عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ہم وہ نہیں جو کہے کہ عمل ایمان کا حصہ ہے۔

بلکہ ہمارا راستہ ان سے جدا ہے۔

ہمارے جداگانہ تشخص کیلئے علیحدہ نام کی ضرورت تھی

اور وہ نام اہلسنت و جماعت ہے۔

آپ خود سوچیں کہ کیا ہمیں ضرورت نہیں تھی کہ جو لوگ اسلام کے نام پر دھبہ بن چکے تھے ہم اپنے آپ کو ان سے جدا کریں، اگر کوئی ہم پر اعتراض کرے تو ہم کہہ سکیں کہ ہم پر ان کا کوئی اعتراض نہ کرنا

یہ معطلہ ہے...... یہ مشبہہ ہے...... یہ مجسمہ ہے

یہ مرجیہ ہے...... یہ معتزلہ ہے...... یہ خارجی ہے

یہ رافضی ہے.................................

ہمارا ان سب سے کوئی تعلق نہیں

ہم اہلسنت و جماعت ہیں

یہ باطل فرقے جو اپنے آپ کو مسلم کہلوا رہے تھے،

یہ کلمہ گو ہونے کے دعویدار بھی تھے۔

ان باطل فرقوں سے امتیاز کیلئے ہمیں اہلسنت و جماعت کہلوانا ضروری ہو گیا

ہمارا اہلسنت و جماعت ہونا ہمارے جداگانہ تشخص کو واضح کرتا ہے۔
ہمارا یہ علامتی نشان واضح کرتا ہے کہ ہمارا ان باطل فرقوں سے کوئی تعلق نہیں۔
ہمارے جداگانہ تشخص کیلئے ہمارے اسلاف نے اسی نام کو پسند کیا جو
سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے......
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے......
تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے......
تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ......

اور ہمارے عظیم اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پسند فرمایا تھا۔

ہماری یہ جداگانہ شناخت انتہائی ضروری ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جنرل مسلم (General Muslim) ہونا کیوں کافی نہیں؟ ان کی فکر بالکل غلط ہے۔ صرف مسلم ہونے کے دعویدار تو وہ بھی ہیں جو ہم سے عقیدے میں متفق نہیں۔

ہم اہلسنت و جماعت ہیں۔
ہم صراط مستقیم والے ہیں۔
ہم اصحاب یمین ہیں
ہم نہ دائیں جھکنے والے ہیں، نہ بائیں جھکنے والے ہیں
ہم نہ افراط کے قائل ہیں، نہ تفریط کے
ہم سیدھے راستے پر چلنے والے ہیں

❁ جب جبر و قدر کی جنگ ہو رہی تھی تو ہم نے دونوں پر حق واضح کیا
ہم نے جبریہ فرقہ والوں سے کہا۔
اے جبریہ! تم غلط ہو
اور قدریہ فرقہ والو سے کہا

اے قدریہ! تم بھی غلط ہو

ہمارے نزدیک انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ قادر مطلق ہے۔

بے شک ہمارے افعال کا خالق ہمارا خدا ہے لیکن کرتے ہم اپنے اختیار سے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ (پارہ ۲۳، سورۃ الصفت آیت ۹۶)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو

ہمارے افعال خلق اللہ کی ہیں لیکن یہ کسب ہمارا ہیں۔

ہم اپنے افعال کے خالق نہیں بلکہ کاسب ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں کا رد تھا اور دونوں کے درمیان صحیح راستہ ہے۔

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔

مگر ہمیں اتنا اختیار حاصل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کو ہم اپنے اختیار سے استعمال کرتے ہیں۔ ہم پتھر کی طرح نہیں ہیں۔ لہٰذا قیامت کے روز ہر بات کا حساب دینا پڑے گا۔

❁ جب معتزلہ اور مرجیہ کی جنگ ہو رہی تھی تو ہم نے کہا

اے معتزلہ! تم غلط ہو، صرف ایک نماز نہ پڑھنے سے بندہ کافر نہیں ہوتا، بلکہ فاسق ہوتا ہے۔

کیوں؟

ہم نے کہا کہ عمل غیر ضروری نہیں بلکہ ضروری ہے مگر وہ ایمان کی جزو نہیں، بلکہ ایمان کی شرط ہے اور شرط شے سے خارج ہوتی ہے، اس شے کا حصہ نہیں ہوتی۔ جیسے نماز کیلئے وضو شرط ہے لیکن وہ نماز سے باہر ہے۔

اسی طرح عمل ایمان کی جزو نہیں بلکہ شرط ہے۔

لہٰذا جب عمل فوت ہوگا تو یہ نہیں کہ ایمان ہی فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ جزو کے فوت ہونے سے کل فوت ہو جاتا ہے لیکن شرط کے فوت ہونے سے کل فوت نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہم نے عمل کی جو اہم نوعیت تھی اس کو بھی برقرار رکھا کہ لوگ بے عملی کا شکار نہ ہوں اور دوسری طرف ہم نے ان کروڑوں لوگوں کا بھی دفاع کیا جن پر کفر کا فتویٰ لگ رہا تھا۔ اگر کسی سے صرف ایک بار وعدہ خلافی ہو جائے۔

صرف ایک بار کوئی چھوٹی سی بد عملی ہو جائے۔

تو کیا ہم کہیں گے کہ اس کا حساب کافروں کے ساتھ ہوگا؟ نہیں

اسی طرح ہمارے اسلاف نے امت کا بھی دفاع کیا اور درمیان میں جو راہ حق تھا اس کو بھی واضح کیا۔

ایمان صرف قول کا نام نہیں بلکہ ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ہے۔

بڑھتا ہے جب عمل ہوتا ہے۔

عمل اس کیلئے شرط ہے۔

ہاں اگر کسی کو عمل کا موقع ہی نہ ملے تو پھر اقرار ہی کافی ہے، تصدیق ہی کافی ہے، ایک صحابی ادھر کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور ادھر لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں۔ درمیان میں عمل کا وقت ہی نہیں ملتا۔

ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے افراط و تفریط کے درمیان کا راستہ ہم اہلسنت کا تھا۔

❁ ایک طرف خوارج کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ کافر ہیں۔

❁ دوسری طرف روافض کہہ رہے تھے کہ فرشتہ جبرئیل بھول گیا تھا۔ اس نے آنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا لیکن غلطی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلا گیا۔

❁ ایک طرف اتنی دشمنی اور دوسری طرف محبت میں اتنا غلو اہلسنت کا راستہ اس وقت بھی درمیان میں تھا اور ہے۔

ہمارا موقف قرآن وسنت کے مطابق تھا کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ نبی نہیں ہیں بلکہ سرکار کے بڑے پسندیدہ صحابی اور خلیفہ ہیں۔ ہم نہ تو ان کی طرف گستاخی کی نسبت کریں گے اور نہ ہی ان کی شان میں غلو کریں گے۔

یہ ہے وہ طریقہ جو اسلاف سے آج تک ان باطل فرقوں کے درمیان سلامتی کے ساتھ آرہا ہے۔ لہٰذا مومنین کے اندر ایک واضح امتیاز ضروری تھا جو کہ اہلسنت کے امتیازی نشان سے ہوا۔

کسی آدمی کا بیٹا غلط ہو تو وہ اس کو عاق کر دیتا ہے اور اعلان کر دیتا ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا کوئی اس کی غلطی میری طرف منسوب نہ کرے۔

اسی طرح اگر یہ باطل فرقے ہمارے ساتھ ہی چمٹے رہتے تو ہمارا جداگانہ تشخص قائم رہتا؟ ہرگز نہیں۔

اسی لئے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جداگانہ تشخص کو عنوان نجات بنایا۔

لہٰذا باطل فرقوں کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس وقت سے لے کے آج تک اہل حق کی شناخت ''اہلسنت وجماعت'' ہے۔

دیکھیں جب کچھ لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا انکار کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (پارہ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑے گا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔

جن پر مومن کے لفظ کا استعمال ہو رہا ہے ان میں سے کچھ پاک ہیں اور کچھ ناپاک۔ یعنی ہر مومن، کلمہ گو پاک نہیں ہے۔

ان میں سے کچھ پاک ہیں اور کچھ پلید ہیں۔

اسی لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا فتویٰ منکرین زکوٰۃ کے خلاف ان کی گردن اتارنے کا تھا۔ وہ منکرین زکوٰۃ کلمہ گو ہی نہیں تھے بلکہ ان میں وہ بھی تھے جنہیں بظاہر صحابی کہا جا سکتا تھا۔

ان کا کتنا بڑا مقام و مرتبہ تھا مگر جب انہوں نے ضرورت دین میں سے صرف ایک کا انکار کیا تو اس وقت ان کے کلمے پڑھنے کو دیکھا گیا اور نہ ہی ان کی نماز کو دیکھا گیا بلکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے سر اتارے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا فتویٰ ایک واضح تشخص اور امتیاز قائم کر دینے والا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر مومنین کا لفظ بول کر فرماتا ہے کہ ہم ان میں سے پاک اور پلید جدا جدا کر دیں گے۔

لہٰذا یہ امتیاز قائم کرنا سنت الٰہی کا خصہ ہے۔

ہم جماعت والے ہیں، ہمارا فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں۔

ہم باطل فرقوں سے وہ واضح امتیاز چاہتے ہیں جو قرآن مجید نے کیا ہے۔
بخاری شریف دیکھ لیں، تمام تفاسیر دیکھ لیں
وہ پلید کون ہے؟
یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ کیسے نبی ہیں جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ مجھے قیامت تک کے لوگوں کا علم ہے اور ہم پیچھے نماز پڑھتے ہیں لیکن ہمارا پتہ نہیں کہ ہم اوپر اوپر سے کلمہ پڑھتے ہیں، اندر سے پکے منافق ہیں۔ اگر انہیں پتہ ہوتا تو ہمیں مسجد سے باہر نکلوا دیتے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:
مَّا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِن رُّسُلِهٖ مَن يَشَاءُ (پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۷۹)
اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔
یہ تھا خبیث اور پاک کو جدا جدا کرنے کا واضح حکم اور اللہ نے ان کو جدا جدا کیا اور منافقین مسجد سے نکال باہر کئے گئے۔ ہم بھی اس امتیاز کی بات کرتے ہیں۔
اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہے کہ پاک اور پلید جدا جدا رہیں۔
ہم ایسے لوگوں کو جو نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو چوہڑے، چماڑ سے ملائیں۔
سرکار کے علم غیب شریف کو معاذ اللہ پاگلوں جیسا کہیں، جانوروں جیسا کہیں۔
ہم ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی نرمی اور بھائی چارے کے روادار نہیں خواہ ان کی

کتنی ہی خدمات ہوں۔

ان کی کروڑوں سال کی بھی خدمات ہوتیں تو ان کو یک گونہ منصب صحابیت تک نہیں پہنچا سکتی تھیں، جب زکوٰۃ کے انکار پر ان کے سر اڑائے گئے تو یہ کس شمار میں ہیں۔

لہٰذا سنی اور غیر سنی میں ایک واضح امتیاز قائم کرنا ضروری ہے۔ اہلسنت ایک راستہ ہے، طریقہ ہے، نجات کا عنوان ہے جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے جداگانہ تشخص کو برقرار رکھنے کیلئے پسند فرمایا۔

یہ ٹھیک ہے کہ جب ہم اقوام عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے تو بحیثیت مسلم کھڑے ہوں گے لیکن جب ہم ان بہرو پیوں کے مقابلے میں کھڑے ہیں تو بحیثیت سنی کھڑے ہیں۔

ہمارا ایسی خرافات بکنے والوں سے کوئی تعلق نہیں جو کہے کہ نبی علیہ السلام کو اردو ہماری درسگاہ سے پڑھنا آئی ہے۔

ہمارا اس سے اور اس کے ماننے والوں سے کوئی تعلق نہیں جو یہ بکواس کرتا ہے کہ اللہ چاہے تو کروڑوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا کر دے۔

ہمارا تعلق اس راستے کے ساتھ ہے جس کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمارے لئے پسند فرمایا جس کو خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دوسرے اکابرین امت نے پسند فرمایا۔

آج کچھ ایسے کور چشم مفکرین پیدا ہو گئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک جسم ہے اور یہ سارے فرقے اس جسم کے حصے ہیں۔

میں نے بارہا ان سے سوال کیا، پوچھا کہ اگر اسلام ایک جسم ہے اور یہ سارے باطل فرقے اس کے حصے تو اسلام دین فطرت کیسے ہو سکتا ہے؟ عالمگیر مذہب کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے بہتر حصے جہنم میں جائیں گے اور ایک حصہ جنت میں۔

لیکن آج تک مجھے جواب نہیں دے سکے۔

لہٰذا ان باطل فرقوں کا جسد ملت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں

ان کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام پورے کا پورا جنتی ہے۔

تم بد مذہبوں کو اسلام کا حصہ بناؤ تو پھر اس بے چارے اسلام کا کیا حال ہو جائے گا جو بہتر حصے جہنم میں جل رہا ہے اور ایک حصہ جنت میں۔

یہ عوام کو گمراہ کرنے کیلئے ان لوگوں کے فریب ہیں۔

یاد رکھنا میرا تو عقیدہ ہے کہ میں سنی ہوں۔

میرے اسلاف بھی سنی ہیں۔

اعلیٰ حضرت سنی ہیں......

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سنی ہیں......

حضرت خواجہ اجمیری سنی ہیں......

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سنی ہیں......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سنی ہیں......

حضرات خلفاء راشدین سنی ہیں......

میں یہ کوئی جذباتی بات نہیں کر رہا، میرے پاس قرآن مجید برہان رشید سے دلائل ہیں۔ یہ درست ہے کہ یہ سنت والا نام بعد میں مشہور ہوا لیکن بعد میں جداگانہ تشخص بننے والا ہوا سے آغاز پر لگایا جا سکتا ہے۔

کس طرح؟

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِىْ سِتَّةِ أَيَّامٍ

(پارہ ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۵۴)

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ حالانکہ جب ان کو پیدا فرمایا تو اس وقت دن نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی کیونکہ دن بنتا ہے،

سورج کے طلوع وغروب سے

سورج تب طلوع وغروب ہوتا جب آسمان موجود ہوتا

جب آسمان ہی موجود نہیں تھا تو دن کہاں سے آ گئے؟

اس وقت دن نام کی اصطلاح نہیں تھی، دن نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کوئی لقب نہیں تھا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کس طرح یہ فرما دیا کہ میں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا حالانکہ اس وقت زمین تھی نہ آسمان۔

دن نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی کہ یہاں سے وہاں تک دن ہے۔

ایک مسلسل وقت تھا، پھر یہ کس طرح کہا؟

بات اصل میں یہ ہے کہ جب بعد میں دن بنے تو چھ دنوں کا جتنا وقت بنتا ہے اتنا وقت زمین وآسمان بنانے میں لگا تھا۔ ایک حقیقت تھی جس کو اس وقت یوم سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا، بعد میں جب یوم کا لفظ بنا تو جس شی کو بعد میں یوم کہا گیا تو اس کے پہلے زمانے میں بھی بعد والا نام استعمال کر دیا گیا۔ اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعد والے نام کو شروع کا نام بنا دیا۔

لہٰذا میں صدق دل سے کہہ سکتا ہوں کہ آج جو اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے وہ عقیدہ خلفاء راشدین کا تھا، وہی عقیدہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اسلاف کا تھا۔

اگرچہ اس وقت سنی کی اصطلاح یوں مشہور نہیں تھی لیکن انہیں عقائد کو بعد میں سنی کہا گیا۔ چنانچہ بعد والا نام اسی حقیقت کے پہلے زمانے کی طرف لوٹا سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سنی تھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ